دیوانجی

یعنی

کلیات ظریف لکھنوی

مرتبۂ "صفی" لکھنوی

پبلشرز
امیریہ دار التصنیف دار التالیف قیصر باغ لکھنؤ

دیوانگی

حصہ اول
غزلیات

حصہ دوم
اشعار متفرقہ

حصہ سوم
منظومات

یعنی

کلیات سلطان الظرفا جناب سید مقبول حسین صاحب مرحوم ظریف لکھنوی

حسب الحکم

عالیجناب راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بالقابہ

والی ریاست عالیہ محمود آباد

مرتبہ

لسان القوم جناب مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی مدظلہ

باضافہ حواشی

تحفظ جملہ حقوق

باہتمام بادشاہ مرزا آثر پرنٹر الواعظ صفدر پریس کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا

پہلا ایڈیشن ایک ہزار جلد

قیمت معہ علاوہ محصول

سنہ ۱۹۳۹ء

اعلان

کوئی صاحب کلام ظریف یا اُس کے کسی حصّے کی بعینہ یا بتحریف طبع و اشاعت سے حقوق محفوظ پر دست اندازی نہ فرمائیں، ورنہ اُن کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی، جتنے نسخے مطلوب ہوں " امیریہ دارالتصنیف والتالیف محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ سے خریدے جا سکتے ہیں۔

جس کتاب پر امیریہ دارالتصنیف والتالیف کی مہر نہ ہو وہ مال ناجائز سمجھا جائے گا۔

فہرست اجزائے دیوانجی

یعنی

کلیات سلطان الظرفا سید مقبول حسین صاحب مرحوم ظریف لکھنوی

انتساب

ظریف مرحوم کا منتشر کلام اُن کی وفات پر مدوّن کر لینے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ اس مجموعے کا انتساب ایسی ذات جامع الصّفات سے کیا جائے جو ادبی ذوق، حسن اخلاق و کمالات انسانی سے آراستہ اور محسن اَدب ہونے کے علاوہ خود ظریف مرحوم کا بھی محسن اور قدر شناس ہو۔ چنانچہ اس دلی آرزو کی تکمیل کے لیے بجز عالی جناب راجہ **محمد امیر احمد خاں** صاحب بالقابہٗ والی ریاست عالیہ محمود آباد کی ذات والا صفات کے کوئی اور ہستی نظر نہیں آئی، بالخصوص اس لحاظ سے کہ ظریف مرحوم کا آخر حصّۂ دورِ حیات اسی سرکار فیض آثار سے وابستہ رہا اور جس جس عملی طور پر ممدوح الشّان نے اپنے فیض و کرم سے تاحیات خود ظریف کی اور ان کی وفات پر اُن کے وابستۂ دامن پرستار کی دستگیری فرمائی، اور مرحوم کا کلام مرتب کرانے اور چھپوانے کے مصارف جیب خاص سے عطا کیے، اور اس طرح مرحوم کے بقائے نام کی بہترین یادگار قائم کر کے ادبِ اردو کو گراں بار کرم فرمایا، اس کی ایک نظیر خود یہ مطبوعہ کلیات ہے۔ لہٰذا یہ مجموعۂ ہٰذا جناب ممدوح الشان کے نام نامی سے معنون کیا جاتا ہے اور غالباً اِس تہدیۂ مناسب سے روح ظریف بھی مسرّت اندوز نہ ہوگی جس کے عہد مودّت کا یہ آخری ہدیۂ عقیدت معہ جملہ حقوق نذر ہے ؎

دیدہ در بود حبابے کہ بایمائے وفا
ہر چہ در کیسۂ خود داشت بدریا بسپرد

نیازمند
صفی لکھنوی



سلطان الظرفا مولانا ظریف لکھنوی مرحوم

ترا چنانکہ توئی ہر کسے کجا داند　　بقدر طاقت خود می کند ادراک

ہدیۂ سپاس

بہ شرف نظر

صدر نشین بزم سخن دانی وشاہنشاہ اقلیم نکات آفرینی۔ ژرف نگہ پایۂ بلند و بالغ نظر دقیقہ پسند واقف رموز انفس و آفاق پردہ کشائے غوامض اسرار معانی وحقیقت شناس رموز شیوا بیانی۔ مظہر شان حسن فطرت ومعنی لفظ آدمیت جناب قبلہ **سید ظریف** لکھنوی۔ زاد مجدہ العالی۔

ادب نواز! یوں تو حیات انسانی تصویر ہے چند بے کیف اور بے رنگ نقوش کی لیکن بخت ونصیبہ کی مساعدت سے اس میں چند ساعتیں ایسی بھی آجاتی ہیں جن کی یاد بقیۃ العمر کے لئے سامان ہزار سرور ونشاط پیدا کر دیتی ہے ہمارے بخت کی رسائی تھی کہ آپ نے ہماری حقیر استدعا کو شرف قبولیت بخشا اور بکمال کرم گستری و ذرّہ نوازی لکھنؤ سے شملہ تک صعوبت انگیز سفر طے فرماکر ہمارے تاریک اور بے رونق کاشانے کو مطلع انوار بنا یا گذشتہ ہفتہ فضائے شملہ جس کیف ومستی اور جس کیفیت ووجدانیت کی بارشوں سے گہربداماں رہی ہے۔ "دل من داند ومن دانم وو اند دل من" یہی وہ چند نایاب ساعتیں ہیں جن کی یاد نور ونکہت کی خاموش داستان بنکر ہمارے دل ودماغ کی خلوت گاہوں میں ضیا پاش وعطر بیز رہے گی۔

شعر وشاعری کو ہم اب تک محض ذہنی تعیش کا سامان سمجھتے رہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس قسم کی شاعری عام طور پر ہمارے سامنے آتی ہے اُسے زیادہ اور سمجھا بھی کیا جائے لیکن آپ نے صنف سخن سے ہمارے قلوب کو آشنا کرایا اس سے ہم پر فطرت کا یہ رازِ سربستہ کھُل گیا کہ شاعری تنقید حیات ہے۔ اور

جسطرح زندگی کے حدود غیر متعین ہیں اسی طرح شاعری کے موضوعات بھی غیر محدود ہیں طنزیہ شاعری ہمارے ہاں ایک جنس رکیک و مبتذل ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اسے عام طور پر حریف متانت و ثقاہت کہا جاتا ہے لیکن اقلیم سخن کی خوش بختی ہے۔ کہ آپنے اپنے نئے اسلوب و انداز سے اس مقبوح کثافت کو حسین لطافت میں اس طرح بدل دیا کہ خود شاعری کے لئے یہ امر موجب ہزار افتخار و مباہات ہو گیا۔ ؎

ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

شاعری کے اس جدید قصر رنگین کی تاسیس و تعمیر آپ کی جگر کاوی و ژرف نگاہی کی رہین کرم ہے اور یہ وہ احسانِ عظیم ہے جس کی گرانباری سے ادبیات اُردو کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

عالیجاہ! ہمارے قلوب کی انتہائی گہرائیوں میں تشکر و تحسین کے جذبات کا جو بے پناہ سیلاب موجزن ہے۔ ہم کسی طرح بھی اس کا اظہار الفاظ و نقوش میں نہیں کر سکتے۔ اپنے اس اعترافِ عجز میں ہمارے لئے صرف یہ امر موجب طمانیت ہے کہ آپ کی نگۂ دور رس ہزار پردوں میں چھپی ہوئی حقیقت کو بھی بے نقاب دیکھ سکتی ہے۔

عظمت مآب! ہم بے حد نادم و منفعل ہیں کہ ہم آپکے مرتبۂ بلند کے شایان آپ کی راحت و آسائش کا سامان بہم نہیں پہونچا سکے۔ لیکن اس ندامت و انفعال کی مدافعت میں ہم سوائے اس کے اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ ہمارے دیدۂ و دل ہمیشہ آپکے لئے فرش راہ ہیں۔ اور ہم تہی دامن اس سے زیادہ کوئی متاع رکھتے بھی نہیں۔ کہ ایک مور بے مایہ اور سلیمان میں آخر کیا نسبت!

بے حد ناسپاسی ہوگی اگر ہم قرۂ باصرۂ دولت و اقبال۔ غرّہ ناصیۂ عظمت و جلال۔ دُرّۃ التّاج فرّخی و فیروز مندی۔ واسطۃ العقدِ معدلت گستری و حق پسندی۔ واقف مواقفِ معارف و معانی سالکِ مسالک دور بینی و کاردانی نقادۂ افاضل انام۔ سلالۂ اکابر کرام حضور والی محمودآباد ایدہ اللہ دولتہٗ و مملکتہٗ کی بارگاہ سطوت و جلال میں ہدیۂ تشکر و امتنان پیش نہ کریں کہ جنھوں نے

اور اجازت بخشی کہ جناب ظریف کی نوازشات بکمال ذرّہ نوازی ہماری استدعا کو شرف پذیرائی عطا فرمایا۔ ہمارے لئے وجہ سر بلندی و سرافرازی ہو سکیں۔ رب العرش والسّماء اس شہنشاہِ کشورِ سخن اور اس بادشاہِ اقلیم سخن کو اپنی رحمتوں کے سائے میں ابدالاباد تک زندہ و پائندہ رکھے۔

"این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

سپاس گذاران نیاز کیش

اہالی شملہ۔ معرفت بزم کہسار شملہ

۱۱ ستمبر ۱۹۳۶ء
یوم جمعہ

پیشگفت

معذرت

اُردو ادب اور ہندوستان کا گنجِ گرانمایہ جس کی شاعری نے واقعی عدیم النّظیر کارِ پیغمبری انجام دیا جیسا آئندہ ثابت ہوگا وہ سید **مقبول حسین ظریفؔ** ہیں وہ شاعر کے بھیس میں ایک زبردست مصلح اور رفارمر بنکر اس صفحۂ گیتی پر آئے تھے جو ایسی نعمت تھے کہ دنیا اُنپر مدتوں نازکریگی اور زمانہ اس نعمت سے محروم ہوجانے پر اپنے آنسوؤں کے دھارے میں بہتا ہی چلا جائے گا مگر شاید پھرایسا مصلح شاعر مشکل سے پا سکے گا۔

اس قحط الرّجال کا کیا ٹھکانا ہے کہ اکبرالہ آبادی اور ان کے ایک خاص طرز شاعری کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو ظریفؔ اپنے رنگ انداز بیان اور افادات شاعری کے اعتبار سے ایسے مسلم الثبوت اُستاد اور منفرد شاعر تھے کہ نہ اُن کے زمانے میں نہ اُن کے بعد کوئی ایسا ہے جس سے ان کی مثال بھی دیجا سکے۔

ان کی زندگی اور شاعری کے کارناموں کی ہلکی سی جھلک ان صفحات میں کچھ نظر آئے گی جس سے اکثر لوگ واقف نہ ہوں گے ورنہ ان کی سنجیدہ طرز حکیمانہ شاعری کا پایہ اتنا بلند ہے کہ اس پر لکھنا میری بساط سے باہر ہے۔ میرے ہمنام اور زبردست ادیب و عالم دوست حکیم مولوی شیخ **ممتاز حسین** صاحب عثمانی ایڈیٹر اودھ پنچ زندہ ہوتے تو آج کلامِ ظریفؔ پر کوئی محققانہ اور دلچسپ پیشگفت لکھتے مگر ان کی ناوقت وفات ظریفؔ مرحوم کی موت کا پہلے ہی پیشگفت ہوگئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا ہمنام ہونے کی وجہ سے شاید اس فریضے کے ادا کرنے کے لئے زمانے نے کسی دھوکے میں مجھے دھرلیا اور خواہ مخواہ یہ عزّت مجھے اُسی طرح ہاتھ آگئی جس طرح ہمنام ہونے کا فائدہ ایک ملازمت کے تقرر میں کسی نے یوں اُٹھالیا تھا کہ سفارش کسی اور کے لئے ہوئی اور کسی نہ کسیطرح ایک اور صاحب جاکر ان کے بجائے کرسی پر بیٹھ گئے خلاصہ یہ کہ ظریفؔ کے دیوان کی مقدمہ نگاری

کے لئے مجھے یوں سمجھئے جیسے عدالت میں کسی غلط ملزم کا چالان کر دیا گیا ہو۔

شکریہ | ظریف مرحوم کے کلام کے اوراق کو ان کے مرنے کے بعد بادِ حوادث کے جھونکے تتلی کی طرح اِدھر اُدھر اڑاتے پھرتے مگر خدا کے مسبب الاسباب ہونے کا یہ تازہ ثبوت نظیر کار ہا کہ دیوان ظریف کی طباعت کے تمام مصارف انتظام کے لئے عالیجناب راجہ **محمد امیر احمد خاں** صاحب والی ریاست محمود آباد کی ادب نواز ذات آمادہ ہوگئی جس کے لئے موصوف پھولوں کی تعداد اور ستاروں کے شمار سے زیادہ شکریے کے مستحق ہیں۔

ممدوح نے ظریف مرحوم کے بڑے بھائی اور اُستاد مولانا صفی مدظلہٗ کے سپرد اس کلام کی ترتیب کی خدمت فرمائی جنہوں نے ظریف کے کلام کو خدا جانے کہاں کہاں سے ڈھونڈھ ڈھونڈ کر یکجا کیا جہاں کہیں کاتب کی عنایت سے غلطیاں ہوگئیں تھیں ان کو درست کیا یا اور طرح پر فرد گزاشتیں تھیں اُنکی صحت و ترتیب کے بعد نہایت مفید تشریحی نوٹ لکھے، کلام کو فہرست میں پرو دیا اس طرح موصوف نے اردو ادب پر ایک اور تازہ احسان فرمایا اور جناب راجہ صاحب نے اس کی اشاعت کا انتظام کر کے اپنے دامنِ کرم کے حدود کو بڑھا کر دامنِ حشر سے ملا دیا۔ بالفاظ دیگر رہتی دنیا تک اپنے کرم اور ظریف کی یاد تازہ رکھنے کا سامان کر دیا۔

ایک غلط نسخے کی طباعت | زمانہ کلام ظریف سے مستفید ہونے کے لئے کچھ اتنا بے چین تھا کہ جس طرح آلہ دین کے چراغ والے قصے میں مصطفےٰ کے مرنے پر اُس نے ایک چچا اسکے یتیم بیٹے کے لئے پیدا کر دیا تھا اسی طرح ظریف کے مرنے پر اُس نے ایک صاحب کو انکا فرضی شاگرد پیدا کر کے ان کے دل میں اتنا تیز درد پیدا کیا کہ ان کے ہاتھ سے دامنِ صبر چھوٹ گیا اور اِدھر اُدھر سے نوچ کھسوٹ کر جو کچھ کلام ظریف ہاتھ آیا اس کو بلا کسی خاص ترتیب کے اور جہاں مناسب سمجھا یا جہاں نہیں پڑھا گیا اُسپر دہ کسی صاحب سے اصلاح دلا کر دیوانِ ظریف کے نام سے کوئی چیز بجا کر چھاپے خانے کی بھٹی میں جھونک آئے۔ اس میں جا بجا مذاق سلیم کی خاصی حجامت بنا دی گئی

تھی مگر اتنا اچھا ہوا کہ اس کی اشاعت کے ارادے کا پتہ چل گیا اور مشتہر صاحب کو اس کی اشاعت سے منع کر دیا گیا لیکن کھٹکا لگا ہے کہ جیسے حضرت آدم شجر ممنوعہ تک خراماں خراماں پہونچ گئے تھے یوں ہی ممکن ہے کہ کوئی صاحب ظریف کے ممنوعہ دیوان تک پہونچ جائیں اسلئے اہل ذوق کو چوکنا رہنا چاہئے اس جگہ غلط دیوان کی بے ترتیبی کا ذکر بیکار ہے۔ مگر غلط نسخے سے ایک شعر کی عجیب وغریب اصلاح کے ذکر سے اندازہ تو ہو جائے گا کہ وہ شعر کیسے تھری مضحکے کا نمونہ بن گیا اور جس دیوان میں اس نمونے کے شعر ہوں اس کا احسان اُردو پر بھلا کیا ہو سکتا ہے۔

ظریف مرحوم کا مشہور شعر جسے برسوں ہر طبقے اور ہر خیال والوں نے اور خود ایسے مقتدر ذوق سخن رکھنے والے بزرگ نے جن کا نام بھی سیتارام تھا سنا اور بہت پسند کیا وہ یہ ہے:- ؎

نرہے یا مادہ عجب ترکیب ہے اس نام کی کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے سیتارام کی

مذکورۂ بالا نسخے میں اسے یوں مسخ یا مرگی زدہ بنا دیا گیا ہے:- ؎

نرہے یا مادہ عجب ترکیب ہے اس نام کی کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے تلشی رام کی

جس طرح ظریف نے اپنے شعر کے نظم اور حسن تخئیل میں بڑی لطیف خوش طبعی اور نیک نیتی سے کام لیا ہے اوسی طرح اصلاح دینے والے بزرگ نے بھی انتہائی نیک نفسی سے اصلاح دی ہے کیونکہ انکو شاید یہ شبہہ ہوا کہ کہیں کوئی پرانے خیال کا آدمی برہم ہو کر محاذ جنگ نہ قائم کر بیٹھے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ محض امن اور مذہبی بلوے کو روکنے کے لئے یہ اصلاح دی گئی۔ پہلے تو اصلی شعر لفظی مناسبت اور معنوی لطافت کے ساتھ بڑی دلچسپی کا کھلونا تھا۔ مگر اب لفظوں کی غیر مناسبت سے یہ ہوا کہ دنیا میں جتنے لوگوں کا نام تلشی رام ہے ان کو اصلاح دینے والے سے شکایت کا حق پیدا ہو گیا۔ بہر حال اہل ذوق مطمئن رہیں کہ غلط نسخے کی اشاعت روک دی گئی ہے۔

اس اصلاح اور بہت سی ایسی اصلاحوں اور نقلوں سے یہ مُتحاحل ہوتا ہے جس کا ذکر لگے ہاتھ دلچسپی سے خالی نہیں کہ کبھی ایسا ہو جاتا ہے جسے اتفاقی ستم ظریفی کہنا چاہئے اگرچہ بعض ایسے باکمالوں

کی نیّت مزاحیہ یا مضحکہ پیدا کرنے کی نہیں ہوتی مگر ان کا شعر جس کو وہ سنجیدہ سمجھ کر کہتے ہیں آپ ہی آپ مضحکہ خیز ہو جاتا ہے۔ مثال کیلئے یہ اوپر لکھی ہوئی اصلاح اور اصلاح کو سمجھنے کے لئے ایک اور دلچسپ شاعری کا واقعہ عرض کیا جاتا ہے:۔

ایک صاحب نے خواجہ حافظ کی غزلوں کا ترجمہ اپنی دانست میں بڑی نیک نیتی سے نظم فرمایا۔ مگر کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ سہواً کوئی غیبی قوت دماغ کے اندر گھس کر اُسے مضحکہ خیز بنانے میں کارفرما ہو گئی مثلاً خواجہ حافظ کا مصرع یہ ہے:۔

ے مُطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما۔ اسکا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔ مطرب سے کہدو ناچ ہو سب کام ٹھیک ہے۔

حافظ ے چو کحل بینشِ ما خاکِ آستانِ شماست کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

ترجمہ ے انجن بنایا خاک سے جب آستان کی جاؤں کدھر میں چھوڑ کے چوکھٹ جناب کا

حافظ ے شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا تفقّدے نہ کند طوطی شکر خارا

ترجمہ ے بڑی ہو عمر اس کی پر مٹھائی بیچنے والا سمجھتا ہی نہیں ہے طوطیانِ شہد خارا کو

ظریف کے حالات زندگی

یوں تو مینڈک بھی اپنے کو پیدائشی شاعر منوانے کے لئے تالاب سے سر نکال کر کتنا شور کرتا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ شاعر کچھ اور ہی مٹّی کا پتلا ہوتا ہے۔

نہ شاعر تعریف کے چھینٹے سے بنتا ہے نہ مذاق سلیم گوبھی کا پھول ہو کہ گئے اور سبزی منڈی سے دو پیسے کا لے آئے قدرت کے انفعال، زمانے کی فضا، تعلیم و تربیت، گرد و پیش کی صحبتیں اور خدا جانے کن کن قدرتی اثرات سے مدّتوں میں ایک انسان اچّھا شاعر ہوتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے اچّھے شعرا کے دیوان کے مقدمہ نگاروں کو ضرورت ہوتی ہے کہ خفیہ پولیس کے کانسٹبل کی طرح اِدھر اُدھر سے سُراغ رسی کر کے اُن کی زندگی کا خلاصہ روزنامچہ مرتّب کر کے پیش کریں۔ ظریف کے حالات بھی اسی نظریّے کے

تحت میں لکھے جاتے ہیں۔

نام ونسب نام سید مقبول حسین، تخلص ظریف، ان کے والد ماجد مولانا سید فضل حسین صاحب مغفور، رکن خانوادۂ علم وفضل ہونے کے علاوہ نہایت خوش طبع اور زندہ دل تھے اُن کا آبائی وطن اولاً فیض آباد، پھر عہد شاہی سے شہر لکھنؤ، مدت سے محلہ مولوی گنج میں مکان مسکونہ، ظریف مرحوم جناب مولانا صفی جیسے ذی علم سلیم المذاق اور قادر الکلام شاعر کے شاگرد اور حقیقی بھائی، ان سے آٹھ سال کچھ مہینے چھوٹے تھے۔

ظریف کے حقیقی چچا مولانا سید حسین صاحب فاضل جید، حکیم حاذق اور پیشنماز، جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد العصر طاب ثراہ کے شاگرد بحد ظریف الطبع اور بذلہ سنج تھے اُنھوں نے ظریف کا نام محمد حنیف رکھا تھا مگر عورتوں کی باطنی شریعت اور وہم پرستی نے اس نام کا رواج نہ ہونے دیا کیونکہ خدا جانے کہاں سے ان لوگوں نے یہ غلط بات سُن رکھی تھی کہ محمد حنفیہ دیونی کے پیٹ سے تھے۔ عورتوں کو سند سے چڑھ، علم رجال سے ضد، مولانا کی شریعت دھری رہ گئی اور ان کے نام کے بارے میں عورتوں کی شریعت غالب آ گئی۔ البتہ جب ظریف بڑے ہو کر کربلا گئے اُس وقت آنے جانے والے خطوط پر یہ سیاسی قسم کا نام اپنی جگہ حاصل کر سکا ورنہ یوں عورتوں نے مقبول عام نہ ہونے دیا۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں ظریف کا جو خط کربلا سے حکیم جعفر حسین صاحب مرحوم کے نام آیا تھا اس کے ایک شعر سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ؎

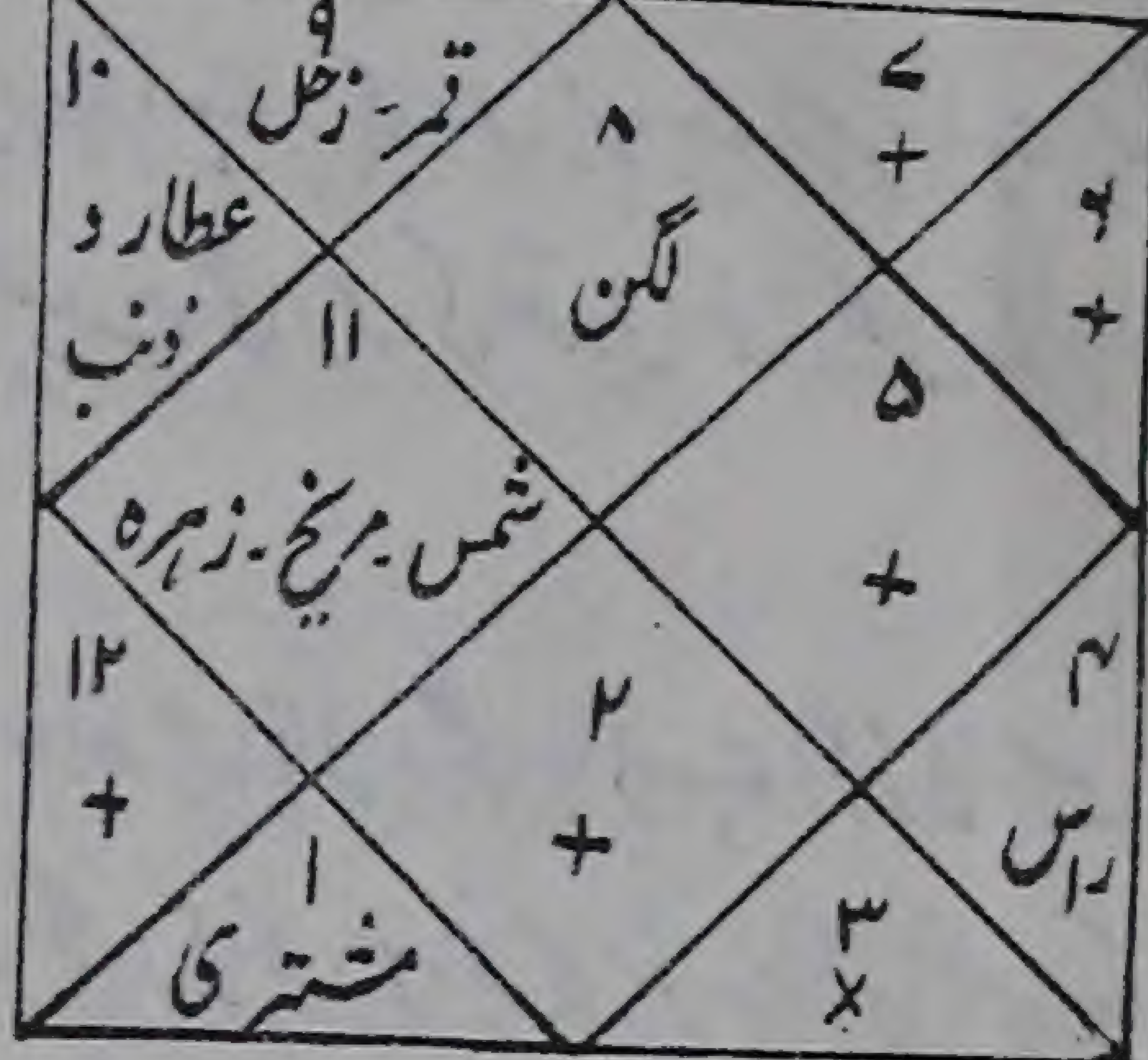
حنیف عراقی و مقبول ہند　　　مقیم حرم مرد بے عار و رند

ظریف کے والد، بڑے چچا اور بڑے بھائی سب کے سب خوش طبع اور زندہ دل۔ اسطرح ظریف کو زندہ دلی وراثتہً بھی ملی اور پھر زندہ دل خاندان میں اُنھوں نے پرورش پائی

سنہ ولادت اور زائچہ ظریف کی ولادت ۱۴ر فروری ۱۸۷۰ء مطابق ۲۲ر ذیقعدہ ۱۲۸۶ھ روز پنجشنبہ ساڑھے گیارہ بجے شب کو اپنے مسکونہ مکان مولوی گنج

یں ہوئی۔

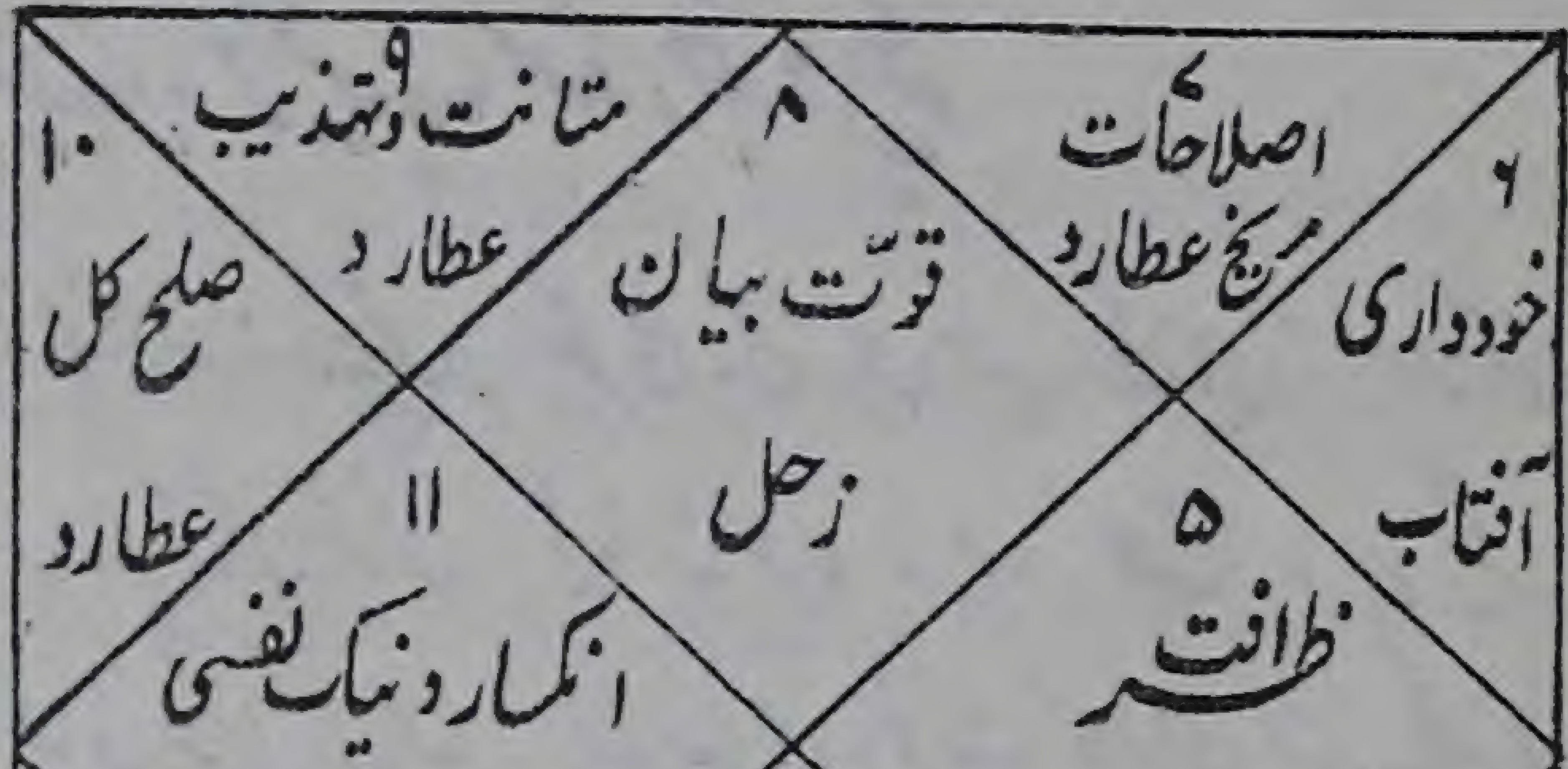
اُن کا زائچہ جو ایک پنڈت جی نے بنایا وہ یہ ہے:۔



اس زائچے کے حساب سے احکام طالع یہ ہیں کہ دولت کی کمی نہ ہو دولت حسب خواہش پیدا کریں مگر جمع نہ ہو سکے۔ زندگی میں دور دراز سفر کرنا پڑیں اور وہاں سے کافی فوائد ہوں۔ بعد پیدائش چھ برس تک بیماریاں رہیں ابتدائے عمر میں ملازمت ملے۔ بڑے بڑے آدمیوں میں جلد تر نام پیدا کریں۔ دشمنوں پر ہمیشہ غالب رہیں۔ عیال و اطفال کی طرف سے کوئی راحت نہ ملے۔

یہ سب احکام حرف بحرف صحیح ثابت ہوئے۔

زائچہ مرتبۂ پنڈت زندہ دل رام:۔



یہ اپنی قسم کا نو ایجاد زائچہ نہیں بلکہ حقیقتاً زائچے کا تابع پھل زائچہ ہے۔ عام برہمن پیدائش کے بعد زائچہ بناتے ہیں۔ مگر یہ مرنے کے بعد بنایا گیا ہے۔ یہ زائچہ بتاتا ہے کہ ہر خانے میں ظریف کی جو سیرت یا صفت لکھی گئی ہے۔ وہ اس ستارے کی خاصیت یعنی پھل اور اثر کی بنا پر ہے جس کا نام سیرت کے نیچے درج ہے یہ زائچہ جوتش کے حساب سے اور بلحاظ عمل اور پھل بالکل صحیح ہے۔ اور ظریف کی تمام زندگی کا جائزہ لیکر حساب و شمار کر کے اہم صفات و سیرت سے بنایا گیا ہے۔

یہ دائچے کا دائچہ ہے اور پھر فالنامے کا فالنامہ جس نمبر کے خانے میں اُنگلی آنکھ بند کرکے رکھیے اسی نمبر پر آگے بڑھ کر ظریفؔ ہی کا شعر ملے گا جس میں ظریفؔ کی وہ سیرت یا صفت درج ہے جو اسی ہندسے والے خانے میں درج ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاعر کی سیرت اور اس کے کیریکٹر کا اظہار خود اسی کے شعر سے ہوتا ہے یعنی اس فلسفے کا یہ مطلب ہے کہ جو برتن میں ہوتا ہے وہی اس میں سے باہر آتا ہے۔ چنانچہ ظریفؔ میں جو خاص خوبیاں تھیں اور جیسی ان کی افتاد طبیعت تھی اس کی تصدیق خود انھیں کے شعروں سے ہوتی ہے۔

فالنامے والی بات یہ ہے کہ جس طرح دیوان حافظ میں فال دیکھی جاتی ہے اگر کوئی اس دائچہ سے بطور فال فائدہ اٹھانا چاہے تو کسی خانے میں انگلی رکھ کر اسی نمبر کا شعر لیے کسی منطقی کے پاس چلا جائے جو ایک انڈے کو دو انڈے ثابت کرنا جانتا ہو وہ اسی شعر سے ہر ایک کے زائچۂ تقدیر کے موافق کھینچ تان کر کوئی لگتا ہوا مطلب برآمد کردے گا۔

اشعارِ ظریفؔ بہ ترتیب مندرجۂ دائچہ

(۱) ؎ ظرافت میں ہم اپنی قوم کا افسانہ کہتے ہیں کھری کہتے ہیں جب کہتے ہیں آزادانہ کہتے ہیں

(۲) ؎ لائے گئے ظریفؔ یہاں ہم کشاں کشاں گویا مشاعرہ نہ ہوا تھا نہ ہو گیا

(۳) ؎ مسلماں ہیں بلا تفریق بھائی بھائی آپس میں ہم اسلامی اخوت کا یہی منشا سمجھتے ہیں

(۴) ؎ خود بخود لکڑی میں یوں سوراخ ہو جاتا نہیں جب تلک برمے سے نجار اُسکو برماتا نہیں

(۵) ؎ چمن زارِ ظرافت سیرگاہِ طبع موزوں ہے کہ ہے خارِ حسد سے پاک تختہ اس گلستاں کا

(۶) ؎ ہم اپنی کملی میں خوش ہیں ہمیں پسند نہیں وہ صحبتیں کہ جہاں ہوں دوشالۂ کشمیر

(۷) ؎ وہ مجھے خواہشِ وصل ان سے بہ تخئیل جدید وہ بہ تخئیل قدیم ان کا گریزاں ہونا

(۸) ؎ زبردستی ہزاروں دھجیاں بنئے اڑا ڈالیں پرانا چیتھڑا پایا جو ناسخ کے گریباں کا

(۹) ؎ پنہاؤں فکر کو اس حسن سے جامۂ ظرافت کا کشادہ ہر طرف تہذیب کا جس میں کہ دامن ہو

(۱۰) ؎ مرا مشرب ہے، صلح کل مرا مسلک ہے آزادی نمک پروردہ ہوں ذوقِ سخن کے خوانِ احساں کا

(۱۱) ؎ سخنور زہر کھائیں دیکھ کر کیوں میری سرسبزی مجھے اک سبزہ بیگانہ سمجھیں اس گلستاں کا

(۱۲) ؎ گر نہ ہو باور چھری سے کاٹ کر تم دیکھ لو پیاز کی آنڈی کے اندر ہے گھسی تاثیر غم

ابتدائی زندگی اور ظرافت کا نمونہ

بعد ولادت ماں کا دودھ خشک ہو گیا اس لئے انّا رکھی گئی دو برس بعد وہ بھی مرگئی۔ ظریف اپنے والد سے زیادہ ہل گئے تھے اس لئے انھیں کے پاس بہت رہنے لگے۔ اس طرح گویا زندہ دل باپ کے آغوش یا خوش طبعی کی گود میں پلے۔ یہ بچپن ہی سے بہت شوخ اور بیباک تھے ان کے والد کے ایک دوست میر علی حسین صاحب ان کے ہمسایہ نے انھیں بہت ڈھیٹ بنا دیا تھا صدہا جانوروں کے نام یاد کرائے تھے اور قرارداد یہ تھی کہ میر صاحب موصوف خود ظریف کو اگر کوئی جانور بنائیں تو یہ بے جھجک انھیں ایک ہی سانس میں جانور بنانا شروع کریں یعنی تو گیدڑ ہے، تو بارہ سنگھا ہے، تو چکور ہے، تو نیولا ہے، اس کی صورت یہ تھی کہ اکہری کے مقابل میں جو حریف دوہری اور تہری کہے وہ جیت جائے۔ یہ جنگ زرگری روزانہ ہوا کرتی تھی۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ ظریف شب کو اپنے والد کے پاس بالاخانے پر لیٹے ہیں اور میر صاحب موصوف اپنے برآمدے میں ہیں اور بحث ہو رہی ہے۔ ان کے والد کے ایک دوست مرزا آغا حسن صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں کہ ان کے حریف نے چھیڑا غالباً اسوقت ان کی عمر چار یا پانچ سال کی ہوگی۔ ظریف نے جوش میں آکر جواب دینا شروع کیا بہت سے جانوروں کے نام لیتے گئے جب کوئی جانور یاد نہ آیا تو آخر تھک کر اپنے حریف کی طرف مخاطب ہو کے کہہ دیا کہ تو آگا، پچھن (آغا حسن) ہے یہ سنتے ہی ایک قہقہہ پڑا حریف نے ہار مان لی۔

یہ ظریف کے بچپنے کی معنی خیز ظرافت ہے کہ حیوانِ ناطق کو حیوان مطلق بنا کر اپنی غیر شعوری ظرافت طبع کے زور سے یہ میدان جیت لیا۔

بچپن کی ایک نقل | ظریف کے بچپن کا ذکر ہے کہ ان کے محلے میں ایک فقیر آیا کرتا تھا۔ جس کا نام جھل جھل تھا وہ پاؤں میں گھنگرو باندھ کر ہاتھ کے اشارے سے کنکوا اڑانے کا سماں دکھا کر منہ سے کہتا جاتا تھا۔ "یہ کاٹا وہ کاٹا" سر پر اسکے ایک پھندنے دار ٹوپی ہوتی تھی جسمانی حرکات سے پھندنا ہلتا رہتا تھا۔

ظریف پاؤں میں کنجیوں کا گچھا بندھوا کر اس کی ہو بہو نقل اتارتے تھے۔ مولوی سید علی میاں صاحب کامل مرحوم، مشہور و معروف شاعر مولانا صفی کی اہلیہ کے بڑے بھائی جب تشریف لاتے تو ظریف کو دوست کہکر پکارتے اور ان کے سامنے چند تافتانیں، شکرا اور بالائی منگوا کر پیش کر دیتے بعد ازاں جھل جھل والی نقل کی فرائش کرتے۔ ظریف بے تکلفانہ تعمیل فرمائش میں مصروف ہو جاتے۔ علی میاں صاحب ان کی ذہانت اور ذکاوت سے اتنا خوش تھے کہ وہ ایک آدھ کام کی بات اکثر ظرافت ہی کے پیرائے میں ذہن نشین کرا دیتے اس طرح ظریف زندہ دلی اور خوش فکری کی فضا میں سانس لے کر بڑے ہوئے اور گرد و پیش کی یہ باتیں ظرافت کی نشو و نما میں بہت مددگار ہوتی رہیں۔

مولوی علی میاں صاحب کامل میر انیس سے شاعری میں ٹکر لینے کا دعوی کرتے تھے۔ یہ انھیں کی تافتان اور بالائی کا شاید زور ہے کہ ظریف کے کلام میں بلا کی لطافت ہے۔

ایک اور ادبی لطیفہ | اسی زمانے میں ظریف کے بڑے بھائی کی اہلیہ کے ماموں زاد بھائی آغا منّے صاحب اکثر ظریف کے گھر آتے رہتے تھے۔ یہ بہت پستہ قد تھے جن کا قد بجائے خود نظر آفریں تھا۔ یہ لکڑی خوب جانتے تھے اور مولانا صفی کے ہم عمر اور ایک ہی استاد میر ہادی علی کے شاگرد تھے مولانا صفی نے مزاحاً ایک عربی دوبیتی پر مصرع لگا کر ظریف کو یاد کرا دئے تھے۔ یہ مصرعے بھی ان کے قد اور ظریف کے سن کی مناسبت سے منّے منّے سے ہیں۔ جب منّے صاحب آتے تو ظریف انھیں پڑھکر سناتے اور وہ ہنس کر ان کی تعریف کرتے۔ تضمین یہ ہے:۔

مرا بھائی ہے اک منّا × بہت وہ چپ ہے اور گھنّا × رباعی اس سے یہ سُنّا × علیٌ حُبُّہٗ جُنّہ

تَسِیمُ النَّارِ وَالْجَنَّہ × وَصِیُّ الْمُصْطَفیٰ حَقّاً × اِمَامُ الْاِنْسِ وَالْجَنَّہ

ظریف کی تعلیم

۱۸۷۷ء مطابق ۱۲۹۴ھ میں ظریف کی تعلیم شروع ہوئی یہی وہ سنہ ہے جب سرسید نے علیگڈھ میں انگریزی تعلیم گاہ کھولی اور لکھنؤ سے منشی سجّاد حسین صاحب مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ نے اودھ پنچ نکالا۔ زمانے کی ستم ظریفی تو دیکھیے کہ شاعری اور تخئیل قدیم کا مصلح مکتب میں بیٹھنے بھی جاتا ہے تو اسی ۱۸۷۷ء میں۔

ظریف نے کلام مجید اپنی بڑی بھاوج مولانا صفی کی اہلیہ سے پڑھا اور اردو فارسی کی درسی کتابیں اپنے بڑے بھائی سے پڑھیں۔ جون ۱۸۸۳ء تک ظریف کی تعلیم و تربیت اس مدرسے میں ہوتی رہی جو مولانا صفی نے اپنے مکان پر قائم کیا تھا جس میں اکثر طلبہ اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی پڑھنے آیا کرتے تھے۔ ظریف نے اپنے پڑوسی پنڈت رجّن لال صاحب سے ہندی بھاشا اور تھوڑی سنسکرت پڑھی۔ یہی وجہ ہے کہ طاعونی آلھا اور شہر آشوب وغیرہ میں ظریف نے دیہاتیوں کی زبان بڑی بے تکلّفی سے نظم کی ہے۔ جب جون ۱۸۸۳ء میں بسلسلۂ ملازمت مولانا صفی سلطان پور چلے گئے تو ظریف نے بعض کتب درسیہ مولوی سیّد محمد صاحب واثق سے پڑھے اور یہ سلسلہ ۱۸۸۴ء تک جاری رہا۔

ظریف کی تعلیم اُردو اور اچھّی خاصی فارسی اور بقدر ضرورت تھوڑی سی انگریزی کی تعلیم اس زمانے کے شرفا کی رواجی تعلیم کے موافق ہوئی اس کے بعد کتب بینی اور اہل علم کی صحبت سے ظریف کے معلومات میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا۔

شاعری کا سلسلہ اور طبعی ذوق

ظریف اپنے بڑے بھائی مولانا صفی کے ساتھ ۱۸۸۰ء سے اس مشاعرے میں جانے لگے جو پاٹے نالے پر اُن کے عزیز حکیم میر باقر حسین صاحب نے قائم کیا تھا اور اپنی چھوٹی سی غزل نو دس برس کی عمر میں پڑھتے تھے۔ رعب محفل سے ذرا بھی متاثر نہ ہوتے تھے۔ یہ غزلیں مزاحیہ نہیں ہوتی تھیں خود کہتے تھے یا اُنکو غزل درست کرکے کوئی دیدیتا تھا

اس کو کسی بچے یا شوقین دولتمند سے پوچھیے جسکو مشاعرے میں غزل پڑھنے کے لئے غیب سے ملجاتی ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مجہول قوم کو منّ و سلوےٰ ملا کرتا تھا۔

ظریفؔ کا حافظہ اسقدر قوی تھا کہ ان کو مولانا آصفی کے صدہا شعراز بر تھے۔ شاہزادے مرزا سلیمانقدر بہادر (برادر سلطان عالم مرزا واجد علی شاہ اودھ) کی ڈیوڑھی پر ایک مکتب تھا جس میں شہزادے صاحب کے چھوٹے بیٹے شہزادے مرزا کی تعلیم کے لئے واثق صاحب موصوف مامور تھے۔ جن کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا۔ اس مکتب میں اور بھی شرفا کے لڑکے پڑھتے تھے۔ ظریفؔ کے والد ماجد اسی سرکار میں مدارالمہام تھے اور اس مکتب کے اکثر طلبہ ظریفؔ کے ہم عمر تھے اس لئے یہ اکثر وہاں جاکر بیت بازی کیا کرتے تھے۔

واثق باوجودیکہ ایک ذی علم بزرگ تھے مگر ان کی شاعری بہت پرانے رنگ کی تھی۔ ستّر ستّر، اسّی اسّی شعر کی غزلیں کہتے تھے۔ کوئی قافیہ چھوٹنے نہ پاتا تھا۔ کتب لغت سے قوانی چھانٹ چھانٹ کے نظم کرتے تھے اور غیر مانوس قوانی کے معنی حاشیے پر لکھکر حوالہ لغت اس طرح لکھ دیا کرتے تھے۔ ہکذا فی الصراح، ہکذا فی البرہان۔

شاہزادہ مرزا سلیمان قدر بہادر خود بیحد سلیم المذاق اور سخن فہم تھے۔ ظریفؔ کو گھر سے بلوا کے اکثر مولانا آصفی کے شعر اُن سے سُنا کرتے تھے اور کبھی کبھی تفریح طبع کے لئے مولوی واثق صاحب کو بلا کر ان کی غزلیں سنکر لطف اندوز ہوتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۸۱ء میں ایک بار مولوی صاحب موصوف اپنی غزلیں شہزادے صاحب کو سُنا رہے تھے اُسوقت ظریفؔ بھی اتفاقاً وہاں موجود تھے۔ مولوی صاحب نے ایک غزل سُنائی جس میں قوانی۔ ادق۔ بق۔ شق وغیرہ تھے۔ اور ردیف اس کی "زمین کے تلے" تھی مطلع یہ تھا:- ؎

عدم کا جادہ ہے راہِ ادق زمیں کے تلے   مگس کا خوف نہ ہے بیم بق زمین کے تلے

مولوی صاحب کا دعوےٰ یہ تھا کہ اس غزل میں کوئی قافیہ چھوڑا نہیں گیا ہے۔ شاہزادے صاحب تلاش قوانی کی داد ہنس ہنس کر دے رہے تھے۔ کہ دفعتہً ظریفؔ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ سرکار

ایک قافیہ چھوٹ گیا ہے۔ مولوی صاحب بہت نیک اور سیدھے آدمی تھے گھبرا کر پوچھنے لگے کون سا قافیہ ظریف نے فی البدیہہ یہ شعر کہکر سُنایا ؎

فشارِ قبر ہوا جب کہ ایک مردے پر
پھٹا جو پیٹ صدا آئی بھق زمیں کے تلے

مولوی صاحب موصوف اپنی غزل میں "اسطرح" کے مقام پر "اس نمط" نظم کیا کرتے تھے چنانچہ ظریف نے ایک مرتبہ مولوی صاحب کے ایک شعر پر مصرعے لگا کر شہزادے صاحب کو سُنائے بہت خوش ہوئے۔

تخمیس شعر مولوی واثق صاحب

جو اہل علم ہیں ہے کلام ان کا اس نمط
میرا ہی قول اس میں نہیں ہے یہ کچھ نقط
بولی زبان حال سے دریا پہ ایک بط
النقلُ مِثلُ الاَصُل یہ مشہور ہے غلط
آرام زاغنول نہیں نولِ زاغ ہیں

زاغنول فارسی میں کدال کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ کوّے کی چونچ کے مشابہ ہوتی ہے زاغ بمعنی کوّا۔ نول بمعنی چونچ۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مقولہ النقّلُ مِثلُ الاَصُل، یعنی نقل کا مطابق اصل ہونا بالکل غلط ہے۔ دیکھو کدال کو کہ وہ نول زاغ کی نقل ہے مگر اس سے کہیں زیادہ کار آمد کوّے کی چونچ سے وہ کام نہیں نکلتا جو کدال سے نکل سکتا ہے۔

مولوصاحب کو صنائع بدائع سے بھی شوق تھا۔ صنعت تجنیس میں فرماتے ہیں۔ ؎

ہر شخص کے زیر پا دری ہے
پھر کس لئے اوج پادری ہے

فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے زیر پا یعنی پاؤں کے نیچے، دری بچھ سکتی ہے پھر پادری کو یہ اوج کیوں حاصل ہے

مولوی صاحب کی شاعری کو سُن سُن کر ظریف کی طبیعت میں انکی خدا داد سلیم المذاقی نے ظرافت کی گدگدی پیدا کردی اِدھر ظریف کے ہم درس طلبہ اور خود ظریف مولانا صفی سے

شعروں پر اصلاح لینے لگے۔ مولانا صفی نے اُفتاد طبیعت پر نظر کر کے ظریف کو ظریفانہ اشعار کی مشق کرائی اور خود ہی اصلاح دیا کرتے تھے اور خود ظریف تخلص تجویز کر دیا۔ مشق سخن ظریف نے برابر جاری رکھی۔ مولانا صفی خود غزل میں فرسودہ مضامین، اور سوقیانہ، مبتذل اشعار یعنی سرمہ۔ مسی۔ انگیا کرتی۔ مانگ۔ چوٹی۔ کمر دہن کے مبالغہ آمیز عامیانہ رنگ کو چھوڑ کر مفید تخئیل سے غزل کی شاعری میں اصلاح کے خواہاں تھے اور خود اسی عنوان سے مضامین غزل کی داغ بیل ڈال دی تھی مگر برسوں سے جس ڈھرّے پر دنیا لگی تھی اس کو ترک کرا دینا بڑا مشکل کام تھا اس لئے اُنھوں نے اپنے چھوٹے بھائی ظریف کو اس کام میں مدد کے لئے تیّار کرنا شروع کیا اور ۱۸۸۸ء میں جب مولانا صفی بیرد نجات سے لکھنؤ آگئے تو اُنھوں نے اپنے مکان پر ایک ہفتہ وار صحبت مشاعرہ مقرر کی جو شب یکشنبہ کو ہوا کرتی تھی۔ اس میں مولانا کے اکثر شاگرد۔ صغیر، بہار، امجد، ظریف۔ وحشی وغیرہ شریک ہوتے تھے۔ ظریف کی مشق ان شاعروں کی وجہ سے بہت بڑھ گئی۔ یہ مشاعرہ نہ تھا اصلاح زبان اور حسنِ تخئیل کی تعلیم کا گویا ایک مدرسہ تھا۔ شاہزادہ مرزا سلیمانقدر کی صحبتوں میں جس کو دربار کہا جاتا تھا اکثر مشاعروں، مقاصدوں، مسالموں کی محفلیں اور مجلسیں ہوا کرتی تھیں جن میں مولانا صفی کو خصوصیت سے شاہزادے صاحب بلواتے اور زبان کی اصلاح اور تخئیل کی سنجیدگی مولانا کے کلام میں ان کو بے حد پسند تھی اسلئے اکثر سنا کرتے تھے۔ ظریف برابر مولانا کے ساتھ ایسی صحبتوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور بحث مباحثوں سے فائدے اُٹھاتے تھے۔

مشاعرے کی پہلی مزاحیہ غزل اور اصلاح تخئیل

۱۸۸۹ء مطابق ۱۳۰۷ھ میں ایک بہت بڑا مشاعرہ لکھنؤ میں ہوا تھا۔ اسمیں مصرع طرح یہ تھا۔ ؎ تمنّا ہے کسی کی تیغ ہو اور اپنی گردن ہو۔ جس سنہ میں یہ مشاعرہ ہوا اس وقت ایک نہایت قلیل جماعت پیام یار اور ادوھ پنچ کے اجرا کے بعد سے زبان اور تخئیل میں اصلاح کی منتظر تھی مگر لکھنؤ کے شعرا بیشتر پرانی روش کی شاعری کے دلدادہ تھے عوام کا بھی مذاق یہی تھا۔ یوں تو لکھنؤ کا محلّہ محلّہ اچھے شاعروں سے بھرا ہوا تھا

لیکن ان میں ایسے بھی قادر الکلام تھے جیسے ماہر، کامل، مشاق، فصاحت، چھوٹے بھیّا افضل، بڑے بھیا حکیم (اسیر مرحوم کے چھوٹے بڑے صاحبزادے) للّن صاحب خجے رشید، جاوید، رشید، مظہر آغا، مرزا رسوا وغیرہ جو اپنے کلام کے ابتدائی دور کے لحاظ سے خود جلال۔ لیکن ان میں سے اکثر حضرات شاعری میں اصلاحِ تخئیل اور تبدیلیِ مذاق کا خیال تک آنا گوارا نہ کرتے تھے۔ البتہ مولانا صفی جنھوں نے اصلاح تخئیل کی ابتدا کی بعض اور شعرا بھی گل و بلبل کی شاعری سے اُکتا کر اپنے کلام کو ترقی پسند زمانے کے موافق کرتے جاتے تھے مگر دوسروں کو اصلاح کی طرف توجہ دلانے کی ہمّت مفقود تھی۔ یہی وہ تاریخی مشاعرہ ہے جس میں پہلے پہل مزاحیہ غزل کہکر ظریف اس بلند پایہ عمارت کا سنگِ بنیاد بلکہ جلسے یعنی اتنے بڑے مشاعرے میں رکھنے کے لئے اپنے بڑے بھائی اور استاد مولانا صفی کیساتھ آئے ہیں۔ جسکی تعمیر کے لئے مال مسالا کتنے پہلے سے صفی اکٹھا کرتے آ رہے تھے۔ وہ مقصد جس کا اعلان کھُل کر کیا گیا یہ تھا کہ اب زمانہ نہیں رہا کہ زلف و کمر، گل و بلبل، ضلع جگت وغیرہ کے گورکھ دھندے میں وقت اور مذاقِ سلیم کو برباد کیا جائے۔ اب وہ وقت ہے کہ اور زبانوں کی شاعری کی طرح بلند تخئیل سے اُردو کی عروس سخن کو سنوارا جائے۔

اس مشاعرے میں غزل کے علاوہ ظریف نے ایک قطعہ بطور تمہید اسی طرح میں پڑھا اور اس میں تفصیل سے ظریف نے بتا دیا ہے کہ ظریفانہ رنگ اُنھوں نے کیوں اختیار کیا۔ یہ غزل نمبر ۶۰ پر مع قطعہ ان کے دیوان میں موجود ہے اور اس جگہ چند شعروں کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

قطعۂ تمہیدی

کروں کیوں اختیار اسکو جب ایسا شعر کا فن ہو — کہ محسودِ جہاں ہوں اک زمانہ اپنا دشمن ہو
بھلا اُس راہِ ناہموار میں چلنے سے کیا حاصل — دمِ لغزش جہاں پر خندۂ یارانِ ہم فن ہو
مثالِ شمع گر سر کا پسینہ پاؤں تک پہونچے — یقیں ہے جب بھی محفل میں نہ اپنا نام روشن ہو
ہوائے شوق اگر مجھکو وہیں مجبور کرتی ہے — وہاں جاکر کروں گلگشت جو بے خار گلشن ہو
پنھاؤں فکر کو اس حُسن سے جامہ ظرافت کا — کشادہ ہر طرف تہذیب کا جس میں کہ دامن ہو

پھر اس کے بعد غزل سُنائی جس میں کہ اصلاحِ زبان اور حُسنِ تخئیل اور تبدیل مذاق کے لئے پرانی شاعری پر نہایت لطیف طنز اور خاصے ظریفانہ اور سنجیدہ عنوان سے اپنے اس مشن اور مقصد کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس بات کو پہلی بار تو اسی بڑے مشاعرے میں ظریفؔ نے کہا مگر یہ مرض کہنہ ہو گیا تھا اسلئے تاحیات اسی رنگ سے علاج کرتے رہے آخر اثر ہو کر رہا۔ اب مزاحیہ غزل کے بھی چند شعر ملاحظہ ہوں :-

مزاحیہ غزل کے چند شعر :-

؎ پہلا مصرع مصرعِ طرح
ہنگام کی نادر لکھنؤ کا ایک محلہ ہے جہاں شاہی بی مجنوں کا مرکا جاتا تھا ۱۲

؎ گرہ ہوں گتھیاں ہوں پیچ و خم سے جسکے اُلجھن ہو — یہی مضمون جو بنتا ہے تو زلفیں کیوں نہ ہوں پھر سن ہو

؎ تمنا ہو کسیکی تیغ ہو اور اپنی گردن ہو — پھر اسکے بعد یارب سر کٹے نالے میں مدفن ہو

؎ کہو معشوق کو غنچہ دہن جب اسکے تھوتھن ہو — لکھو تم شوخ کج رفتار اگر ٹیڑھی کا ٹانگی ہو

؎ کہیں قاتل کو ہم محبوب اگر ہے عین نادانی — حذر لازم ہے ایسے شخص سے جو اپنا دشمن ہو

؎ لب شیریں اگر معشوق کا قند مکرر ہے — جھجھی جائیں کہ بیٹھیں مکھیاں اور اسپہ بھن بھن ہو

؎ نہ تربت کی جگہ کوچے میں پائی تو شکایت کیا — گلی اُن کی کوئی تکیہ ہے جسمیں اپنا مدفن ہو

؎ یہ سب لکڑی کے تختے خاک میں ملجائیں جل بھنکر — غضب ہو جائے گر سچ مچ لحد میں داغ روشن ہو

؎ یہی دہشت اگر دستِ جنوں کی ہو تو اے بھائی — دوپٹا اوڑھ لو جسمیں گریباں ہو نہ دامن ہو

؎ نگاہ شوق کیا ٹھیری وہ گویا بیلچہ ٹھیری — مکان یار کی دیوار میں جس سے کہ روزن ہو

؎ دہن کلھیا سا ہو چہرہ طباق اور پیٹ مٹکی سا — قباحت پھر نہیں کچھ گر صراحی دار گردن ہو

؎ مچائے شور و غل آہِ شرر افشاں کرے ہر دم — یہی اوصاف لازم ہیں تو عاشق کیوں نہ انجن ہو

؎ ہمارا جھونجھ بھلواری میں ہو کوئی نہیں کہتا — یہی کہتے ہیں یارب باغ میں اپنا نشیمن ہو

؎ ازل سے تا ابد لمبی یقیں ہے ٹانگ بھی ہوگی — حسینِ شوخ وہ صحرائے محشر جسکا دامن ہو

؎ ظریفؔ انصاف سے کھدو وہ عاشق ہے کہ چوہا ہے — زمینِ قصرِ جاناں میں جو یہ چاہے کہ مسکن ہو

ظریف کی شادی] ۱۸۹۶ء میں ظریف کی شادی لکھنؤ کے خاندانِ سادات کے معزز رکن میر علی امجد صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ میر علی امجد صاحب کے والد میر امداد علی صاحب ایک شریف اور سیدہ خاتون حسینی خانم کے شوہر اولے تھے۔

عزّتِ نامی کا یہ انقلاب دیکھیے کہ میر علی امجد کی یہی ماں جو حسینی خانم تھیں وہی بعد کو حضرت امجد علی شاہ بادشاہِ اودھ سے عقدِ ثانی ہو جانے پر ملکہ عہد کہی جانے لگیں۔ اسطرح حسینی خانم کا نام دنیا بھول گئی اور آج تک ملکہ عہد ہی کے نام سے ان کا تعارف ہوتا ہے اب اگر کہا جائے کہ ظریف کی "دادیاساس" ملکہ عہد ہیں تو اس میں اتنی شاعرانہ معنوی لطافت و ظرافت ضرور ہے کہ اس تخیّل کا شمار صنعتِ ایہام میں کیا جائے گا۔ ظریف کے سلسلۂ ذکر میں شہزادۂ مرزا سلیمان قدر بہادر کا ذکر بار بار آیا ہے۔ یہ انھیں ملکۂ عہد کے بطن سے حضرت امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے بیٹے ہیں اور دوسرے محل سے جن کا خطاب ملکۂ کشور ہے سلطان عالم حضرت مرزا واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ ہیں۔

ظریف کی اَولاد] ظریف مرحوم کا پہلوٹھی کا لڑکا جسکا تاریخی نام منظور حسن تھا ۱۳۱۴ھ یعنی فروری ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوا جو ۱۹۰۲ء میں جاتا رہا مولانا صفی نے اس کی وفات پر ایک پُر درد مرثیہ فارسی میں کہا۔ یہ مرثیہ ان کی تاریخوں کے مجموعے میں ہے۔ شروع مئی ۱۸۹۹ء میں دوسرا لڑکا لیاقت حسین پیدا ہوا آغاز ۱۹۰۰ء میں وہ بھی جاتا رہا اولاد ذکور میں بھی دو لڑکے پیدا ہوئے۔ البتہ تین لڑکیاں زندہ ہیں اور اُن کے بچے۔ لیکن ان میں کوئی خوشحال نہیں۔ زمانہ ہمیشہ سے شاعروں کو مفلوک الحالی کی سزا دیتا آرہا ہے مگر یہاں یہ اُس کی نئی ستم ظریفی دیکھیے کہ شاعر کو تو چھوڑ دیا یعنی بمبئی والوں کی زبان میں خلاص کر دیا اور اولاد کو بلا وجہ دھر لیا۔

مُلازمت] اپنے والد ماجد کی خانہ نشینی کے بعد ۱۸۸۵ء میں ظریف مرحوم شہزادہ سلیمان قدر بہادر کی سرکار میں میر منشی کے عہدے پر مامور ہوئے۔ تین ہی سال میں کچھ ایسا رسوخ اُن کے مزاج میں پیدا کر لیا کہ ۱۸۸۸ء میں شہزادے صاحب کے پرائیوٹ سکریٹری ہو گئے

اور سفر و حضر میں اُن کے ساتھ رہنے لگے[ع] ۔ اس زمانے میں پرانے عہدِ شاہی کے بہت لوگ زندہ تھے اور نئی تہذیب و تمدن اور لٹریچر کا سیلاب تیزی سے بڑھتا آرہا تھا اور پرانی تہذیب دم توڑ رہی تھی۔ مختلف مزاج اور طبائع اور طبقات کے حضرات شہزادۂ موصوف کی صحبتوں میں آتے رہتے تھے ظریفؔ کو ایسے لوگوں سے ملنے اور شاہی خانداں کی ان صحبتوں اور دورانِ ملازمت میں جا بجا سفر سے بہت کچھ تجربے حاصل ہوئے اور دُنیا کی جیسی جیسی صحبتوں کے راز معلوم ہوتے گئے اُن سے اِن کی شاعری میں اور زور پیدا ہوتا گیا۔ انیسویں صدی کے آخر تک یعنی ۱۶ یا ۱۷ برس تک ظریفؔ کا تعلق اس سرکار سے لگاتار رہا۔ اسی اثنا میں اُنھیں کچھ دنوں کے لئے شہزادے صاحب نے اپنی بھانجی نواب احمدی بیگم کی سرکار میں ریاست و خانہ داری کے انتظام کی درستی کے لئے مستعار دیدیا وہاں بھی اپنے حسن سلیقہ اور محنت و لیاقت سے اُنھوں نے بہت اچھا انتظام کیا اور اس خاص بارے میں ان کی قابلیت کی ایسی شہرت ہوئی کہ رئیس شہر لکھنؤ کے نواب سید اصغر حسین صاحب مرحوم نے بہت اصرار کرکے ظریفؔ کو شہزادے صاحب سے مانگ لیا اور سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۲۴ء تک نواب صاحب موصوف کی ریاست متعلقہ ہند و عراق کے انتظامات میں یہ مصروف رہے اور چار بار باوقات مختلف ان کو عراق جانا پڑا اور پہلی مرتبہ نواب صاحب کی ضرورت کے لئے غالباً ڈیڑھ سال تک مسلسل وہاں رہے۔ اس زمانے میں فارسی مذاق شاعری سے کافی اثر حاصل کیا۔

یہاں کی ملازمت کے بعد آخر سنہ ۱۹۲۴ء سے تادم واپسیں یعنی دسمبر سنہ ۱۹۳۷ء بڑے عزت و احترام سے ریاست عالیۂ محمود آباد میں ملازمت کا زمانہ گزارا اور اس قدر شناس ریاست نے ظریفؔ کے ساتھ جو سلوک کئے وہ اس ریاست کے قدیم روایات اور شہرت کا ایک بیّن ثبوت ہے:۔

[ع] نوٹ ۔ کشمیر و دیگر بلاد ہند کی سیاحت نیز عراق کے سفر میں جو سنہ ۱۸۹۲ء کے آخر اور سنہ ۱۸۹۳ء کے شروع حصّہ تک تقریباً چھ ماہ کی مدت کا تھا۔ ۱۲

تفریح الاحباب کلب اور ظریف کی صحبتیں

ظریف دوستوں اور دوستی کے بہت دلدادہ تھے یہی جذبات اُن کو دوست کی مدد اور اس کے کام آنے کے لئے ہر وقت آمادہ رکھتے تھے اُنھوں نے ۱۹۱۵ء میں تفریح الاحباب کلب کے نام سے ایک ایسی دلچسپ اور اپنے قسم کی نئی انجمن قائم کی تھی جس کے چند مخصوص بے تکلف احباب ممبر تھے۔ اس کی غرض یہ تھی کہ دوست کے دوست ہر طرح کام آئے۔ ہر اتوار کو وہ سب دوست کہیں ایک جگہ آپس میں ملجایا کریں، بات چیت، شعرو شاعری، لطائف وظرائف اور مختلف ذکر واذکار و مباحث اکبر کے دربار کی طرح ہوا کریں۔ جو شخص غلط شعر پڑھے یا غلط لفظ کا استعمال کرے اس سے ایک قلیل رقم بطور جرمانہ لی جائے اور اس طرح جب کافی رقم ہوجائے تو وہ کسی تفریحی جشن یا دعوت میں صرف کی جائے یہ دعوت ان دعوتوں سے الگ ہوتی تھی جو ممبر وقتاً فوقتاً اپنے گھر پر یا اور کہیں کرتے تھے۔ اس کے ممبر سیر و شکار کو بھی ظریف کے ساتھ جایا کرتے تھے۔

ظریف اس کے لائف پریسیڈنٹ (دوامی صدر) اور نواب حامد علی خاں صاحب سکریٹری۔ پیارے نواب صاحب برق۔ ننھو صاحب شفیق (اُمی شاعر) سید شبیر حسن صاحب قتیل، ڈاکٹر محمد باقر راجہ نواب علی صاحب تعلقہ دار، محمد صاحب، بہار صاحب، حکیم مُنّے آغا صاحب فاضل، سید صاحب مشق، سید امتیاز حسین عرف بچھن صاحب، سید علی حیدر صاحب دل تعلقہ دار، حکیم منّے آغا صاحب آفتاب، نواب چھاجو صاحب، اصغر حسین برادر محمد صاحب، آغا سید مرتضی صاحب بہبہانی (ایرانی) وغیرہ وغیرہ اس کے سرگرم اراکین تھے۔ آغا مرتضی بہبہانی (ایرانی) غیر ملکی ہونے کی وجہ سے اکثر اُردو بولنے میں غلطی کرتے تھے۔ کیونکہ فارسی زبان میں تو تذکیر و تانیث کا جھگڑا نہیں ہے۔ زن آمد و مرد آمد دونوں بولتے ہیں جیسے کھلی گاڑی پر میاں بی بی سیر کو یکساں بے نقاب نکلیں۔ ایسی میں یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ایرانی جلدی میں کہہ جائے کہ دیکھو دیکھو وہ عورت آیا تو وہ قابل عفو ہے مگر اس کلب میں معافی کے بجائے پیسے لئے جاتے تھے تاکہ اُسے غلطی یاد رہے۔

یہ بیچارے بڑے خسارے میں رہتے تھے۔ زبان کی اصلاح اور ترقی زبان کے لئے نہ صرف تذکیر و تانیث بلکہ اس طرح کے دلچسپیوں اور باتوں باتوں میں اصلاح زبان اور اصلاح تخئیل وغیرہ کے لئے اس انجمن کی نشست سے احباب کو فوائد پہونچا کرتے تھے۔ صدر ہونے کی ذمّہ داری نے ظریف کو ادب اور شاعری کے متعلق بہت کچھ پڑھنے اور معلومات حاصل کرنے کے لئے اسی طرح مجبور کر دیا جیسے ایکمنج کو قانون کی کتابیں اُلٹنے پُلٹنے پر اُسکے فرائض مجبور کرتے ہیں پھر اس میں شفیق کی طرح سبھی تو اُمّی نہ تھے اور بھی ادیب دو دو چونچیں لڑانے کا دم رکھتے تھے۔ ظریف کی زندگی ان کے دوستوں کی صحبتیں اُن کا حاصل کیا ہوا تجربہ نہ صرف اُنکی شاعری میں مدد پہونچانے کے لئے مفید تھا بلکہ اُنکا ذکر دنیا کے لئے حد درجہ سبق آموز ہے مگر میں اپنے حدود سے بہت تجاوز کر جاؤں گا اگر اس داستان کو شاعری کی ضرورت سے بڑھکر زیادہ طول دوں۔ میں واقف ہوں کہ اس مقدمے میں ظریف کے متعلق جو کچھ کہا گیا وہ اُنکی مکمل سوانحعمری نہیں مگر بعض باتوں کا بیان اسلئے ضروری ہوا کہ آگے یہ دکھانا ہے کہ ظریف بیحد ذکی الحس تھے اور دُنیا کی مختلف صحبتوں کے تجربے نے اُنکی قوت احساس کو شاعری کے لئے بہت تیز کر دیا تھا۔ وہ جس بات کو سمجھتے نہ تھے اسکے پیچھے پڑ جاتے تھے اور سمجھ کر دم لیتے تھے اور یہی چیزیں اُنکی تخئیل آفرینی کے لئے عناصر بنتی چلی جاتی تھیں ایک دن میں بھی تفریح الاحباب کلب میں جا نکلا تھا۔ ظریف ایک بڑا عبرتناک واقعہ بیان کرتے تھے جو بجائے خود تخئیل آفریں ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک بڑے مُقدّس اور بظاہر بڑے پاک طینت بزرگ تھے جن کے نسبت ظریف کو کسی طرح شک گزرا کہ اُنکو شراب نوشی سے شوق ہے مگر ان بزرگ کی اللہ رے احتیاط کہ اُنکے نفس کو بھی اُنکی نسبت بہت کچھ دھوکا تھا۔ ظریف نے اُنکو جانچنے اور امتحان کرنے کے لئے عمدہ عمدہ شراب کی بوتلیں خریدکیں اور بڑے اہتمام سے ایک جگہ اُنکو چُنوا دیا اور اسطرح اُنکی جگہ قرار دی کہ نہ وہ صاف طور پر چھپتی تھیں نہ وہ بالکل سامنے تھیں۔ وہ بُزرگ جب آتے اور للچائی نظر سے دیکھتے اور بار بار پوچھتے تو ظریف گردن جُھکا کر کچھ اسطرح کی مختصر بات آہستہ سے کہہ جاتے کہ اُنکو ظریف کی نسبت شک ہونے لگا کہ یہ بڑا غیور شرابی ہے۔ یہ قصّہ ہے تو بہت دلچسپ! در فلسفے کی کتابیں کیا نفسیات کی بحث کو بیان کریں گی جو ایسے مُقدّس اور چھپے ہوے سیانے

شرابی کی دزدیدہ نگاہیں بیان کر جاتی ہیں ۔ یہ بزرگ مدّتوں ظریف سے شراب کی بوتلوں کو پوچھتے رہے کہ ان میں کیا ہے مگر ظریف اس کا نام ان کو بتاتے نہ تھے ۔قصّہ مختصر کہ اب ان کو یہ یقین ہوگیا "ہم تو مرشد تھے یہ ولی نکلے" ایک دن آئے اور کھُل گئے اور ظریف کو چھونے کی بھی زحمت نہیں دی خود ہی اچھّی طرح ایک ترسے ہوئے شرابی کی طرح دم لے لے کر پیتے رہے ۔ظریف سے کہا کہ آپ بھی شوق کریں مگر ظریف نے کہا کہ میں تو زائر ہوں اور میں نے تو کبھی شوق نہیں کیا یہ تو محض آپ ایسے پارسا کے لئے ہے ہم گنہگاروں کے لئے نہیں ہے ۔

ظریف نے جب نفسیات کے رازِ دروں پردہ کو یوں برآمد کر لیا تو اپنی شاعری کے لئے اس قسم کی باتوں سے کیا کیا نہ حاصل کیا ہوگا ۔ جو شاعر عملاً اتنی اچھی ایکٹنگ اور مظاہرۂ نفسیات پر ایسی قدرت رکھتا ہو کہ اتنے سیانے شرابی کو یوں مغالطہ دیدے وہ نفسیات کی قلمی مُصوّری میں کتنا ماہر ہوگا ۔

شیکسپیر جو اتنا زبردست ڈرامہ نگار مُصنّف مشہور ہوا وہ پہلے لارڈ اسٹرینج کی کمپنی میں ایکٹر تھا ۔ظریف کبھی ایکٹر نہ تھے مگر ان کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ وہ جس کردار کو بیان کرتے ہیں اسکا بیان ایسا سچا ہوا ہوتا ہے کہ اسمیں وہی لطف آتا ہے جیسے کسی ایکٹر کے مظاہرے میں نفسیات کے جزئیات تک پر قدرتی اور اصلی ہونے کا دھوکا ہوتا ہے ۔

اب پھر تفریح الاحباب کلب کی طرف رُخ کیجئے ۔ راجہ نواب علی اور اس کے اور ممبر ایک ایک کر کے اُٹھتے گئے بقیہ ممبروں کے دل بیٹھ گئے اور ظریف کے مرنے سے پہلے یہ کھیل بگڑ گیا ۔

ظریف اور سائیکل کی سواری اور دستکاری
سیر و شکار ——
محفل آرائی ——

ظریف سائکل چلانے میں خاص کمال رکھتے تھے اور اس میں اوّل درجے کا انعام و سرٹیفکیٹ پاچکے تھے ہر طرح مشین کو کھول کر اس کے درست کرنے میں اُن کو خاص مہارت تھی ۔ اسی طرح بندوق کے نشانے میں خاصے ماہر تھے ۔ محفلوں کے آراستہ کرنیکا بھی بے حد سلیقہ تھا ۔ وہ ہر بزم کو اس کی مناسبت

سے اس طرح سجتے تھے کہ باید و شاید۔ لکھنؤ میں بیسوں شخصی دہلیؔ محفلیں ان کے زیر اہتمام سج گئیں اور ان کی خوش مذاقی و جدّت طرازی کے بالعموم سب قائل تھے۔ ریاست محمود آباد میں ورزش وغیرہ کی ترقی و فروغ کے لئے اولمپک گمیس کے نام سے ایک انجمن کی بناڈالی اور مرحوم ہی تاحیات اُس کے سکرٹری رہے۔

ظریؔف کے مذہبی عقائد] ظریؔف کا مذہب روپیہ کمانے کے لئے لڑنے لڑانے والوں یا کانپور کے بلوائیوں کا مذہب نہ تھا وہ مذہب کو تزکیۂ نفس اور امن وسلامتی کا ذریعہ سمجھتے تھے وہ روزہ بھی رکھتے تھے۔ نماز بھی پڑھتے تھے تال کٹورے کی کربلا عاشور کے دن سوگوارانہ شان سے برابر جایا کرتے تھے۔ وہ مجلسوں میں مصائب حسینؑ پر روتے بھی تھے مگر بآواز بلند گریہ نکرتے تھے۔ کیا عجب ہے کہ شہزادۂ مرزا سلیمان قدر بہادر کی صحبت کا یہ اثر ہو کیونکہ اس طبقے کے لوگ گریہ بآواز کے عادی نہ تھے۔ انھیں صحبتوں کا اثر یہ بھی تھا کہ وہ اسطرح کے ماتم کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ جس میں ایسا شور ہو کہ اصلی الفاظ بھی سمجھائی نہ دیں اور سینہ کوبی اس طرز سے اور ایسے مصنوعی اور نمائشی عنوان سے ہو کہ اس کی طرف دل متوجہ نہ ہو اور حُسزن و ملال پیدا کرنے کے بدلے غم غلط کرنے کا ذریعہ ٹھیرے یعنی معنوی حیثیت سے وہ ماتم نہ ہو صرف دکھانے کے لئے ہو۔ جب زمانہ موافق تھا اور جیب میں پیسے بھی تھے تو بڑے تکلّف سے ۱۳۔ رجب کو حضرت علی علیہ السّلام کی ولادت کے دن احباب کی دعوت اور نذر و نیاز کے لئے ظریؔف دسترخوان بھی بچھاتے تھے اور اُسپر بیٹھنے والے اکثر ایسے تھے جو اُتنے زمانے تک جب تک یہ سلسلۂ دعوت جاری رہا کہا کرتے تھے کہ یہ بڑا جنّتی ہے۔ پھر ایک وہ وقت آیا کہ ماتم میں حسینؑ کا غلط نام لینے پر جب اصلاح کرنے کیلئے ظریؔف نے کچھ لوگوں کو ٹوکا اور اصلاحات کے لیے نظم لکھی تو کچھ حضرات نے انھیں ظریؔف پر جنھیں دعوت کے زمانے میں جنّتی کہا جاتا تھا نفرین کے رزدلیوشن پاس کیے یہ سُنکر ایک صاحب نے کہا کہ اگر میں اس جلسے میں موجود ہوتا تو رزدلیوشن

میں اس ترمیم کی درخواست کرتا کہ چاہے ظریف کے پاس پیسہ ہو یا نہ ہو دعوت کرنا ان پر واجب ہے
ایک بار ناگپور میں ایک قومی جلسے میں شرکت کے لئے مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے حضرات تشریف لے گئے جلسے کے ختم ہونے پر نجی بات چیت ہونے لگی ایک قل اعوذیے بزرگ بھی آپہونچے اور بگٹٹ توسن کلام کو اُنھوں نے ڈھیل دیدی پھر ان کو دفعتہً دو چار اجنبی شرفا کا خیال آیا کہ کہیں یہ شیعہ نہ ہوں۔ مڑکر نظر قہر سے اُنکی طرف دیکھا گویا ایک تیغ تھی کہ چمک گئی اور اُن نوواردو لوگوں نے سمجھا کہ گویا وہ دار الحرب کی زد میں آگئے۔ جب ان بزرگ نے ان سے پوچھا کہ آپ شیعہ تو نہیں تو باوجود شیعہ ہونے کے اُنھوں نے بڑی سنجیدگی سے عجیب لہجے میں کہا۔ "جی نہیں"۔ ظریف ان پر بھی ہنستے تھے اور ان پر بھی۔

آشوب اسلام اور سعود پرستی کے عنوان سے جو نظمیں ظریف کے دیوان کے حصّہ سوم میں ملتی ہیں اُن میں دل چیر کردہ درد انگیز جذبات ظریف نے دکھائے ہیں جن کو بڑے بڑے حامیانِ ملّت یا تو سینے میں چھپاتے ہیں یا خلوص نہ ہونے کی وجہ سے اِن کے اظہار کی جرأت نہیں رکھتے۔ خلوص اور ایمان کی سچّی تصویر ظریف کی وہ نظم ہے جس کا عنوان "استغاثہ بحضرت امیرالمومنینؑ" ہے۔

ظریف کی رواداری | ظریف کی نظم پر جس طرح مسجد کے مُلّا اور مندر کے پجاری دونوں اپنی اپنی ہستی اور شان کو بھول کر بے اختیار ہنستے اور قدر کرتے تھے یوں ہی دونوں ظریف کے دل اور ان کی رواداری کے یکساں معتقد تھے۔ ظریف اتنے بے تعصب تھے کہ ان کی سمجھ کے باہر یہ بات تھی کہ گھنٹے اور اذان پر کیوں لڑائی ہوتی ہے۔ انکے بکثرت دوست ہر مذہب و ملّت کے سخت سے سخت کٹّر تھے مگر اُن کے مراسم اِن سے بہت دوستانہ تھے وہ جس سے ملتے تھے مذہب کو مُصلّے کی جو حدّی پر نثار کر کے ملتے تھے۔ آجکل کی دوستی اور ملاقاتیں اسلحہ کی جھنکار میں لرزتے ہوئے مومن کی زندگی ہے مگر ظریف اپنے دوستوں سے اور ان کے دوست اُن سے کُھلے دل سے ملتے تھے۔ ان کے دوست کبھی مذہب کا بت آستین میں چھپا کر ان سے نہیں ملے۔

غالب اور حافظ کے مرنے پر ان کے مذہب پر فالتو وقت کے اجارہ داروں نے بہت دور از کار بحثیں چھیڑ دیں ظریف کی ملنساری اور بے تکلفی کو دیکھکر مجھے تو اُن کی زندگی ہی میں ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہا کہ خدا جانے ان کے متعلق کب ویسی ہی بحث چھڑ جائے جس کی وجہ سے غالب و حافظ اور کبیر داس کی روح کے ساتھ رسہ کشی ہو رہی ہے۔

ظریف کا طرز خواندگی جن لوگوں نے ظریف کو اپنا کلام مشاعرے یا نجی صحبتوں میں پڑھتے سُنا ہے اُن میں سے میں بھی ایک چشم دید گواہ ہوں۔ یہ عالم دیکھا ہے کہ سننے والے تو ہنسی سے بے تاب اور ظریف کے ہونٹھوں پر تبسم کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ ظریف کوئی تبسم پروف مشین ہیں جو ہنس ہی نہیں سکتے اور دنیا کو ہنسانے کا پاپ اپنے سر لئے جا رہے ہیں۔

سفر اور سفر نامہ سیر و شکار کی دُھن، مشاعروں کی دھر پکڑ، اور ملازمت کے فرائض، یہی تین بڑے اسباب ہیں جن کی وجہ سے ظریف کو عراق و ہند کے ہر صوبے کے شہروں میں مثل کلکتہ، بمبئی حیدر آباد دکن، کشمیر، بھوپال، دارجلنگ، شملہ، نینی تال، لاہور وغیرہ میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ اور صحیح معنوں میں وہ اسکا مصداق ہو گئے "بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے" ظریف جب دوسری بار عراق گئے ہیں تو اُنھوں نے صرف راستے کے حالات کو ایک دلچسپ سفر نامے کی صورت میں نظم کر دیا ہے۔ جو اس دیوان میں موجود ہے اور سیاحت نامۂ ظریف کے نام سے موسوم۔ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ یہ اُنکی زندگی بھر کا سفر نامہ ہے۔ اُنھوں نے عراق ہی کا سفر کئی بار کیا اور مدتوں وہاں رہے جس کو بنیوں کے کچے بہی کھاتے کی طرح یوں لکھا جاتا ہے۔

(۱) سفر از ابتدائے یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء لغایت ۲۲ اپریل ۱۸۹۳ء چھ ماہ ہمراہی شہزادہ سلیمان قدر بہادر

(۲) " از ابتدائے جنوری ۱۹۰۵ء لغایۃ جون ۱۹۰۷ء ڈھائی سال برائے انتظام جائداد نواب صاحب نہ ہی

(۳) " از ابتدائے اپریل ۱۹۱۰ء لغایت ستمبر ۱۹۱۰ء چھ ماہ بشرح صدر۔

(۴) " از ابتدائے جنوری ۱۹۳۲ء لغایت آخر اپریل ۱۹۳۲ء تین ماہ۔ بشرح صدر۔

(۵) سفر از ابتدائے پایان مئی ۱۹۳۳ء لغایت وسط جولائی ۱۹۳۳ء ڈھائی ماہ ۔ لشرح صدر

ظریف کا یہ سفرنامہ سیرت و کردار کے بیان سے ظرافت پیدا کرنے اور بہت کچھ سبق سکھانے کے لئے ایک بے نظیر چیز ہے ۔ اس کے متعلق تفصیلی نوٹ میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اس لئے مجھے کچھ اور زیادہ کہنا نہیں ۔ ریل کے ڈبّوں میں مسافروں کی کثرت کا اس سے زیادہ پُرلطف اور مؤثر عنوان سے کیا بیان ہو سکتا ہے جس طرح اس سفرنامے میں ہے :۔

گڑ بڑ مسافروں کی بھی ایک یادگار تھی عورت پہ مرد مرد پہ عورت سوار تھی

مشاعروں کی شرکت کے سبب سے ظریف کو نئی نئی بستیوں میں جانے اور نت نئے لوگوں سے ملنے اور نئے رسم و رواج دیکھنے کا موقع ملا۔ ظریف ایک جگہ کے مشاعرے کا ذکر کرتے تھے اور اُنکا ارادہ تھا کہ اُسے نظم کر ڈالتے مگر موقع نہ مل سکا وہ ایک ایسی جگہ گئے جہاں ۴ ہر اور ۶ ہر اور ۸ ردیف غزلیں کہلا کر پڑھنے والے صدہا زمیندار تاجر اور مزدور رہا تھو میں نامۂ اعمال کی طرح غزلیں لئے کھڑے ہیں ایک ہنگامہ ہے کہ مشاعرہ سبزی منڈی کے شور کی طرح گونج رہا ہے ۔ جس طرح ختنہ کرانے کے لئے چوکی بچھا دی جاتی ہے اسی طرح ایک چوکی رکھی ہے جسپر کھڑے ہو کر ہر شاعر کو غزل پڑھنا پڑتی ہے ۔ صبح سویرے ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر جانا ہے اور اسی رات بھر میں غزل سُنا کر ہر ایک کو اپنے دام وصول کرنا ہیں ایک شاعر کھڑا پڑھ رہا ہے اُس کے داہنے بائیں اور پشت پر کھڑے اور جھکے ہوئے بیشمار انسان غزل کا کاغذ ہاتھ میں لئے کھڑے کھڑے ہیں اور جھکے دیکھ رہے اور جھانک رہے ہیں کہ پڑھنے والا کب مقطع پر پہونچتا ہے ۔ ادھر اُس نے مقطع پڑھا یا مقطع پر پہونچنے والا ہی ہے کہ ایک نے اُسکو چوکی سے ڈھکیل کر بیدخل کر دیا اور اس کی جگہ شاہانہ تفاخر اور ظفریابی کے انداز سے اپنی غزل سُنانا شروع کر دی ۔ اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا ۔ اسی طرح مشاعرے کی چوکی والی بادشاہت جلدی جلدی بدلتی رہی ظریف نے جب یہ ہائے ہتیا دیکھی تو ایک کھڑکی سے کود کر اس ۱۸۵۷ء کے غدر سے جان بچا کر خدا جانے کہاں جا کر چھپ رہے اور جب شاعری کی بغاوت فرو ہوئی اور امن ہوا تو ڈرتے ڈرتے برآمد

ہوئے۔ عراق کے سفر کا حال ظریف بیان کرتے تھے کہ بعض اراضی اوراد قاف کی حالت اس شاعرہ سے کم نہیں زمین کیسی ہے اُسکے فرشتوں کو بھی خبر نہیں صیغۂ وقف کوئی پڑھائے اور خودساختہ متولی اس طرح بنا بیٹھا ہو جیسے تخیل سے شعر ڈھل کر نکلتا ہے سفر کے بہت سے تجربات غیر فطری شاعر کو بھی شاید شاعر بنا دیتے تو عجب نہ تھا نہ کہ ظریف کو جنھیں سفر کے فیوض سے کیسی کیسی برکتیں حاصل ہوئیں جن سے اُن کی اسطرح اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات پر لکھنے کا بہت موقع ملا اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں ایک روح ہے جو نبض جادہ کیطرح دوڑتی پھرتی ہے۔

ظریف کی قومی زندگی ظریف کے دل میں قومی درد خلقی طور پر موجود تھا اور وہ یوں تو دنیا میں دوسروں کی ہمدردی کرتے اور بے تعلق رہکر قومی کام کرتے رہتے تھے مگر آجکل کسی ادارے کے آنریری خدمات اور پبلک کام میں مصروفیت کا نام قومی زندگی سمجھا جاتا ہے۔ ظریف کو اتفاق سے اس جوہر کے دکھا دینے کا بھی موقع اسطرح ملا کہ ۱۹۲۰ء میں جب آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ کے وکٹوریہ پارک میں منعقد ہوا تو اس وقت شیعہ کانفرنس کے سکریٹری قوم کی مایۂ ناز ہستی سید محسن مرزا صاحب ایم۔ اے تھے اور میں جوائنٹ سکریٹری تھا ظریف زمانے کی ناقدری اور اہل دنیا خصوصًا اپنے فرقے کی طبیعتوں پر نظر کر کے ادارۂ قومی میں کسی بھلے آدمی کے کام کرنے کے بہت خلاف تھے اور بالکل الگ رہتے تھے مگر اُس وقت کی کچھ فضا اور کچھ ہم لوگوں کی مدد کے خیال اور اصرار سے اُنھوں نے پنڈال کا آنریری سکریٹری ہونا منظور کر لیا پھر اس خدمت کو اس سلیقے اور قابلیت سے انجام دیا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی نہ ویسا پنڈال پھر دیکھنے میں آیا نہ ویسا انتظام۔ اسی جلسے میں ان کے خدمات اور حسن لیاقت کی قوم نے یہ قدر افزائی فرمائی کہ جلسۂ عام میں یہ آل انڈیا شیعہ یتیم خانے کے آنریری سکریٹری منتخب ہوئے۔ مجھے بنائے شیعہ کانفرنس کے وقت سے اپنے قوم کے کارکنوں اور قوم سے سابقہ رہا اور ظریف کے ساتھ تو خود بعض کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اتنا خوش فکر، خوش دماغ، قومی کام کو

تمام حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں کے ساتھ ظریف کا ایسا ایماندار فرض شناس آنریری کام کرنے والا مشکل سے کوئی مل سکتا ہے ۔ قوم کیونکر قوم بنتی ہے اور یتیم خانۂ قومی میں بچّوں کی تعلیم و تربیت کس اصول پر ہونا چاہیئے اس راز سے ظریف اچھی طرح واقف تھے یہ صرف بالا چھونے اور دستخط کرنے والے آنریری سکریٹری نہ تھے یہ بلا معاوضہ ہمہ وقت کام کرنے والے سکریٹری تھے یتیم خانے میں حاضری کے رجسٹر پر جسطرح تنخواہ دار چپراسی اور عملے مقررہ وقت پر آنے جانے کا دستخط کیا کرتے تھے اُسطرح یہ بھی پابندی سے کام کرتے اور دستخط کرتے تھے ۔ شیعہ یتیم خانہ پہلے کرایہ کے مکان میں تھا ۔ یہ ظریف کے وقت کی یادگار ہے کہ خدا جانے کتنی دوڑ دھوپ کرکے اُنھوں نے ذاتی اثر سے یتیم خانے کے لئے بقیمت زمین خرید کرکے دستاویز لکھوا کر قوم کو یہ زمین دلوائی بیعنامے پر میرا بھی دستخط ہے اور میں تمام زحمتوں سے واقف ہوں جو بناء عمارت کے لئے اُٹھانی پڑی ہیں ظریف ہی کی قدرتی خوش فکری کی داغ بیل یہ عمارت ہے ۔ پہلا ڈزائن انھیں کا تھا جس پر اور انجینیر اور نقشہ بنانے والوں نے اصلاح دی شمشیر اور آفتاب کا مارکہ بطور قومی نشان ظریف کی خداداد ذہانت کی یادگار ہے جس کو انھوں نے ایجاد کیا اور وہ مقبول ہوا یہاں تک کہ ظریف کے مرنے پر پٹنے کے دوسری بار کے اجلاس شیعہ کانفرنس میں وہی نمونہ تمام قوم کا قومی نشان قرار پاگیا ۔ یہ محل ان کے قومی خدمات کے تفصیلی ذکر کا نہیں ہے اتنا ذکر بھی اس جگہ بہت زیادہ ہے لیکن اس ذکر سے یہ دکھانا تھا کہ عموماً شاعروں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دیونیوں کی طرح انکی زندگی بے عمل ہوتی ہے خصوصًا ظریف ایسا شاعر اس کی نظر میں تو قومی کام کو مضحکے کا مترادف ہونا چاہیئے تھا مگر خدا کی باتیں خدا ہی جانے ۔ یہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک شاعر سے اُس نے کیسے کیسے یادگار کام لے لیے یتیم خانے کے دفتر اور تمام انتظامات کی ترتیب اور ظریف کے انجام دیئے ہوئے بہت سے کاموں کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ قدرت کی یہ اپنے قسم کی نئی ستم ظریفی ہے یہ ناممکن ہے کہ ظریف کے ساتھ یتیم خانے اور یتیم خانہ کے ذکر کے ساتھ ظریف کے مہتم بالشان کارناموں اور خدمات کی یاد نہ آئے ۔

سب سے زیادہ یہ بات قابل قدر ہے کہ ظریف کے ظرف اور طبیعت نے قومی خدمات میں متضاد جوہر

انسانیت کا ثبوت دیا۔ ایک شاعر پھر وہ بھی ایک خوددار کسی کی ترچھی نظر نہ دیکھنے والا، نہ کڑی بات برداشت کرنے والا انسان اتنا حلیم و بردبار اپنے فرائض کے انجام دینے میں ہو جائے کہ وہ قوم کی بھلائی کے درد میں سب کچھ سنے سب کچھ دل پر سہتا جائے اور کام کرتا جائے اور اپنے مقصد کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ظریف کی شاعری کو بہت سے قسم کے جذبات اور نفسیات سے واقفیت کا موقع نہ مل سکتا اگر وہ اس زندگی کے تجربے اور براہ راست ایک بڑے دائرۂ انسانی کے عنوان طبیعت اور اس کے عمل نفس کے طریقوں سے بے خبر رہ جاتے اسلئے ان کی شاعری کے لئے ان کا یتیم خانہ سے تعلق اچھا خاصہ مفید ثابت ہوا۔

یہاں تک ظریف کی زندگی کے کچھ مختصر حالات لکھے گئے۔ ان میں بھی کچھ ایسی باتیں ہیں جن سے ان کی شاعری اور طبیعت داری کو مشترک تعلق ہے۔ اب تھوڑا سا ذکر ظریفانہ شاعری کا اور خصوصیت سے ظریف کی شاعری کا انداز اور نمونہ پیش کرتا ہے۔

نشاطیہ شاعری] ارسطو نے اپنی کتاب شعریات (Poetics) میں المیہ و نشاطیہ دو قسم کے جذبات تخیل میں نشاطیہ شاعری کی نسبت کہا ہے کہ اس میں پست اور رذیل قسم کے اخلاق کا بیان ہوتا ہے برخلاف المیہ شاعری کے جس میں شریفانہ صفات اور اخلاق حمیدہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مزاحیہ ظرافت نگاری کا شمار نشاطیہ قسم کے جذبات میں عموماً کیا جاتا ہے۔ اگر یہ جذبات محض تفنن طبع اور تفریح والے مضامین کی صورت میں ہیں جن کی مثال ہجو، ریختی اور ہزل وغیرہ ہے تو ان میں اخلاق رذیلہ کا ذکر ہوتا ہے اور ایسے لٹریچر سے تفریح اور دل بھلانے اور پریشاں خاطر کو مسرور کرنے کے سوا اور کوئی دوسری غرض پوری نہیں ہوتی لیکن نشاطیہ یا ظریفانہ شاعری کے ساتھ جب یہ غرض جمع ہو جائے کہ وہ اخلاق رذیلہ سے نفرت پیدا کرادے تو وہ شاعری نہایت محمود شاعری ہے اور بلحاظ فوائد المیہ شاعری سے بھی مفید تر ہے۔ کیونکہ ظرافت کی وجہ سے اس میں دل پسندی کی تمام باتیں موجود ہو جاتی ہیں پھر مطالب و اغراض کے لحاظ سے بےحد مفید ہے ممکن ہے کہ ارسطو کے نظریے کے تحت میں بعض اہل علم

کو ظریف و اکبر کی شاعری کی نوعیت سمجھنے میں دھوکا ہو یا بعض سطحی نظر کرنے والے یا تحقیقی بحث سے بے تعلق رہنے والے اور ظرافت و مزاح میں فرق نہ کرنے والے ظریف و اکبر کی شاعری کو محض تفنن طبع اور مزاح کی شاعری سمجھتے ہوں ایسے دونوں طبقوں پر ابتدا ہی میں یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ سطحی طور پر تفنن کے عنوان نظم پر نظر کرکے جن لوگوں نے پہلے ہی سے یہ خیال کرلیا ہے کہ سادہ سادہ اور سنجیدہ طور پر اظہار خیال کا جو طریقہ ہے اسکے مقابل میں جو تفنن و ظرافت کے عنوان سے ادائے خیال کا طریقہ ہے یہ غیر سنجیدہ ہے اور یہی ظریف و اکبر کی شاعری کا جوہر ہے، یہ سمجھنا سراسر غلطی ہے۔ اصل میں ظرافت کی جان سنجیدگی کے ساتھ طنز اور سنجیدگی کا جوہر لطیف ظرافت ہے۔ لارڈ کرزن اور دیگر ادیب کی سرکاری تحریروں تک میں، جن میں مزاح یا شوخی کا کیا موقع ہوسکتا تھا گہری ظرافت پائی جاتی ہے سنجیدہ سے سنجیدہ تحریر کے طرز بیان اور گہرائی میں لطافت و ظرافت نہ ہو تو دل پسند نہیں ہوتی۔ طنز ایک نمایاں پہلو ظرافت کا ہے اس لئے یہ کہہ کر ظرافت کو سمجھایا جاسکتا ہے کہ طنز ظرافت کی جان ہے اور اس کو جسقدر سوقیانہ زبان اور عامیانہ تخیل سے بچاکر اور اس کی تہہ میں جسقدر سنجیدگی سے طنز کا نشتر چھپاکر ادائے مطلب کیا جائے گا اسی قدر ظرافت و لطافت میں بلندی ہوگی۔ حقیقۃً اکبر اور ظریف کی شاعری اسی نوعیت کی ہے اور بجائے اسکے کہ ظرافت کی الگ سے تعریف کیجائے اور سمجھایا جائے یا کوئی غلط فہمی جو اس بارے میں ہو دور کی جائے آسان طریقہ یہ ہے کہ ظریف کے کلام کا نمونہ پیش کردیا جائے کہ ظرافت یہ چیز ہے۔ ظریف و اکبر کی شاعری یا اس قسم کی ظرافت نگاری ادب لطیف کے اہم اجزا ہیں اور محض ذرا سا عنوان اور ڈھانچہ اظہار خیال کا بدل دینے سے بزم مشاعرہ یا صنف ادب میں ان کو نمبر دوم کی جگہ نہ دینا چاہیئے جیسے کسی محفل میں گوہر جان کے بعد کشمیری طائفوں کو جگہ دی جاتی ہے نشاطیہ و المیہ شاعری کی قسمیں جذبات کے لحاظ سے الگ الگ ارسطو نے کی ہیں ورنہ ظرافت دونوں قسم کی شاعری کا مشترک جوہر لطیف ہے ارسطو یا دیگر عقلائے روزگار یا کسی ادیب نے یہ کہیں نہیں کہا ہے کہ ظرافت پست ترین یا خصائل رذیلہ یا پست جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہے یہ

ہماری اپنی کمزوری اور ناسمجھی ہے اگر ظرافت یا ظریف و اکبر کی شاعری کو اس بنا پر کہ اس میں ظرافت کا پہلو نمایاں یا مخفی ہوتا ہے کوئی بلند صنف قرار نہ دیں۔ حقیقتہً ظرافت نگاری مشکل ترین اور لطیف ترین صنف ادب ہے اور یہی وجہ ہے کہ اور قسم کے ہزاروں شاعر پیدا ہوئے اور پیدا ہو رہے ہیں مگر اکبر یا ظریف ایک ہی پیدا ہوئے۔ ان کی حالت بالکل ابر نیساں سے گوہر پیدا ہونے کی حالت سے مشابہ ہے۔ میر کے بعد غالب، مومن، آتش بھی پیدا ہوئے مگر کوئی بتائے کہ اکبر اور ظریف کے بعد کوئی دوسرا اکبر و ظریف کیوں نہیں ہوا۔ جو اس کمی کو پورا کر سکتا۔ اکبر کی گور اور ظریف کے مزار سے اپنے جانشینوں کی تلاش میں یہ صدا کب سے آ رہی ہے مگر کوئی نہیں۔ ؂

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق ہے مکرر لب ساقی پہ صدا میرے بعد

ظرافت وہ بلند ترین معیار ادب ہے جس کی حالت شیرینی کے مزے کی سی ہے کہ وہ لفظوں میں نہیں سمجھائی جا سکتی۔

ظریف کی شاعری

اکبر اور ظریف کی شاعری کا ڈھانچہ تو ضرور نشاطیہ ہے مگر اس میں اخلاقی و معاشرتی و سیاسی فوائد اور اخلاق رذیلہ سے نفرت دلانے کے اثرات اسطرح جذب ہو گئے ہیں جیسے آگرے کی دال موٹھ میں گھی۔ اصلاحی نظموں اور ان کی نوعیت اور اثرات پر بیٹھ کر غور کیا جائے تو ہر نظم اور ہر شعر اور ہر بات ایک مرثیہ ہے اور وہی شعر جن کی ظاہری بندش اور ظاہری لفاظی پر ہم گھنٹوں ہنستے ہیں جب مطالب پر غور کریں تو پھر اتنا روئیں کہ آنسوں کا تھمنا مشکل ہو جائے۔ ظریف کے اشعار حکیم کے مسہل کی گولیاں یا واعظ کی نصیحتوں کا کام کرتے ہیں اور ان کی شاعری کی غرض اور اسکا فائدہ یہ ہے کہ رذیل قسم کے اخلاق سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

دائرہ ظرافت و مزاح

ہر ملک و قوم اور ہر زمانے میں کم و بیش تفریحی شاعری یا ظریفانہ نشاطیہ شاعری جس نام سے بھی کہا جائے یاد اور ایسے مضامین کا چرچا کسی نہ کسی

شکل میں ضرور رہا۔ ہندوستان کے سب سے آخری دور میں بادشاہوں کے دربار کا کیا ذکر ہے ہر ایک رئیس کی ڈیوڑھی پر ایک کلب اور ہر کایستھ کی شادی کا جگمگھٹ نشاطیہ و مزاحیہ شاعری کی نوک جھونک کا بارود خانہ تھا ظریف کی شاعری تفریح و نشاط کا جزو بھی ہے اور اس سے الگ چیز بھی اور کوئی اتفاقیہ چیز نہیں ہے بلکہ زمانے کے انقلاب اور ضرورتوں نے ظریف کے طرز بیان اور شاعری کے لئے یہ شاہراہ نکالی۔

ظرافت کے دور کے جانچنے کے لئے ظریف کے زمانے اور اس سے پہلے کے تمدن، معاشرت اور لٹریچر پر نظر دوڑانا چاہئے کیونکہ سیاست اور تمدن کا اثر لٹریچر پر ضرور پڑتا ہے۔ دنیا میں ظریف کے آنے سے پہلے ہندوستان میں دہلی، لکھنؤ، اور دکن خصوصیت سے اسلامی سلطنتوں اور علم و ادب کے بڑے مرکز تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے پہلے سے ان سب مرکزوں کی ہر قسم کی قوتیں دم توڑ رہی تھیں۔ علم و ادب پر بھی بہت کچھ اثر پڑ چکا تھا اور ادب جدید کے لئے زمانۂ غدر کے کچھ اور پہلے سے ایک سازگار فضا پیدا کرتا آرہا تھا خوشی اور اطمینان جن پر نشاطیہ اور ظریفانہ شاعری کا دارمدار ہے ان میں کافی اضمحلال پیدا ہو چکا تھا اس کے لٹریچر میں بھی تغیر کے لئے زمانہ گوش برآواز تھا۔ یوں تو دور دور کے خصوصاً دہلی سے اہل کمال آصف الدولہ وزیر اودھ کے وقت سے کھنچ کھنچ کر لکھنؤ آنے لگے تھے اور لکھنؤ شاعری اور ادب کا اچھا خاصہ مرکز بن گیا تھا پھر اس سرزمین پر انگریزی تمدن کے اثرات جو رفتہ رفتہ پڑتے رہے اُن سب نے ملکر یہاں کے لوگوں کی خوش طبعی اور ذہانت سے فائدہ اُٹھایا اور ظرافت نگاری کا دور جو مدت دراز سے ایک قدیم رفتار سے چلا آرہا تھا سعادت علی خاں وزیر اودھ کے وقت سے انشاء اللہ خاں کی طبیعت داری کی وجہ سے کروٹیں لینے اور کُنمنانے لگا۔

ظرافت کا پہلا دور] اس دور کو اس وقت سے شمار میں لینا چاہئے جب سے خوش طبع ایرانی ہندوستان میں آنے لگے اور اُن کی خوش طبعی سے یہاں کے ادبی مذاق میں ایک نئی چاشنی پیدا ہوئی لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی چٹکلے۔ چیستان۔ ہزل۔ ریختی۔ پہیلیاں۔ ضلع جُگت۔ تمسخر۔ ہجو وغیرہ عہد سابق سے نظم و نثر کے لباس میں بادشاہوں، امرا اور سرمایہ داروں کی زندہ دلی اور تفریح کا خاص ذریعہ تھیں اور ان کی خاص غرض ہنسنے ہنسانے سے زیادہ کچھ اور نہ تھی۔ مثلاً جعفر زٹلی کی یہ نظم:۔ ؎ بپوشم اگر جوشن جنگ را ۔۔ ہزیمت دہم پشۂ لنگ را

چرکین کی اس قسم کی شاعری ؎ وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے ✲ پنجۂ مژگاں سے جھاڑا چاہیئے پاخانہ آج جعفر زٹلی یا میاں ہُد ہُد کا یہ شعر ؎ سکہ زد برگندم و موٹھ و مٹر ✲ بادشاہ تسمہ کش فرخ سیر

پبلک بھی بقدر ذوق موقع ایسی ظرافت میں حصہ لیتی چلی آتی تھی۔ بیربل کی لطیفہ گوئی، مُلا دو پیازہ کے لطیفے انشاء اللہ خاں کے چٹکلے۔ خسرو کی چیستان اور پہیلیاں، نعمت خان عالی کی بذلہ سنجی۔ سودا کی ہجو۔ چرکین کی غزلیں جعفر زٹلی کی نظمیں۔ سعادت یار خاں رنگیں اور جان صاحب کی ریختی۔ میاں شیر کے ہر ثیے۔ ہُد ہُد کے مزخرفات پہلے دور کی ظرافت نگاری کی یادگاریں ہیں۔ یہ دور اُس وقت تک گرم عمل رہا جب تک قدیم تہذیب و تمدن کا رنگ باقی تھا۔ جب انگریزی تہذیب اور لٹریچر سے یہاں کے ادب و شاعری کی مڈبھیڑ ہوئی اور فارغ البالی اور خوش طبعی نے دوسرا چولا بدلا تو ظرافت نے کسی قدر سنجیدگی کا جامہ پہن لیا اور وہ ظرافت جو انفرادی تفریح اور تفنن طبع کے کام میں لائی جاتی تھی اس سے قومیت کی اصلاح کا کام لیا جانے لگا اور بجائے تمسخر کے طنز اور قہقہے کے بجائے ہلکا تبسم پیدا کرنے والے عنوان اختیار کئے گئے۔

ظرافت کا دوسرا دور ظرافت کے دور ثانی کی ابتدا ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے یعنی دہلی اور پھر لکھنؤ کے عروج کا ثانی کے زوال کے وقت سے شروع ہوئی اور اسکا نمایاں اثر ۱۸۷۷ء میں ظاہر ہوا جب اودھ پنچ نکلا اور علیگڑھ کالج کا افتتاح ہوا اور خیالات اور مذاق زمانہ کے ساتھ ظرافت میں ندرت پیدا ہوئی۔ پرانے ظرافت نگار مرتے گئے ظرافت نگاری کا سانچہ بدلتا گیا۔ اکبر سرشار۔ ہجر۔ برق۔ سید ہادی۔ مچھو بیگ۔ پروفیسر شہباز وغیرہ ظرافت نگار اور شاعر اودھ پنچ کے دم سے نمودار ہوئے۔ ان سب میں سب سے زیادہ نمایاں ظرافت و طنز نگاری کے مجدد اکبر الہ آبادی ہیں جن کی طبیعت میں خاصی ظرافت تھی مگر کوئی جولاں گاہ طبیعت کو نہ ملتی تھی اس لئے پہلے وہ سادہ سادہ غیر ظریفانہ رنگ کے شاعر تھے۔ جب اودھ پنچ نکلا تو ان کی ظرافت نگاری مذاق زمانہ کے سانچے میں پگھل پگھل کر ڈھلنے لگی۔ پہلا مبارک باد کا خط جو ۱۸۷۷ء میں اکبر نے ایڈیٹر اودھ پنچ کو لکھا وہ خاصہ طویل اور غیر ظریفانہ شاعری کا نمونہ ہے۔ اس تاریخی خط کے صرف چند شعر اس لئے پیش کیے جاتے ہیں کہ یہ دکھانا ہے کہ اکبر سا مجدد بھی اودھ پنچ نکلنے کے بعد ظرافت نگاری کیطرف مائل ہوا۔ وہ نمونے کا خط یہ ہے:۔

اکبر کی طبیعت کی جولانی کے لئے جب اودھ پنچ نکلا ؎ کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ ✲ محبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

سے معقول مزاح ہے تو یہ ہے ٭ شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہے
ہر چند کہ زجر بیشتر ہے گو فقرہ طعن نیشتر ہے
....
بگڑے ہوئے بنگلے ہنسی میں ٭ حکمت ہے تو ایسی دل لگی میں
....

ہر چند کہ طرز پنچ لندن بے شبہ ہے دل پسند پُرفن
لیکن وہ نقش اولیں ہے نسبت اِس سے اسے نہیں ہے
ماشاءاللہ یہ نقش ثانی بہتر ہے بصورت معانی
وہ اِک گل صد بہار دیدہ یہ غنچہ تازہ نو دمیدہ

تو یہ کھل کھیلے اور پُرانی سادہ شاعری کا خرقہ جُبّہ اُتار کر ان کی شاعری نے ظرافت کا جامہ پہن لیا اکبر پرانی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ قدیم تخیّل و تہذیب پر جدید تعلیم و تمدّن کا اثر بڑی تیزی سے پڑتا جاتا تھا اس لئے تعلیم نسواں اور بے پردگی کی مخالفت اور پرانی مشرقی تہذیب کی حمایت اور کچھ مخصوص باتیں اکبر کی طنز نگاری کا نشانہ بن گئیں اور اہل ملک اور زمانے کی فضا اور اثرات سے یہ طنزیہ شاعری کا رنگ بہت دل پسند ہوا خصوصاً قافیے سے ظرافت کا گوشہ پیدا کر لینا اکبر کے حصے کی بات ہو گئی۔

یہ دور ظرافت کا دوسرا دور کہا جا سکتا ہے۔ مگر زمانے کی بڑھتی ہوئی ضرورتیں مزاحیہ اور ظریفانہ شاعری کے لئے کچھ اور مطالبہ پیش کر رہی تھیں گویا زمانہ مقروض تھا بل پیش ہو چکا تھا قرضے کی ادائی کا مسئلہ سامنے تھا کہ ظریفؔ ضمانت میں پیش ہوئے وہی ظریفؔ جو ۱۸۷۷ء میں اودھ پنچ نکلنے کے سال مکتب میں بھیجے گئے تھے اب نام خدا جوان ہو کر بڑے ہوئے اور اودھ پنچ کے عصائے ضعیفی بنے بن کے ساتھ ساتھ ظریفؔ کی شاعری بھی پردے میں سنورتی رہی جیسا کہ ان کے حالات زندگی میں ذکر کیا گیا یہاں تک کہ ظرافت کے نئے نئے ہوئے رنگ اور تیسرے دورِ ظرافت کا افتتاح کرنے یا یوں کہیئے کہ اودھ پنچ اور اکبرؔ کی ضعیفی کی ظرافت کا سہارا اور مدد دینے کے لئے ظریف آئے۔

ظرافت کا تیسرا دور ظرافت کے تیسرے دور کی ابتدا اودھ پنچ نکلنے کے ساتھ اور زیادہ خصوصیت سے اس کے چار پانچ برس کے بعد ہی سے ہو چلی تھی جب قدیم تخیل اور زلف و گیسو کی شاعری سے دم الجھنے لگا تھا اور ایڈیٹر اودھ پنچ اور پیام یار کے ایڈیٹر خصوصاً مولانا صفیؔ نے ظریفؔ کو تیار کرنا شروع کیا تھا۔ یوں تو ظریفؔ

غالب اور حافظ کے مرنے پر ان کے مذہب پر فالتو وقت کے اجارہ داروں نے بہت دور از کار بحثیں چھیڑ دیں ظریف کی ملنساری اور بے تکلفی کو دیکھکر مجھے تو اُن کی زندگی ہی میں ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہا کہ خدا جانے ان کے متعلق کب ویسی ہی بحث چھڑ جائے جس کی وجہ سے غالب و حافظ اور کبیر داس کی روح کے ساتھ رسہ کشی ہو رہی ہے۔

ظریف کا طرز خواندگی جن لوگوں نے ظریف کو اپنا کلام مشاعرے یا نج کی صحبتوں میں پڑھتے سُنا ہے اُن میں سے میں بھی ایک چشم دید گواہ ہوں۔ یہ عالم دیکھا ہے کہ سننے والے تو ہنسی سے بیتاب اور ظریف کے ہونٹھوں پر تبسم کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ ظریف کوئی تبسم پروف مشین ہیں جو ہنس ہی نہیں سکتے اور دنیا کو ہنسانے کا پاپ اپنے سر لئے جا رہے ہیں۔

سفر اور سفرنامہ سیر و شکار کی دُھن، شاعروں کی دھر پکڑ، اور ملازمت کے فرائض، یہی تین بڑے اسباب ہیں جن کی وجہ سے ظریف کو عراق و ہند کے ہر صوبے کے شہروں میں مثل کلکتہ، بمبئی، حیدرآباد دکن، کشمیر، بھوپال، دارجلنگ، شملہ، نینی تال، لاہور وغیرہ میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ اور صحیح معنوں میں وہ اسکا مصداق ہو گئے "بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے" ظریف جب دوسری بار عراق گئے ہیں تو اُنھوں نے صرف راستے کے حالات کو ایک دلچسپ سفرنامے کی صورت میں نظم کر دیا ہے۔ جو اس دیوان میں موجود ہے اور سیاحت نامۂ ظریف کے نام سے موسوم۔ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ یہ اُنکی زندگی بھر کا سفرنامہ ہے۔ اُنھوں نے عراق ہی کا سفر کئی بار کیا اور مدتوں وہاں رہے جس کو بنیوں کے کچے بہی کھاتے کی طرح یوں لکھا جاتا ہے۔

(۱) سفر از ابتدائے یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء لغایت ۲۲ اپریل ۱۸۹۳ء چھ ماہ ہمراہی شہزادہ سلیمان قدر بہادر

(۲) " از ابتدائے جنوری ۱۹۰۵ء لغایت جون ۱۹۰۷ء ڈھائی سال برائے انتظام جائداد نواب صاحب زہی

(۳) " از ابتدائے اپریل ۱۹۱۰ء لغایت ستمبر ۱۹۱۰ء چھ ماہ ۔بشرح صدر۔

(۴) " از ابتدائے جنوری ۱۹۳۲ء لغایت آخر اپریل ۱۹۳۲ء تین ماہ۔ بشرح صدر۔

(۵) سفراز ابتدائے پایان مئی ۱۹۳۳ء تا غایت وسط جولائی ۱۹۳۳ء ڈھائی ماہ - بشرح صدر -

ظریف کا یہ سفرنامہ سیرت وکردار کے بیان سے ظرافت پیدا کرنے اور بہت کچھ سبق سکھانے کے لئے ایک بے نظیر چیز ہے - اس کے متعلق تفصیلی نوٹ میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اس لئے مجھے کچھ اور زیادہ کہنا نہیں - ریل کے ڈبوں میں مسافروں کی کثرت کا اس سے زیادہ پُرلطف اور مؤثر عنوان سے کیا بیان ہو سکتا ہے جس طرح اس سفرنامے میں ہے :-

گڑبڑ مسافروں کی بھی ایک یادگار تھی عورت پہ مرد مرد پہ عورت سوار تھی

مشاعروں کی شرکت کے سبب سے ظریف کو نئی نئی بستیوں میں جانے اور نت نئے لوگوں سے ملنے اور نئی ریت اور رسم دیکھنے کا موقع ملا - ظریف ایک جگہ کے مشاعرے کا ذکر کرتے تھے اور اُنکا ارادہ تھا کہ اُسے نظم کر ڈالتے مگر موقع نہ مل سکا وہ ایک ایسی جگہ گئے جہاں ۴ اور ۶ اور ۸ ردیف غزلیں کہلا کر پڑھنے والے صدہا زمیندار تاجر اور مزدور ہاتھوں میں نامہ اعمال کی طرح غزلیں لئے کھڑے ہیں ایک ہنگامہ ہے کہ مشاعرہ سبزی منڈی کے شور کی طرح گونج رہا ہے - جس طرح ختنہ کرانے کے لئے چوکی بچھادی جاتی ہے اسی طرح ایک چوکی رکھی ہے جس پر کھڑے ہو کر ہر شاعر کو غزل پڑھنا پڑتی ہے - صبح سویرے ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر جانا ہے اور اسی رات بھر میں غزل سُنا کر ہر ایک کو اپنے دام وصول کرنا ہیں ایک شاعر کھڑا پڑھ رہا ہے اُس کے داہنے بائیں اور پشت پر کھڑے اور جھکے ہوئے بیشمار انسان غزل کا کاغذ ہاتھ میں لئے کھڑ کھڑا رہے ہیں اور جھکے دیکھ رہے اور جھانک رہے ہیں کہ پڑھنے والا کب مقطع پر پہونچتا ہے - ادھر اُس نے مقطع پڑھا یا مقطع پر پہونچنے والا ہی ہے کہ ایک نے اُسکو چوکی سے ڈھکیل کر بیدخل کر دیا اور اس کی جگہ شاہانہ تفاخر اور ظفریابی کے انداز سے اپنی غزل سُنانا شروع کر دی - اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا - اسی طرح مشاعرے کی چوکی والی بادشاہت جلدی جلدی بدلتی رہی ظریف نے جب یہ ہائے ہتیا دیکھی تو ایک کھڑکی سے کود کر اس ۵۷ء کے غدر سے جان بچا کر خدا جانے کہاں جا کر چھپ رہے اور جب شاعری کی بغاوت فرو ہوئی اور امن ہوا تو ڈرتے ڈرتے برآمد

ہوئے۔ عراق کے سفر کا حال ظریفؔ بیان کرتے تھے کہ بعض اراضی اور اوقاف کی حالت اس شاعرہ سے کم نہیں زمین کیسکی ہے اُسکے فرشتوں کو بھی خبر نہیں صیغۂ وقف کوئی پڑھائے اور خود ساختہ متولی اس طرح بنا بیٹھا ہو جیسے تخئیل سے شعر ڈھل کر نکلتا ہے سفر کے بہت سے تجربات غیر فطری شاعر کو بھی شاید شاعر بنا دیتے تو عجب نہ تھا نہ کہ ظریفؔ کو جنھیں سفر کے فیوض سے کیسی کیسی برکتیں حاصل ہوئیں جن سے اُن کی اسطرح اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات پر لکھنے کا بہت موقع ملا اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں ایک روح ہے جو نبض جادہ کیطرح دوڑتی پھرتی ہے۔

ظریفؔ کی قومی زندگی

ظریفؔ کے دل میں قومی درد خلقی طور پر موجود تھا اور وہ یوں تو دنیا میں دوسروں کی ہمدردی کرتے اور بے تعلق رہکر قومی کام کرتے رہتے تھے مگر آجکل کسی ادارے کے آنریری خدمات اور پبلک کام میں مصروفیت کا نام قومی زندگی سمجھا جاتا ہے۔ ظریفؔ کو اتفاق سے اس جوہر کے دکھا دینے کا بھی موقع اسطرح ملا کہ ۱۹۲۰ء میں جب آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ کے وکٹوریہ پارک میں منعقد ہوا تو اس وقت شیعہ کانفرنس کے سکرٹری قوم کی مایۂ ناز ہستی سید محسن مرزا صاحب ایم۔ اے تھے اور میں جوائنٹ سکریٹری تھا ظریفؔ زمانے کی ناقدری اور اہل دنیا خصوصًا اپنے فرقے کی طبیعتوں پر نظر کر کے ادارہ قومی میں کسی بھلے آدمی کے کام کرنے کے بہت خلاف تھے اور بالکل الگ الگ رہتے تھے مگر اُس وقت کی کچھ فضا اور کچھ ہم لوگوں کی مدد کے خیال اور اصرار سے اُنھوں نے پنڈال کا آنریری سکریٹری ہونا منظور کرلیا پھر تو اس خدمت کو اس سلیقے اور قابلیت سے انجام دیا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی نہ ویسا پنڈال پھر دیکھنے میں آیا نہ ویسا انتظام۔ اسی جلسے میں ان کے خدمات اور حسن لیاقت کی قوم نے یہ قدر افزائی فرمائی کہ جلسۂ عام میں یہ آل انڈیا شیعہ یتیم خانے کے آنریری سکریٹری منتخب ہوئے۔ مجھے بنائے شیعہ کانفرنس کے وقت سے اپنے قوم کے کارکنوں اور قوم سے سابقہ رہا اور ظریفؔ کے ساتھ تو خود بعض کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اتنا خوش فکر، خوش دماغ، قومی کام کو

تمام حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں کے ساتھ ظریف کا ایسا ایمان دار فرض شناس انریری کام کرنے والا مشکل سے کوئی مِل سکتا ہے۔ قوم کیونکر قوم بنتی ہے اور یتیم خانۂ قومی میں بچّوں کی تعلیم و تربیت کس اصول پر ہونا چاہیئے اس راز سے ظریف اچھی طرح واقف تھے یہ صرف بالا چھونے اور دستخط کرنے والے آنریری سکریٹری نہ تھے یہ بلا معاوضہ ہمہ وقت کام کرنے والے سکریٹری تھے یتیم خانے میں حاضری کے رجسٹر پر جسطرح تنخواہ دار چپراسی اور عملے مقررہ وقت پر آنے جانے کا دستخط کیا کرتے تھے اسُطرح یہ بھی پابندی سے کام کرتے اور دستخط کرتے تھے۔ شیعہ یتیم خانہ پہلے کرایہ کے مکان میں تھا۔ یہ ظریف کے وقت کی یادگار ہے کہ خدا جانے کتنی دوڑ دھوپ کرکے اُنھوں نے ذاتی اثر سے یتیم خانے کے لئے بقیمت زمین خرید کرکے دستاویز لکھواکر قوم کو یہ زمین دلوائی بیعنامے پر میرا بھی دستخط ہے اور میں تمام زحمتوں سے واقف ہوں جو بناء عمارت کے لئے اُٹھانی پڑی ہیں ظریف ہی کی قدرتی خوش نکری کی داغ بیل یہ عمارت ہے۔ پہلا ڈزائن انھیں کا تھا جس پر اور انجینیر اور نقشہ بنانے والوں نے اصلاح دی شمشیر اور آفتاب کا مارکہ بطور قومی نشان ظریف کی خداداد ذہانت کی یادگار ہے جس کو انھوں نے ایجاد کیا اور وہ مقبول ہوا یہاں تک کہ ظریف کے مرنے پر پٹنے کے دوسری بار کے اجلاس شیعہ کانفرنس میں وہی نمونہ تمام قوم کا قومی نشان قرار پاگیا۔ یہ محل ان کے قومی خدمات کے تفصیلی ذکر کا نہیں ہے اتنا ذکر بھی اس جگہ بہت زیادہ ہے لیکن اس ذکر سے یہ دکھانا تھا کہ عموماً شاعروں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ افیونیوں کی طرح انکی زندگی بے عمل ہوتی ہے خصوصًا ظریف ایسا شاعر اس کی نظر میں تو قومی کام کو مضحکے کا مترادف ہونا چاہیئے تھا مگر خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ یہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک شاعر سے اُس نے کیسے کیسے یادگار کام لے لیے یتیم خانے کے دفتر اور تمام انتظامات کی ترتیب اور ظریف کے انجام دیئے ہوئے بہت سے کاموں کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ قدرت کی یہ اپنے قسم کی نئی ستم ظریفی ہے یہ ناممکن ہے کہ ظریف کے ساتھ یتیم خانے اور یتیم خانہ کے ذکر کے ساتھ ظریف کے مہتم بالشان کارناموں اور خدمات کی یاد نہ آئے۔

سب سے زیادہ یہ بات قابل قدر ہے کہ ظریف کے ظرف اور طبیعت نے قومی خدمات میں متضاد جوہر

انسانیت کا ثبوت دیا۔ ایک شاعر پھر وہ بھی ایک خوددار کسی کی ترچھی نظر نہ دیکھنے والا، نہ کڑوی بات برداشت کرنے والا انسان اتنا حلیم و بردبار اپنے فرائض کے انجام دینے میں ہو جائے کہ وہ قوم کی بھلائی کے درد میں سب کچھ سنے سب کچھ دل پر سہتا جائے اور کام کرتا جائے اور اپنے مقصد کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ظریف کی شاعری کو بہت سے قسم کے جذبات اور نفسیات سے واقفیت کا موقع نہ مل سکتا اگر وہ اس زندگی کے تجربے اور براہ راست ایک بڑے دائرۂ انسانی کے عنوان طبیعت اور اس کے عمل نفس کے طریقوں سے بے خبر رہ جاتے اسلئے ان کی شاعری کے لئے ان کا یتیم خانہ سے تعلق اچھا خاصہ مفید ثابت ہوا۔

یہاں تک ظریف کی زندگی کے کچھ مختصر حالات لکھے گئے۔ ان میں بھی کچھ ایسی باتیں ہیں جن سے ان کی شاعری اور طبیعت داری کو مشترک تعلق ہے۔ اب تھوڑا سا ذکر ظریفانہ شاعری کا اور خصوصیت سے ظریف کی شاعری کا انداز اور نمونہ پیش کرنا ہے۔

نشاطیہ شاعری] ارسطو نے اپنی کتاب شعریات (Poetics —) میں المیہ و نشاطیہ دو قسم کے جذبات تخئیل میں نشاطیہ شاعری کی نسبت کہا ہے کہ اس میں پست اور رذیل قسم کے اخلاق کا بیان ہوتا ہے برخلاف المیہ شاعری کے جس میں شریفانہ صفات اور اخلاق حمیدہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مزاحیہ ظرافت نگاری کا شمار نشاطیہ قسم کے جذبات میں عموماً کیا جاتا ہے۔ اگر یہ جذبات محض تفنن طبع اور تفریح والے مضامین کی صورت میں ہیں جن کی مثال ہجو، ریختی اور ہزل وغیرہ ہے تو ان میں اخلاق رذیلہ کا ذکر ہوتا ہے اور ایسے لٹریچر سے تفریح اور دل بھلانے اور پریشاں خاطر کو سرور کرنے کے سوا اور کوئی دوسری غرض پوری نہیں ہوتی لیکن نشاطیہ یا ظریفانہ شاعری کے ساتھ جب یہ غرض جمع ہو جائے کہ وہ اخلاق رذیلہ سے نفرت پیدا کرادے تو وہ شاعری نہایت محمود شاعری ہے اور بلحاظ فوائد المیہ شاعری سے بھی مفید تر ہے۔ کیونکہ ظرافت کی وجہ سے اس میں دل پسندی کی تمام باتیں موجود ہو جاتی ہیں پھر مطالب و اغراض کے لحاظ سے بیحد مفید ہے ممکن ہے کہ ارسطو کے نظریے کے تحت میں بعض اہل علم

کو ظریف و اکبر کی شاعری کی نوعیت سمجھنے میں دھوکا ہو یا بعض سطحی نظر کرنے والے یا تحقیقی بحث سے بے تعلق رہنے والے اور ظرافت و مزاح میں فرق نہ کرنے والے ظریف و اکبر کی شاعری کو محض تفنن طبع اور مزاح کی شاعری سمجھتے ہوں ایسے دونوں طبقوں پر ابتدا ہی میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ سطحی طور پر تفنن کے عنوان نظم پر نظر کر کے جن لوگوں نے پہلے ہی سے یہ خیال کر لیا ہے کہ سادہ سادہ اور سنجیدہ طور پر اظہار خیال کا جو طریقہ ہے اسکے مقابل میں جو تفنن و ظرافت کے عنوان سے ادائے خیال کا طریقہ ہے یہ غیر سنجیدہ ہے اور یہی ظریف و اکبر کی شاعری کا جوہر ہے، یہ سمجھنا سراسر غلطی ہے۔ اصل میں ظرافت کی جان سنجیدگی کے ساتھ طنز اور سنجیدگی کا جوہر لطیف ظرافت ہے۔ لارڈ کرزن اور دیگر ادیب کی سرکاری تحریر دل تک میں، جن میں مزاح یا شوخی کا کیا موقع ہو سکتا تھا گہری ظرافت پائی جاتی ہے سنجیدہ سے سنجیدہ تحریر کے طرز بیان اور گہرائی میں لطافت و ظرافت نہ ہو تو دل پسند نہیں ہوتی۔ طنز ایک نمایاں پہلو ظرافت کا ہے اس لئے یہ کہہ کر ظرافت کو سمجھایا جا سکتا ہے کہ طنز ظرافت کی جان ہے اور اس کو جسقدر سوقیانہ زبان اور عامیانہ تخیل سے بچا کر اور اس کی تہہ میں جسقدر سنجیدگی سے طنز کا نشتر چھپا کر ادائے مطلب کیا جائے گا اسی قدر ظرافت و لطافت میں بلندی ہوگی۔ حقیقۃً اکبر اور ظریف کی شاعری اسی نوعیت کی ہے اور بجائے اسکے کہ ظرافت کی الگ سے تعریف کیجائے اور سمجھایا جائے یا کوئی غلط فہمی جو اس بارے میں ہو دور کی جائے آسان طریقہ یہ ہے کہ ظریف کے کلام کا نمونہ پیش کر دیا جائے کہ ظرافت یہ چیز ہے۔ ظریف و اکبر کی شاعری یا اس قسم کی ظرافت نگاری ادب لطیف کے اہم اجزا ہیں اور محض ذرا سا عنوان اور ڈھانچہ اظہار خیال کا بدل دینے سے بزم مشاعرہ یا صنف ادب میں ان کو نمبر دوم کی جگہ نہ دینا چاہیئے جیسے کسی محفل میں گوہر جان کے بعد کشمیری طائفوں کو جگہ دی جاتی ہے نشاطیہ و المیہ شاعری کی قسمیں جذبات کے لحاظ سے الگ الگ ارسطو نے کی ہیں درنہ ظرافت دونوں قسم کی شاعری کا مشترک جوہر لطیف ہے ارسطو یا دیگر عقلائے روزگار یا کسی ادیب نے یہ کہیں نہیں کہا ہے کہ ظرافت پست ترین یا خصائل رذیلہ یا پست جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہے یہ

ہماری اپنی کمزوری اور نا سمجھی ہے اگر ظرافت یا ظریف و اکبر کی شاعری کو اس بنا پر کہ اس میں ظرافت کا پہلو نمایاں یا مخفی ہوتا ہے کوئی بلند صنف قرار نہ دیں۔ حقیقتہً ظرافت نگاری مشکل ترین اور لطیف ترین صنف ادب ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اور قسم کے ہزاروں شاعر پیدا ہوئے اور پیدا ہو رہے ہیں مگر اکبر یا ظریف ایک ہی پیدا ہوئے۔ ان کی حالت بالکل ابر نیساں سے گوہر پیدا ہونے کی حالت سے مشابہ ہے۔ میر کے بعد غالب، مومن، آتش بھی پیدا ہوئے مگر کوئی بتائے کہ اکبر اور ظریف کے بعد کوئی دوسرا اکبر و ظریف کیوں نہیں ہوا۔ جو اس کمی کو پورا کرسکتا۔ اکبر کی گور اور ظریف کے مزار سے اپنے جانشینوں کی تلاش میں یہ صدا کب سے آرہی ہے مگر کوئی نہیں۔ ؎

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق ہے مکرر لب ساقی پہ صدا میرے بعد

ظرافت وہ بلند ترین معیار ادب ہے جس کی حالت شیرینی کے مزے کی سی ہے کہ وہ لفظوں میں نہیں سمجھائی جاسکتی۔

ظریف کی شاعری اکبر اور ظریف کی شاعری کا ڈھانچہ تو ضرور نشاطیہ ہے مگر اس میں اخلاقی و معاشرتی و سیاسی فوائد اور اخلاق رذیلہ سے نفرت دلانے کے اثرات اسطرح جذب ہو گئے ہیں جیسے آگرے کی دال موٹھ میں گھی۔ اصلاحی نظموں اور ان کی نوعیت اور اثرات پر بیٹھ کر غور کیا جائے تو ہر نظم اور ہر شعر اور ہر بات ایک مرثیہ ہے اور وہی شعر جن کی ظاہری بندش اور ظاہری لفاظی پر ہم گھنٹوں ہنستے ہیں جب مطالب پر غور کریں تو پھر اتنا روئیں کہ آنسوں کا تھمنا مشکل ہو جائے۔ ظریف کے اشعار حکیم کے مسہل کی گولیاں یا واعظ کی نصیحتوں کا کام کرتے ہیں اور ان کی شاعری کی غرض اور اُسکا فائدہ یہ ہے کہ رذیل قسم کے اخلاق سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

دائرہ ظرافت و مزاح ہر ملک و قوم اور ہر زمانے میں کم و بیش تفریحی شاعری یا ظریفانہ نشاطیہ شاعری جس نام سے بھی کہا جائے یا اور ایسے مضامین کا چرچا کسی نہ کسی

شکل میں ضرور رہا۔ ہندوستان کے سب سے آخری دور میں بادشاہوں کے دربار کا کیا ذکر ہے ہر ایک رئیس کی ڈیوڑھی پر ایک کلب اور ہر کایستھ کی شادی کا جمگھٹ نشاطیہ و مزاحیہ شاعری کی نوک جھونک کا بارود خانہ تھا ظریف کی شاعری تفریح و نشاط کا جزو بھی ہے اور اس سے الگ چیز بھی اور کوئی اتفاقیہ چیز نہیں ہے بلکہ زمانے کے انقلاب اور ضرورتوں نے ظریف کے طرز بیان اور شاعری کے لئے یہ شاہراہ نکالی۔

ظرافت کے دور کے جانچنے کے لئے ظریف کے زمانے اور اس سے پہلے کے تمدن، معاشرت اور لٹریچر پر نظر دوڑانا چاہیئے کیونکہ سیاست اور تمدن کا اثر لٹریچر پر ضرور پڑتا ہے۔ دنیا میں ظریف کے آنے سے پہلے ہندوستان میں دہلی، لکھنؤ، اور دکن خصوصیت سے اسلامی سلطنتوں اور علم و ادب کے بڑے مرکز تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے پہلے سے ان سب مرکزوں کی ہر قسم کی قوتیں دم توڑ رہی تھیں۔ علم و ادب پر بھی بہت کچھ اثر پڑ چکا تھا اور ادب جدید کے لئے زمانۂ غدر کے کچھ اور پہلے سے ایک سازگار فضا پیدا کرتا آ رہا تھا خوشی اور اطمینان جن پر نشاطیہ اور ظریفانہ شاعری کا دارومدار ہے ان میں کافی اضمحلال پیدا ہو چکا تھا اس کے لٹریچر میں بھی تغیر کے لئے زمانہ گوش بر آواز تھا۔ یوں تو دور دور کے خصوصاً دہلی سے اہل کمال آصف الدولہ وزیر اودھ کے وقت سے کھنچ کھنچ کر لکھنؤ آنے لگے تھے اور لکھنؤ شاعری اور ادب کا اچھا خاصہ مرکز بن گیا تھا پھر اس سرزمین پر انگریزی تمدن کے اثرات جو رفتہ رفتہ پڑتے رہے اُن سب نے ملکر یہاں کے لوگوں کی خوش طبعی اور ذہانت سے فائدہ اُٹھایا اور ظرافت نگاری کا دور جو مدت دراز سے ایک قدیم رفتار سے چلا آ رہا تھا سعادت علی خاں وزیر اودھ کے وقت سے انشاء اللہ خاں کی طبیعت داری کی وجہ سے کروٹیں لینے اور کُنمنانے لگا۔

ظرافت کا پہلا دور] اس دور کو اس وقت سے شمار میں لے لینا چاہیئے جب سے خوش طبع ایرانی ہندوستان میں آنے لگے اور اُن کی خوش طبعی سے یہاں کے ادبی مذاق میں ایک نئی چاشنی پیدا ہوئی لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی چٹکلے۔ چیستان۔ ہزل۔ ریختی۔ پہیلیاں۔ ضلع جگت۔ تمسخر۔ ہجو وغیرہ عہد سابق سے نظم و نثر کے لباس میں بادشاہوں، امرا اور سرمایہ داروں کی زندہ دلی اور تفریح کا خاص ذریعہ تھیں اور ان کی خاص غرض ہنسنے ہنسانے سے زیادہ کچھ اور نہ تھی۔ مثلاً جعفر زٹلی کی یہ نظم:۔ ؎ بپوشم اگر جوشن جنگ را ۔ ہزیمت دہم پشتۂ لنگ را

جرکیں کی اس قسم کی شاعری سے وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے ٭ پنجۂ مژگاں سے جھاڑا چاہیے پاخانۂ آج

جعفر زٹلی یا میاں ہُدہُد کا یہ شعر سے سکّہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر ٭ بادشاہ تسمہ کش فرخ سیر

پبلک بھی بقدر ذوق موقع ایسی ظرافت میں حصّہ لیتی چلی آتی تھی۔ بیربل کی لطیفہ گوئی، مُلّا دو پیازہ کے لطیفے انشاء اللہ خاں کے چٹکلے۔ خسرو کی چیستان اور پہیلیاں، نعمت خان عالی کی بذلہ سنجی۔ سودا کی ہجو۔ جرکین کی غزلیں جعفر زٹلی کی نظمیں۔ سعادت یار خاں رنگیں اور جان صاحب کی ریختی۔ میاں تشیر کے ہر شیے۔ ہدہد کے مزخرفات پہلے دور کی ظرافت نگاری کی یادگاریں ہیں۔ یہ دور اُس وقت تک گرم عمل رہا جب تک قدیم تہذیب و تمدن کا رنگ باقی تھا۔ جب انگریزی تہذیب اور لٹریچر سے یہاں کے ادب و شاعری کی مڈبھیڑ ہوئی اور فارغ البالی اور خوش طبعی نے دوسرا چولا بدلا تو ظرافت نے کسی قدر سنجیدگی کا جامہ پہن لیا اور وہ ظرافت جو انفرادی تفریح اور تفنن طبع کے کام میں لائی جاتی تھی اس سے قومیت کی اصلاح کا کام لیا جانے لگا اور بجائے تمسخر کے طنز اور قہقہے کے بجائے ہلکا تبسم پیدا کرنے والے عنوان اختیار کئے گئے۔

ظرافت کا دوسرا دور] ظرافت کے دور ثانی کی ابتدا ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے یعنی دہلی اور پھر لکھنؤ کے عروج کامرانی کے زوال کے وقت سے شروع ہوئی اور اسکا نمایاں اثر ۱۸۷۷ء میں ظاہر ہوا جب اودھ پنچ نکلا اور علیگڑھ کالج کا افتتاح ہوا اور خیالات اور مذاق زمانہ کے ساتھ ظرافت میں ندرت پیدا ہوئی۔ پُرانے ظرافت نگار مرتے گئے ظرافت نگاری کا سانچہ بدلتا گیا۔ اکبر۔ سرشار۔ ہجر۔ برق۔ سید ہادی۔ مچھو بیگ۔ پروفیسر شہباز وغیرہ ظرافت نگار اور شاعر اودھ پنچ کے دم سے نمودار ہوئے۔ ان سب میں سب سے زیادہ نمایاں ظرافت و طنز نگاری کے مجدّد اکبر الہ آبادی ہیں جن کی طبیعت میں خاصی ظرافت تھی مگر کوئی جولاں گاہ طبیعت کو نہ ملتی تھی اس لئے پہلے وہ سادہ سادہ غیر ظریفانہ رنگ کے شاعر تھے۔ جب اودھ پنچ نکلا تو ان کی ظرافت نگاری مذاق زمانہ کے سانچے میں پگھل پگھل کر ڈھلنے لگی۔ پہلا مبارک باد کا خط جو ۱۸۷۷ء میں اکبر نے ایڈیٹر اودھ پنچ کو لکھا وہ خاصہ طویل اور غیر ظریفانہ شاعری کا نمونہ ہے۔ اس تاریخی خط کے صرف چند شعر اس لئے پیش کیے جاتے ہیں کہ یہ دکھانا ہے کہ اکبر سا مجدّد بھی اودھ پنچ نکلنے کے بعد ظرافت نگاری کیطرف مائل ہوا۔ وہ نمونے کا خط یہ ہے:۔

اکبر کی طبیعت کی جولانی کے لئے جب اودھ پنچ نکلا] سے مجوّب ہے نسخۂ اودھ پنچ ٭ کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

ے معقول مزاج ہے تو یہ ہے ٭ شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہے
ہر چند کہ زجر بیشتر ہے گو فقرہ طعن نیشتر ہے
....
بگڑے ہوئے بنگئے ہنسی میں ٭ حکمت سے تو ایسی دل لگی میں
....
ہر چند کہ طرز پنچ لندن بے شبہ ہے دل پسند پُرفن
لیکن وہ نقش اولیں ہے نسبت اس سے اسے نہیں ہے
ماشاء اللہ یہ نقش ثانی بہتر ہے بصورت معانی
وہ اِک گل صد بہار دیدہ یہ غنچہ تازہ ز دمیدہ

تو یہ کھل کھیلے اور پُرانی سادہ شاعری کا خرقہ جُبہ اُتار کر ان کی شاعری نے ظرافت کا جامہ پہن لیا اکبر پرانی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ قدیم تخیّل و تہذیب پر جدید تعلیم و تمدّن کا اثر بڑی تیزی سے پڑتا جاتا تھا اس لئے تعلیم نسواں اور بے پردگی کی مخالفت اور پرانی مشرقی تہذیب کی حمایت اور کچھ مخصوص باتیں اکبر کی طنز نگاری کا نشانہ بن گئیں اور اہل ملک اور زمانے کی فضا اور اثرات سے یہ طنزیہ شاعری کا رنگ بہت دل پسند ہوا خصوصاً قافیے سے ظرافت کا گوشہ پیدا کرلینا اکبر کے حصے کی بات ہو گئی۔

یہ دور ظرافت کا دوسرا دور کہا جاسکتا ہے۔ مگر زمانے کی بڑھتی ہوئی ضرورتیں مزاحیہ اور ظریفانہ شاعری کے لئے کچھ اور مطالبہ پیش کر رہی تھیں گویا زمانہ مقروض تھا بل پیش ہو چکا تھا قرضے کی ادائی کا مسئلہ سامنے تھا کہ ظریف ضمانت میں پیش ہوئے وہی ظریف جو ۱۸۷۷ء میں اودھ پنچ نکلنے کے سال مکتب میں بھیجے گئے تھے اب نام خدا جوان ہو کر بڑے ہوئے اور اودھ پنچ کے عصائے ضعیفی بنے بن کے ساتھ ساتھ ظریف کی شاعری بھی پردے میں سنورتی رہی جیساکہ ان کے حالات زندگی میں ذکر کیا گیا یہاں تک کہ ظرافت کے نئے سموئے ہوئے رنگ اور تیسرے دور ظرافت کا افتتاح کرنے یا یوں کہئے کہ اودھ پنچ اور اکبر کی ضعیفی کی ظرافت کا سہارا اور مدد دینے کے لئے ظریف آئے۔

ظرافت کا تیسرا دور ظرافت کے تیسرے دور کی ابتدا اودھ پنچ نکلنے کے ساتھ اور زیادہ خصوصیت سے اس کے چار پانچ برس کے بعد ہی سے ہو چلی تھی جب قدیم تخیل اور زلف و گیسو کی شاعری سے دم اُلجھنے لگا تھا اور ایڈیٹر اودھ پنچ اور پیام یار کے ایڈیٹر خصوصاً مولانا صفی نے ظریف کو تیار کرنا شروع کیا تھا۔ یوں تو ظریف

کی ظریفانہ شاعری کا نمونہ ۱۸۹۰ء کے مشاعرے میں پہلے پہل ظاہر ہوا مگر جیسا کہ ان کے حالات زندگی میں بیان کیا گیا ہے ۱۸۸۰ء سے انکی مزاحیہ شاعری کے نمونے ظاہر ہونے لگے تھے اور ظریف کی شاعری سانچہ بنانے میں مسلم الثبوت اساتذہ کا ہاتھ پس پردہ تھا یہ سلسلہ آہستہ آہستہ چلتا اور بڑھتا رہا یہاں تک کہ ۱۸۹۵ء میں صفی صاحب نے لکھنؤ میں ایک دائرۂ ادبیہ قائم کیا جس کے اراکین میں خود جناب صفی، منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ شیخ ممتاز حسین آخر ورکے اڈیٹر اودھ پنچ، ڈاکٹر مرزا محمد ہادی رسوا، جناب پیارے صاحب رشید، آبر مرحوم اور خود ظریف بھی تھے اس صحبت کی غرض یہ تھی کہ غزل کے قدیم رنگ اور پرانی شاعری تخیل میں مذاق زمانہ کے موافق کچھ اصلاح کی جائے اور ادائے خیال میں لطافت اور خوش طبعی کی چاشنی دیجائے دائرہ ادبیہ میں مشاعرے ہوتے تھے مگر مصرعہ طرح نہیں دیا جاتا تھا صرف قافیہ اور ردیف اور بحر بتادی جاتی تھی۔ اور صنف نظم کے لئے کوئی مضمون دیدیا جاتا تھا۔ اسی دائرۂ ادبیہ کا نام اور صورت بدل کر بعد چند سال ایک دوسری انجمن کی تشکیل ہوئی جس کا نام معیار ہوا اور اس میں صفی اور ان کے شاگرد۔ صغیر، لطیف، عزیز، ارم بہار، ظریف وغیرہ اور آبر، محشر، بلیغ، ناطق وغیرہ دیگر شعرا شریک ہوئے اور ان لوگوں کے سلجھے ہوئے مذاق ادب نے شاعری و تخئیل میں انقلاب پیدا کردیا اور تخئیل جدید کے عملی نمونے پیش کرنے شروع کردئے۔ باہر کے حضرات میں بھی اکثر شعرا اسمیں شریک ہوکر تعریف کے حقدار ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ظریف کو آمادہ کیا گیا کہ مشاعروں اور اخبار میں اپنی غزل اور نظموں کے ذریعے سے ظریفانہ رنگ اور طنزیہ انداز سے قدیم تخئیل کے عیوب کو ابھارتے رہیں ظریف کی شاعری نے اتنا اور اسپر اضافہ کیا کہ نہ صرف زبان اور تخئیل قدیم کی اصلاح کے لئے سعی کی بلکہ معاشرتی اصلاح کے لئے بھی اپنی شاعری کو ایک زبردست آلہ کار بنایا ظریف کے لئے بہت سی سہولتیں اس دور کی ترقی کے لئے تھیں۔ ایک تو لکھنؤ کی ٹکسالی زبان جو انکو ارث میں ملی پھر یہاں کی خوش طبعی لکھنؤ کے باکمالوں کی صحبت۔ پشت پناہی کے لیے صفی جیسا قادر الکلام اور ذی کمال اُستاد۔ خیالات اور معلومات کا ذخیرہ فراہم کرنے کے لئے لکھنؤ کی اور صحبتیں اور بزم گزشتہ کی داستانیں جن کا جائزہ لینا ظریف کی شاعری کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ مغربی تہذیب کی ترقی اور اخلاق و عمل کی پستی نے سخت سے سخت اشتعال کے سامان

ظریفؔ کے لئے مُہیّا کر دے تھے۔ اس لئے زندگی کے جتنے شعبے تشنۂ اصلاح نظر آتے گئے اُن سب پر ظریفؔ نے سیر حاصل نظمیں لکھیں جو اُن کے دیوان کے حصّہ سوم شہادت کے لئے موجود ہیں۔

ظرافت کے عنوان | اظہار ظرافت کے دو خاص بڑے عنوان ہیں باقی چھوٹی چھوٹی شکلیں سب انھیں کے بال بچّے ہیں ایک عنوان تو یہ ہے کہ کوئی بات یا واقعہ یہاں تک کہ معمولی سے معمولی بات جو بجائے خود ایسی نہ ہو کہ یوں اس سے ہنسی آئے مگر ایسے لفظوں اور ترکیب اور طرز سے اس کو ادا کیا جائے کہ سُنکر خواہ مخواہ ہنسی آجائے جیسا کہ ظریف کی غزلوں سے اس کی بے شمار مثالیں چنی جا سکتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شخصیت (کیرکٹر) کو بیان کر کے اس سے ظرافت پیدا کی جائے یعنی الفاظ اور ترکیبیں بھی چاہے سادہ اور غیر مضحک ہوں مگر کردار و عمل یا نتیجہ ایسا ہو کہ اس پر غور کر کے ہنسی آجائے۔ جس طرح ظریفؔ میونسپل الکشن والی نظم میں میونسپلٹی کی ممبری کے امیدوار کے در بدر ٹھوکریں کھانے اور ذلیل و ناخواندہ ووٹروں کے سلوک اور بات چیت سے اس کے کردار کی تصویر پیش کر کے داد ظرافت و لطافت دی ہے۔ ظریفؔ کی شاعری میں ظرافت کے دونوں اسلوب بیان بہت کثرت سے ملتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں کچھ خاص مشترک خصوصیات ہیں۔

ظریفؔ کی شاعری کے خصوصیات | ظریف کی شاعری کے چند خصوصیات یہ ہیں:۔

(۱) ظرافت اور تفنّن طبع میں اعتدال
(۲) حکیمانہ خیال کا لطافت و رنگینی کے ساتھ بیان۔
(۳) رکیک و مبتذل تخئیل اور الفاظ سے اجتناب
(۴) ہر بزم اور ہر طبقے میں پڑھنے اور اُنکی سمجھ کے قابل دلچسپی
(۵) بیباکی اور حرّیت فکر سے اظہار رائے۔
(۶) قومی و ادبی اور سماجی اصلاحات کی فکر۔
(۷) لطف زبان۔ صفائی اور اثر
(۸) موافق فطرت طرز بیان اور مؤثر طنز۔
(۹) ادبی محاسن کی چاشنی اور غلطیوں سے بری۔
(۱۰) بلندی نفس اور اعلےٰ تخئیل کی تلاش۔
(۱۱) نفسیات کا بے مثل مصوری۔
(۱۲) زبان کی ترقی اور وسعت کے لئے خاص خاص ترکیب اور الفاظ کا استعمال

غزل] شاعری کے بڑے حصے کو غزل کی چادر میں گاتی بنا کر شعرانے گلے میں لپیٹ لیا ہے اور غزل کی شاعری میں مکر اور ذہن کے غائب ہونے کا شعبدہ خدا جانے کب سے دکھایا جارہا تھا۔ ظریف کی جوانی تک غزل کے سانچے سے شعرانے لاکھوں ایسے ایسے شعر ڈھال کر نکالے جن میں پست خیال سوقیانہ طرز ادا، عریانی جذبات، مخرب اخلاق، مضر تہذیب، رکیک تصنع عزت نفس کے خلاف اثرات تھے، غلامانہ ذہنیت کا اظہار اور وہ اس حد تک کہ بے چارے غریب انسان کو اتنا گرایا گیا کہ کتا بنا کے چھوڑا۔ معشوق شکار پر چلا گیا عاشق کو ساتھ نہیں لے گیا تو یہ اس کے دروازے پر اپنی غلامی کی عقیدت کو رو رو کر یوں ظاہر فرما رہے ہیں۔

؎ سحر آمدم بکویت بشکار رفتہ بودی تو کہ سگ نہ بردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

اہل علم کا مقولہ ہے کہ اگر کسی قوم کی تاریخ معدوم ہو جائے تو تاریخ کی تدوین کے لئے اُس قوم کا ادب کافی ہے اب اگر اس شعر پر تاریخ ترتیب پائے تو آئندہ نسلیں ایک زمانے کے بعد یہی خیال کرینگی کہ پہلے زمانے میں عاشق سے کتے کا کام لیا جاتا تھا اور لومڑی اور گوہ کے شکار کے پیچھے عاشق چھوڑ دیئے جاتے تھے یہ تو ایک بات تھی، ایسی ایسی کتنی باتیں کتنی کراماتیں غزل میں ہیں جن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزل نہیں کسی بھوت پریت کا قصہ ہے اور مضامین تخئیل کو اس بھوت نے اس طرح پکڑ لیا ہو جیسے انگلستان میں کبھی مذہب نے ادب کو جوگے کی بیماری کی طرح دبوچ لیا تھا اور چاسر (Chaucer) اور لینگ لینڈ (Langland) ایسے حریت فکر کے دھنی شاعر پیدا ہوئے اور اُنھوں نے اپنی نظموں کے ذریعے سے مذاق زمانہ کو جھنجھوڑا اور اپنے ملک کے ادب اور اپنے ملک کے انسانوں کو اوہام پرستی سے بچایا جس طرح سوئفٹ (Swift) نے اپنی طنز نگاری سے عوام کو سیدھی راہ پر لگایا۔

ہندوستان کی شاعری کی فضا بہت مسموم اور گندی ہو چکی تھی ظریف کے زمانے تک کم و بیش مذموم تخئیل کا چٹخارا زبان لے رہی تھی۔ زبان، ادب اور شاعری بیشمار خوبیوں کی پیداوار اور اصلاحات کے قدرتی سانچے ہیں۔ جب خود سانچہ بگڑا ہو تو اصلاح و ترقی معلوم۔ ظریف نے اس کمی کو بہت درد کیا تھا

محسوس کیا کہ جس قوم اور ملک کی شاعری واقعیت کے تخیّل سے کالے کوسوں دور اور محض دامِ گیسو میں اُلجھ کر رہ گئی ہو اس قوم کی کشتیٔ مراد کا خدا ہی حافظ ہے۔

ظریف نے ہنسا ہنسا کر جسقدر تیز اور گہرے نشتر زلف و کمر والی شاعری پر لگائے ہیں اور در پردہ نہیں علانیہ غزل کی شاعری میں رفارم اور اصلاح کے لئے بہت بلند آواز سے جیسا احتجاج کیا اس کی مثال ظریف کے زمانے سے پہلے اور بعد بلکہ آج تک نہیں ملی۔ ظریف کے دیوان کا پہلا حصّہ بظاہر ہنسنے ہنسانے والی غزلوں کا مجموعہ ہے مگر جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا شاعری تمام اصلاحات کا سرچشمہ ہے اس لئے ظریف سب سے پہلے دقیانوسی تخئیل کی اصلاح کے زبردست علمبردار بن کر اُٹھے اور ۱۸۸۹ء میں جب کھل کر شاعروں کی غزل میں طنزیہ طور پر اصلاح تخئیل کا اعلان کیا اس کے بعد بھی مسلسل جب اور جس طرح ضرورت پیش آتی گئی تا دمِ مرگ وہی غم کی کہانی ہنسا ہنسا کر سناتے رہے۔ ظریف نے غزل کی شاعری کے اصلاحات میں جزئیات عیوب تک نظر دوڑائی ہے۔ پُرانے وقت سے یہ طریقہ چلا آتا تھا کہ زورِ طبیعت دکھانے کے لئے ایک ہی قافیہ میں پچاس پچاس شعر سو سو شعر اس طرح کہے جاتے تھے جیسے برسات میں چیل کا ت لکھ کر صحن میں کاغذ پھینک دیا جاتا تھا کہ بارش بند ہو جائے یا جس طرح بچّوں سے وصلیوں اور تختی پر الف الف اور ب ب۔ ج ج۔ کی مشق کرائی جاتی ہے اس طرح قافیہ پیمائی ہوتی تھی ۱۳۱۷ھ ہجری میں ظریف نے یہ محسوس کیا کہ ابتک قافیے کی بندش کی وہی ریت قائم ہے تخئیل کو نچوڑ نچوڑ کر فضلہ تک سطحِ کاغذ پر گرانے اور بقول شخصے جتنا چھانئے اتنا ہی کرکرا ہونے کی رسم جاری ہے کیا معنی کہ ناسخ نے چاک گریباں کا قافیہ زور، دیکر نظم کیا ہے تو اسی زمین میں چاک گریباں اور گریباں کی قید سے غزل کی غزل بلکہ دو غزلہ سہ غزلہ کہنے پر زور دیا جا رہا ہے۔ ظریف نے اس طرز پر نشتر لگانے کے لئے ایک لمبا تیز الف کا نشتر نکالا اور چاک گریباں سے "الف" چاک گریباں میں لگایا اس طرح بعنوان ظرافت شعرا اور اہل زمانہ سے اس میں ترمیم کے لئے احتجاج کیا۔ ظریف نے الف چاکِ گریباں کے مقید قافیے میں ۴۷ شعر اور پھر محض چاک گریباں کے قافیے میں ۳۱ شعر کہے اس طرح

ان کے چاک گریباں کے دونوں کھاتوں کی میزان ۷۷ ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک زمانے میں یہ دستور تھا اور منور یزشاگرد رشک نے تو ایک غزل میں یہ تسلیم کیا ہے کہ غزل میں مادۂ تاریخ کا مصرع بھی شامل کئے جانے کا طریقہ رائج تھا۔ جناب دانش مرحوم کی بہت سی پرانی غزلیں اگر کہیں ملیں تو اُن سے بھی اس کی تصدیق ہوسکتی ہے کہ اکثر شعرا غزل میں مصرع مادۂ تاریخ نکالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کرتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کی غزل اور یہ مادۂ تاریخ مجنون کی قبر پر کندہ ہوکر نصب ہوگا۔ ظریف نے ۱۳۱۷ھ ہجری کی اپنی غزل میں اس بیکار سعی اور تضیع اوقات کو اپنے جنوں سے تعبیر کیا ہے اور بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ عرصے سے یہ جنوں کی بیماری شعرا میں چلی آتی ہے خود اپنے کو پرستار جنوں کہہ کر شعرا اور عوام کو ذیل کے قطعے میں متنبہ کیا ہے۔ ۱۳۱۷ھ ہجری والے مشاعرے کے لئے جو قطعہ ظریف نے کہا وہ شعرا کے نفسیات کی ایک مختصر اور جامع تاریخ ہے۔ ملاحظہ ہو:

قلم ہے آجکل زوروں پہ یاران سخنداں کا | وہ پنجہ بھر گیا دیکھو جنون فتنہ ساماں کا
زبردستی ہزاروں دھجیاں سب نے اُڑا ڈالیں | پرانا چیتھڑا پایا جو ناسخ کے گریباں کا
کھلے ہیں جا بجا گل اسقدر چاک گریباں کے | گماں ہے صفحۂ قرطاس پر گلچیں کے داماں کا
زمین شعر ہے زور آوران نظم کا دنگل | گل کشتی ہے گویا قافیہ چاک گریباں کا
کھلا میرا بھی منہ خمیازۂ چاک گریباں پر | اُسے میں کیا کروں یہ خاصہ ہو طبع انساں کا
خدا شاہد غزل پڑھتے ہوئے اب شرم آتی ہو | کہ یہ فن ہوگیا بازیچہ اطفال دبستاں کا
جسے دیکھو وہی بے مثل اپنے کو سمجھتا ہے | یہ ہمسر ہے فرزدق کا وہ ہمپایہ ہو سحباں کا
مرا مشرب ہے صلح کل مرا مسلک ہے آزادی | نمک پروردہ ہوں دتی سخن کے خوان احساں کا
چمن زار ظرافت سیرگاہ طبع موزوں ہے | کہ ہے خار حسد سے پاک تختہ اس گلستاں کا
بڑی ہو جائے ہنستے ہنستے جب دیکھے کوئی بدبیں | زمین شعر میں یوں گل کھلے چاک گریباں کا
سخنور زہر کھائیں دیکھ کر کیوں میری سرسبزی | مجھے اک سبزۂ بیگانہ سمجھیں اس گلستاں کا

لگے ہاتھوں یہیں اک قطعۂ تاریخ ہو جائے تقاضا ہے بہت مجھ پر جنونِ فتنہ ساماں کا

الف اک ٹھونس کر کہہ دوں کہ اب گن لوس ہجری

جنوں گلدستۂ رنگیں ہے یہ چاک گریباں کا

۱۳۱۶ + ۱ = ۱۳۱۷

۱۳۱۷ھ

ظریف کی شاعری کے فائدے ظریف کی شاعری کی نشو و نما جنگل کی خود رو بوٹوں کی طرح کی نہیں ہے۔ ادب اور قومی و انفرادی زندگی کی اصلاح ان کی شاعری کے مقررہ پروگرام کے اجزاء ہیں۔ ان کا پہلا مطمح نظر یہ تھا کہ زبان اور تخئیل قدیم کی اصلاح کی جائے اور تمام اقسام کے کہنہ شاعروں اور دوست نما دشمنانِ زبان و ادب سے زبان و شاعری کو بچایا جائے اور اسی کے ضمن میں شاعری کے پرانے برگد کے پیڑ سے دقیانوسی تخئیل کا بھوت ظرافت کی طلسمی لکڑی سے بھگانا ان کی اولیں غرض تھی جس کے ذریعات میں وہ شاعرانہ توہمات کی چڑیل بھی تھی جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ صنوبر اور شمشاد کی طرح اس کی لمبی لمبی ٹانگیں ہیں اور وہ لمبے لمبے بالوں سے عاشقوں کی شب ہجر ناپتی پھرتی تھی، اس کا دہن غائب، کمر ندارد مگر پھر بھی رقیب کو وہ دانت سے ضرور کاٹتی تھی عاشق کو فرضی خنجر اور کٹاری سے مارتی پھر جلاتی اور مداری کے تماشے کی طرح اس کی خاک کا غبار بونڈر میں اڑاتی پھرتی تھی۔ منجنیق میں رکھ کر کبھی کبھی عاشق کو بلبل کے آشیانے میں پہونچا دیتی تھی جہاں سے پھر پکڑوا کے پنجرے میں بند کرا دیتی تھی۔ اسی طرح کے ہزاروں شعبدے تھے کوئی کہاں تک بیان کرے۔

ظریف کا دوسرا مطمح نظر یہ تھا کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں جو نفسانی امراض اور توہمات چیچک اور میضے کے کیڑوں کی طرح ملک اور قوم کے افراد میں پھیل گئے ان کا علاج خوشگوار طنز اور ظرافت سے کیا جائے اور سوسائٹی، مذہب، اقتصادیات ملک و قوم کو جتنے مختلف قسم کے غداروں نے تباہ و برباد کر رکھا ہے اُن سے بچایا جائے۔ ان دو اغراض کو پورا کرنے کے لئے اُنھوں نے یہ عنوانات شاعری جن میں کھانے کمانے والے اور

مذہبی و سیاسی پردہ ڈال کر لوٹنے والے پنڈت، سیاسی لیڈر، علمائے سو، حکام کے خوشامدی، قوم فروش، اور طرح طرح کی صورتیں دکھائی گئی ہیں، اختیار کیا غزلوں کے ذریعے سے زیادہ تر شاعری اور ادب کی اصلاح کی فکر کی اور معاشرتی اصلاح کے لئے اپنے مسدس، قطعات اور دیگر اصناف نظم سے مدد لی۔

ظریف کی غزلیں] مطلب اور مقصد کے لحاظ سے ظریف کی غزلوں کی دو صورتیں ہیں ایک قسم میں تو اُن اشعار کا شمار ہے جن میں تخیلِ قدیم اور اُن تمام خرابیوں کی اصلاح کی فکر کی گئی ہے جن سے ادب و شاعری پر بُرا اثر پڑتا تھا اور اُردو شاعری بدنام ہو رہی تھی۔ اُنھوں نے طنز و ظرافت سے اس طرف توجہ دلائی اور اسکا اثر دل پر ایسا پڑا کہ زلف و کمر وغیرہ اور رکیک و مبتذل تخیل سے دل کو نفرت ہوگئی۔

دوسرے وہ اشعار اور غزلیں ہیں جو محض ہنسنے ہنسانے اور تفنن طبع کے لئے ظریف اس نظر سے کہہ لیا کرتے تھے کہ اس طرح کے ہلکے اور پُر مذاق لٹریچر سے پہلے دلوں کی ضیافت کرکے پھر طنز اور نصائح کے ذریعے سے اصلاحات کی طرف متوجہ کیا جائے اسکو یوں سمجھیے کہ لوگوں کو ادھر اُدھر سے سمیٹ کر کہ جیسے اعلان کرنے والے ڈگی پیٹ کر ایک جگہ کر لیتے ہیں پھر اپنا مطلب بیان کرتے ہیں اہلِ زمانہ کو اس بارے میں ہندوستان یا دوسرے ملک اور دوسری زبان کے شاعر اور اُن کی شاعری سے مقابلہ کرکے ظریف کی شاعری پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں ظریف کو اس لئے ظرافت اور طنز کا شیوہ اپنی شاعری کے لئے اختیار کرنا پڑا کہ ان کو ایسے زمانے اور ایسے لوگوں کی اصلاح کے لئے عملی اقدامات کرنا تھے جن کے لئے مقتضائے وقت کے لحاظ سے جو طریقہ ضروری تھا وہی اُنھوں نے اختیار کیا اگر ظریف ہر جگہ گہری ادبی اور علمی ظرافت کا طرز اختیار کرتے یا ان کی شاعری کا تمام حصہ محض طنز اور نصائح اور ادب اور معاشرتی زندگی کے معائب کے اظہار کیلئے وقف ہو جاتا تو جس طرح وہ اپنا مطلب حاصل کرنا چاہتے تھے اس میں کامیابی نہ ہوتی اور جب ظریف غزل یا نظم پڑھتے تو لوگ کہتے۔

؎ صحبت وعظ تو تا دیر رہے گی واعظ یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

ترتیب دیوان اور اشاعت کے وقت یہ بہت ممکن تھا کہ غزل اور کلام کا وہ حصہ جو محض تفنن طبع کے لئے کہا گیا تھا نکال دیا جاتا اور غالب کے دیوان کی طرح کچھ تھوڑے سے مٹھی بھر شعر رکھ لئے جاتے مگر وہاں

ایک دوسری صورت تھی یہاں تو ہر شعر ظرافت کے لحاظ سے اپنی نوعیت کا ایک تفریحی نمونہ ہے۔ پھر ظرافت خود ایک عجیب پُرلطف چیز ہے۔ وہی ظرافت کی بات ہوتی ہے جس کا اثر کبھی ایک شخص پر بالکل نہیں ہوتا اور دوسرا اُسی کو سن کر اس طرح لوٹن کبوتر بن جاتا ہے کہ یہ تماشا دیکھ کر نہ ہنسنے والے کو بھی ہنسی آجاتی ہے اس ترتیب و انتخاب کے وقت فلسفۂ ظرافت و تفریح کے اثر کا مسئلہ سامنے آگیا کہ کس شعر کو رکھا جائے اور جو نہ رکھا جائے وہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے شخص کو بہت پسند ہو اب یہ کہ اسے کیوں پسند ہو اس کے بارے میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں شخص کو بندر کیوں پسند ہے اسے ابابیل پالنے کا شوق کیوں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ شاید اس کو یوں بھی جمع رہنے دیا گیا کہ ظریف مرحوم کے کلام کا بڑا حصہ ضایع ہوگیا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد یہ دیوان مشکل مرتب ہوا اب اس میں کاٹ چھانٹ کا موقع نہ تھا۔ یہ مانا کہ بہت سے محض تفریحی شعر نکال ڈالے جاتے تو اچھا تھا اور دنیا میں لولی لنگڑی اور کانی اولاد مار ڈالی جاتی تو اور بھی بہتر تھا مگر ایسے اشعار تاریخی ضرورتوں اور ظریف کے حسن تدبیر اور ادبی اصلاح کی سعی عمل کا پتہ دیتے ہیں۔ دوسرے اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ جو کتاب گھر میں آتی ہے تھوڑی بہت پڑھی لکھی بیویاں بھی اُسے ضرور پڑھتی ہیں ظرافت کا نام سنکر بچے بھی کتاب اُٹھا کر پڑھنے لگتے ہیں اور ان لوگوں کیلئے سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ عام فہم اور سہل قسم کی ظرافت ہو جس سے تفریح ہو جائے اور اخلاق پر بُرا اثر نہ پڑے اور اچھی اردو سیکھے اور ذوق سلیم و خوش طبعی کی نشو و نما میں مدد ملے۔ لہٰذا اس ذکر کو چھوڑئیے ایسے کچھ شعروں کو زیادہ سے زیادہ کانی اولاد کیطرح رہنے دیجئے۔ لیکن بااین ہمہ صرف وہ پرائیوٹ نظمیں جن میں ممبرانِ تفریح الاحباب کلب پر نہایت بےتکلفی سے لے دے کی گئی ہے یا جن میں بعض بر خود غلط اشخاص کی کسی خاص موقع پر بہت بُری طرح خبر لی گئی ہے چونکہ منظر عام پر لائے جانے کے قابل نہ تھیں لہذا وہ دیوان کے تیسرے حصے سے خارج کر دی گئیں۔ غزل کے وہ اشعار جن کے ذریعے سے قدیم تخئیل کی اصلاح کا مطالبہ کیا گیا ہے ان کو دیکھئے کہ طنز اور ظرافت سے کیسے کیسے پہلو اختیار کئے گئے ہیں جو دل نشیں ہیں اور دقیانوسی تخئیل اور شاعری کی پُرانے اور عیب تخئیل کے بھوت پریت سے

نفرت دلانے کیلئے کسقدر مفید اور مؤثر ہیں:۔

(معشوق کو صنوبر کہنا) ؎ عجائب گھر ہے باغِ حسن بھی اک قسم کا گویا — کہ دو ڈانگوں کا ہے جس میں صنوبر دیکھئے جاؤ

(زلف میں دل پھنسنا) ؎ زلف کی شست میں پھنس جانیسے معلوم ہوا — دل بیتاب ہو گا کوئی مچھلی ہوگا

(پامالی مزار) ؎ پاؤں سے اپنے بٹھادے جو مزارِ عاشق — وہ تو معشوق نہ ہوگا کوئی ہاتھی ہوگا

(نزاکت سے خنجر نہ اٹھنا) ؎ کوشش ہو اٹھانے کی تو کیونکر نہ اٹھے گا — لنجے نہیں ہیں آپ جو خنجر نہ اٹھے گا

(لاغری سے تار بستر ہو جانا) ؎ وہ ہو کیسا ہی بلا تارِ بستر ہو نہیں سکتا — غلط ہے آدمی اسطرح لاغر ہو نہیں سکتا

(عاشق کی فرضی موت) ؎ خیالی ہجر میں فرضی مریضِ غم کا مرجانا — یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پُل اُڑجانا

(درازیٔ شبِ ہجر) ؎ گز بنائیں آنت ملجائے اگر شیطان کی — اس سے پھر پیمائشِ طولِ شبِ ہجراں کریں

(دخترِ رز) ؎ یہ مستوں کی شادی دخترِ رز کیا ٹھہری ہے — مبارک حضرت پیرِ مغاں داماد کرتے ہیں

(ابرو کے خنجر ہونے پر پھبتی) ؎ چڑھادو گر کہیں سلّی تو سارا بانکپن غائب — کسی کا ابروِ خمدار خنجر ہو نہیں سکتا

(داغِ دل پر طنز) ؎ داغ کے درہم و دینار بھرے ہیں جسمیں — دل وہ کیونکر ہوا صرّاف کی تھیلی نہ ہوا

(رنج و غم کھانے کا مضحکہ) ؎ اے مسیحا تیرے بیمار جسے کھاتے ہیں — رنج و غم کیوں ہے وہ مونگ کی کھچڑی ہوگا

(کمر کے نہ ہونے کی تخئیل پر طنز) ؎ کہنے کو کہیئے مان لوں جھوٹ میں سچ بڑا ہوا — تیغ بندھے تو کس طرح یار کے جب کمر نہیں

ظریف کی یہ محنت جو تخئیلِ قدیم میں اصلاح و تغیر کے متعلق تھی ٹھکانے لگی اور ان کی زندگی ہی میں یہ ہوگیا کہ وصل و ہجر کے ناپاک قصے، معشوق سے دھول دھپا، لپاڈگی، رقیبوں کی درازدستی، رعایتِ لفظی کی بھرمار، معاملہ بندی، سوقیانہ طرزِ ادا وغیرہ کی جگہ صدق و صفا کے جذبات نے لی اور ذوقِ سلیم، تصوف و فلسفیانہ تخئیل کو غزلوں میں جگہ دیجانے لگی امانت مرحوم جیسے باکمال شاعر کے مرنے پر جو یہ صدا آرہی تھی ؎

قبر پر میری لگایا نیم کا اُس نے درخت — بعد مرنے کے مری توقیر آدھی رہ گئی

اس ظلم کا بدلہ ظریف نے لے لیا اور ہمیں امید ہے کہ شاعری کی سرزمین سے اب بیخ و بنیاد کھود کر نہ صرف نیم کا درخت پھینک دیا گیا بلکہ ؎ بیروں میں بھی مرا نازک بدن ملتا نہیں۔ ایسی تمام تخئیل کا قلع قمع ہوگیا۔

دوسرا پروگرام جو ظریف کی شاعری کا ہے وہ معاشرتی زندگی کے معائب کو دُور کرنے کی سعی کے متعلق ہے۔ اس کے لئے بھی غزل سے اُنھوں نے جابجا کام لیا ہے مگر حقیقۃً غزل سے کام لینا کم تر پسند کیا اس لئے کہ شاعری کی اصلاح کا تعلق ایک خاص اور مخصوص طبقہ شعرا سے ہے اور ان کو اکٹھا مشاعرے میں پکڑ پاتے تھے جب وہ اپنا درد دل یا بقول سید یعقوب الحسن مرحوم درد زہ دور کرنے یعنی شعر سنانے کے لئے گھر کے سو کام چھوڑ کر آتے تھے اسوقت ظریف سب سے آخر میں ان سے کہتے تھے کہ اپنی شاعری سُنائی تو میری بھی سنتے جایئے یعنی قصہ زمین برسرِ زمین۔ بات ٹھکانے کی ہوتی تھی اور برمحل ہوتی تھی اثر پڑ ہی جاتا تھا چنانچہ اثرات پڑے اور بے بھاؤ کے پڑے۔ ظریف نے کہیں کہیں اصلاح معاشرت یا اخلاق کی اصلاح کا ذکر بھی غزل میں کیا ہے جس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں حالانکہ ان کا ذخیرہ اچھا خاصہ دوسری مُکمل اصلاحی نظموں میں ہے۔ غزل کی شاعری کا بیان ہے تو سُن ہی لیجئے:۔ افیونیوں کی زندگی کی یہ خصوصیت ہے کہ کبھی تو کسی بات کو سُنکر اُسپر حاشیہ چڑھاکر ایک بے سر و پا خبر اُڑا دیتے ہیں کبھی یونہی بیٹھے بیٹھے بے تار برقی کی خبر مشہور کر دیا کرتے ہیں اس ظرافت خیز ذکر سے یہ سبق ملتا ہے کہ بغیر اپنی جانچ کے بادہوائی خبر پر یقین نہ کرنا چاہیے ورنہ یونہی مضحکہ کیاجائے گا جیسے مدک خانے کی خبر پر۔ یہ شعر ایسے کردار کی دلکش تصویر ہے:۔ ؎

یہ خبر ہو گئی تحقیق مدک خانے میں
سات دن آج سے ہیں زلزلے کے آنے میں

ہندؤں کے مردے کو جو صاحب آگ دیتے ہیں وہ ڈارھی مونچھیں بھی منڈوا ڈالتے ہیں اسی طرح سے بچنے کے سوگ درسدھ میں کچھ دنوں سے ایسا فیشن نکلا ہے جس کی وجہ بسا اوقات ڈارھی مونچھ منڈے کے سن اور جنسیت کی تشخیص میں دھوکا ہوجاتا ہے ادھر مردوں کو یہ خبط اُدھر عورتوں کو یہ سودا کہ وہ پٹے رکھنے لگی ہیں۔ اس بات کو کتنے مُؤثر عنوان سے ظاہر کیا ہے:۔

؎ ڈارھی مونچھیں جو منڈائی ہیں تو پٹے رکھئے
فرق ابھی آپ میں اور آپ کی ہمشیر میں ہو

زمانۂ حال میں نئی تہذیب نے یہ رواج نکالا ہے کہ کسی مقرر کی پسندیدہ بات کو سُنکر بجائے سننے والے تالیاں بجاتے ہیں یہ واہ واہ اور مرحبا و احسنت کے قائم مقام نو ایجاد چیز ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ رواج بدلے

اور ہر ایک گھنٹی یا سیٹی جیب میں رکھے اور بجا دیا کرے بہرحال اسوقت تو تالی بجانے کی رسم زور وشور سے جاری ہے۔ اُلو بھگانے کے لئے لوگ درختوں میں لکڑی کے کھٹکھٹے باندھ دیتے ہیں جہاں ایسا انتظام نہیں ہوتا وہاں تالی بجا دیتے ہیں۔ اُلو کے آواز لگانے کو اس کی تقریر سے تعبیر کر کے نئی تہذیب کی تالیوں پر لطیف طنز ہے۔ ؎

بجاؤ تالیاں ہم سے نئی تہذیب کہتی ہے　　جہاں اسپیچ دینے رات کو اُلو نکلتے ہیں

لکھنؤ میں بعضوں نے معمول کر لیا ہے کہ ریل کا بھونپو بہت تڑکے سُنکر صبح کی سیر کو گھر سے نکلا کرتے ہیں لیکن صبح کی نماز کے لئے اذان دیکر مؤذن بلاتا ہے تو اس پر عیش کے بندے مسجد نہیں جاتے نماز پڑھنے کا ذکر کیسا۔ اس عبرت ناک بات کو اس طرح دکھایا ہے:۔ ؎

اذان سُنکر کریں مسجد کا رُخ یہ ہو نہیں سکتا　　گھروں سے اپنے سُنکر ریل کا بھونپو نکلتے ہیں

جاہل اور تعلیم یافتہ لوگوں کے طرز زندگی اور معاشرت میں خاصہ فرق ہوتا ہے۔ اگر زاغ کو پکڑ کر بلبل کے پنجرے میں بند کر دیں تو کیونکر نبھے گی۔ مگر اس نئی تہذیب نے ذات پات اور تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ کا فرق مٹا دیا اور نیچ ذات کے ناخواندہ کو بھی کونسل اسمبلی میں ممبری کا حق دیا گیا ہے اور دونوں آنریبل یا معزز ہو گئے جو مساوات کے دلدادہ ہیں اِن کی دلچسپی بھی اسی ذکر سے ہو جاتی ہے کیا چبھتا ہوا نشتر یہ شعر ہے:۔

؎ کونسلوں نے دونوں کو آنریبل بنا دیا　　تھی جو صفت شریف کی اب ہے وہی چمار میں

انسان کا دوسرے کے کام آنا اور خلق خدا سے ہمدردی بہترین انسانی صفت ہے۔ یہ باتیں زمانہ سابق میں زیادہ تھیں۔ اب آج کل کے صاحب دولت غریبوں سے مِلنا اور ہمدردی کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ قوم کی اس دردانگیز زندگی اور ایسے بندگانِ خدا کی بے توجہی کو کس مؤثر انداز سے دکھایا ہے یعنی چلتے وقت جس ساخت کے جوتے سے چرمرکی آواز پیدا ہوتی ہے اس کو بار بار دیکھنے میں یہ محویت ہے کہ بھوک سے مرنے والوں کے حال زار کا بھی خیال نہیں:۔

؎ مرے جاتے ہیں جو بیکار تم اُن سب کے مرنے دو　　فقط رفتار میں جوتے کی چرمر دیکھتے جاؤ

ایثار اور قوم وملت پر فدا ہونا مسلمانوں کے خصوصیات سے تھا۔ اسی خلوص اور خدمت سے مسلمان بڑھے۔

اب تعلیم اور ایسے جذبے سے دُور ہونے کی وجہ سے مسلمان قعر مذلت اور پستی میں گر گئے۔ اور یہ قابل قدر جذبہ اور ایثار برادران وطن، ہنود میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ ملک وقوم کے مخلص مُحب اور وطن پرست جو بھی نکلتے ہیں وہ انھیں میں نکلتے ہیں پہلے مصرع میں اسمائے خاص یعنی اسمائے معرفہ کو کس لطیف عنوان سے نکرہ کے معنی میں لاکر رگ غیرت پر نشتر طنز لگایا ہے یعنی مسلمانو! تم میں اب گاندھی اور نہرو ایسے صاحب ایثار کیوں پیدا نہیں ہوتے، اس دن کو یاد کرو جب تمھاری قوم میں بھی ایسے لوگ نکلتے تھے:۔

؎ کبھی گاندھی نکلتے ہیں کبھی نہرو نکلتے ہیں مسلمانو! فدائے قوم اب ہندو نکلتے ہیں

اکثر رؤسا اور حکام اور ذی رتبہ لوگ اس طرح کے ہو جاتے ہیں کہ جس نے جو کہہ دیا اسی کو سچ مان لیتے ہیں۔ خود کسی معاملہ کی جانچ پڑتال نہیں کرتے یہ ایک بڑی اخلاقی کمزوری ہے۔ ظرافت کے رنگ میں بڑی خوبی سے اس اخلاقی کمزوری کو دکھایا ہے:۔ ؎

دیکھتے کچھ بھی نہیں سننے پہ ہے دار و مدار آپ کے تو کان اے سرکار آنکھیں ہو گئیں

بزم مشاعرہ کا ان دنوں یہ رنگ بگڑ گیا ہے کہ کثرت سے غزل خواں بجائے سیدھے سیدھے طور پر غزل پڑھنے کے گاتے ہیں اور بلا کسی کی فرمائش کے ایک ایک مصرع اور شعر تین تین چار چار بار آپ ہی آپ دہراتے رہتے ہیں۔ اس اخلاقی عیب کو طنزاً یوں ظاہر کیا ہے:۔ ؎

آج کل ہے ادبیت کا یہ معیار ظریف وہی اُستاد ہے مشّاق جو ہو گانے میں

؎ مکرر ہم پڑھینگے جب تو کوئی کیا بنائے گا کسی جلسے میں جب پابندیٔ اشعار ہو جائے

اُستاد کے لفظ میں ایک بہت لطیف کنایہ مضمر ہے۔ بالعموم ارباب نشاط گویّوں کو اُستاد ہی کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔

فارسی و عربی آمیز اُردو] پُرانے زمانے میں جب عربی فارسی کا خاصہ چرچا تھا اسوقت اپنی گرانباری علم کے دباؤ سے اکثر حضرات اردو غزل تک میں بے ضرورت عربی اور فارسی الفاظ کی بھرمار کر دیتے تھے اور بعض اب بھی غالب کو فارسی ترکیب دیکر اُردو میں زیادہ مطالب کا کم لفظوں میں ادا کرنا دیکھکر مگر اس

رمز کی حقیقت سے نا آشنا رہ کر بعض شعرا یہ سمجھے کہ فارسی الفاظ کا نمدا اردو کی دم میں باندھ دینے سے کلام کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ اور کتنے لوگ حکیم کے اس نادان شاگرد کی طرح غلطی کا شکار ہو گئے جس نے کسی مریض کی چارپائی کے قریب نمدے کا ٹکڑا پڑا دیکھ کر کہہ دیا کہ مریض نے نمدا کھایا ہے۔

شعرا میں اس طرح کی ایک مغالطہ زدہ قوم پیدا ہو گئی جس نے اردو کے منہ میں بے ضرورت فارسی اور عربی کے الفاظ ٹھونس کر تخئیل کو جس دم میں مبتلا کر رکھا ہے یہاں تک کہ روزمرّہ کی بات چیت تک میں اسی فکر کا طاعونی کیڑا رینگتا دکھائی دیتا ہے اسی کا ایک مریض بہک کر کبھی بازار جا نکلا تھا اور اُس نے ایک بزّار سے کپڑا خریدنا چاہا۔ جب اس نے کپڑا دکھایا تو جناب قبلہ نے خانہ ساز عربی کے الفاظ میں فرمایا کہ پارچہ "تلالع و تشاشع سے ازبسکہ معرّا ہے"۔ بزاز نے کا ہکو کبھی یہ زبان سُنی تھی، جانا کہ خریدار کا دماغ خراب ہے اُس نے کپڑا لپیٹ کر رکھ دیا اور یہ عربی فارسی بولتے غصّے میں بگڑ کر چلے گئے۔ چنانچہ اس بلا کو زبان سے دُور کرنے کی بھی ظریف نے برابر کوشش کی۔ اسی قسم کے عیب کو دور کرنے کے لئے ظریف اور اُن کے ساتھیوں یعنی دیگر تلامذہ مولانا صفیؔ، صغیرؔ و موجؔ وغیرہ نے لکھنؤ سے ایک پرچہ نکالا جس کا نام پھلجھڑی تھا۔ ۱۸۹۹ع میں اہل زمانہ کو چوکانے کے لئے ایک غزل ظریف نے کہہ کر اس پرچہ میں شایع کی جو اُن کے دیوان میں بھی ہے اور ربط کلام کے لئے اس کے یہ دو شعر حاضر ہیں:۔

ے جو طائر کو تفحص ہو دم تعشیش اغصاں کا   افانین ھفھف کو تعمّد ہو تو اذعاں کا

ے تمرّغ قیس کا بیجا نہیں اُذاح وادی میں   اسے مطبوع استصماغ ہے نخل مغیلاں کا

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک ہی مرتبہ ایسی کوشش کر کے ظریف خاموش نہیں رہے بلکہ اُن کا مقصد زبان کی اصلاح سے تھا اس لئے جب جب اُنھوں نے ضرورت سمجھی اپنی شاعری کی مدد سے طاعونی لفظوں کا قرنطینہ اور علاج بالمثل کرتے رہے اور اس طاعون کدے کو جلانے کی فکر کرتے رہے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر شاعری کے چوہوں کا پیچھا کیا کئے جو یہ جراثیم پھیلاتے پھرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں بڑا لطیف قصّہ مشاعرے میں بہنگی پر کتابوں کے لیجانے اور "لما الدّغاغ" والی غزل کا ہے پوری غزل ظریف کے دیوان میں

نمبر ۵۸ پر درج ہے اسکا مطلع یہ ہے :-

ے لِاَالدُّ عاءُاثر جب مری زباں میں نہیں ‏ ‏ ‏ کہ طولِ باغ بعرضِ سخن بیاں میں نہیں

ظریف سے اکثر یہ اور ایسی غزلیں نج کی صحبتوں اور مشاعروں میں پڑھوائی جاتی تھیں۔ کبھی کبھی نئے اشعار اسی قسم کے عیوب پر توجہ دلانے کے لئے وہ مشاعروں میں پڑھا کرتے تھے "تاکہ اُردو کی پُشت سے یہ گناہوں کا بار ہلکا ہوتا جائے مثلاً

ے دل میں اپنے اسے سمجھوں گا کہ ہے چوہے داں ‏ ‏ ‏ کسی دوکان پہ گر مجلس موشاں دیکھوں

انگریزی آمیز اردو! سنئے میاں چرکیں فرماتے ہیں ے

اک نہ اک عارضہ رہا ہم کو ‏ ‏ ‏ تھم گئے دست تو بخار آیا

یہی حال بے چاری اُردو کا ہے۔ پہلے جب عربی فارسی کا چرچا رہا تو اُردو پر وہ عالم گزرا جس کا ذکر ابھی ہوا۔

اب انگریزی راج میں انگریزی لفظوں اور انگریزی قسم کی ترکیبوں نے چڑھائی کی۔ ظریف کو ایک حاذق حکیم یا موقع شناس جنرل کی طرح ان حملوں سے مریض اُردو کو بچانے کے لئے وہی علاج بالمثل کا نسخہ پھر استعمال کرانا پڑا مثلاً۔

ے مجرم سے کہہ رہے تھے یہ اک دن مجسٹریٹ ‏ ‏ ‏ ویل تم کو تین ہفتے کا میعاد ہوگیا

ے کیا نہیں ٹاک کیا تم سے تھا کل آئی نے ‏ ‏ ‏ تم کو اس گت کو ہے پہونچایا فکت لائی نے

ترقی پسند اُردو۔ انگریزی تخئیل اور فارسی آمیز اُردو سے ایک اور ناجائز قسم کی اُردو کی ولادت ہوئی۔ جس کو ایک طبقہ پیار کرتا ہے اور دوسرا کہتا ہے دُور باش دُور باش۔ ایسی اُردو کی ترکیبیں، فقرات، اور الفاظ ایسے ہیں جن کا جلوہ نظم و نثر میں ہے اور اُن کے ذریات میں اسطرح کے الفاظ ہیں مثلاً تبسم پاش، زعم فطرت، غنچۂ عریاں، آسودہ ساحل، جلوۂ رقصاں، ریزش صہبائی، ہنگامہ نوازی وغیرہ وغیرہ۔ ان لفظوں کے استعمال کی صورت ایسی ہی ہے جیسے ابر کے بہت سے ٹکڑے آسمان کے نیچے پھیلے ہوں اور قوت واہمہ

کہیں کسی ٹکڑے سے گھوڑا، کسی سے اونٹ، کسی سے بلی کی شکل پیدا کرتی رہتی ہے۔ ظریف نے اپنی غزل میں ایسی اُردو کو بھی نمایاں کر کے پیش کیا ہے مگر وہی ظرافت اور اصلاحی رنگ میں۔ مثلاً:۔

ؔ دیکھ کے شبنم کی عریانی غنچے تبسم پاش ہوئے   صحن چمن میں بیچ کی اُنگلی کانٹوں کو ٹمکانے دو

اس شعر کو ادبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ محاکات کی بے نظیر تصویر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شبنم غنچوں پر گری ہے اور کلیاں کھل گئی ہیں۔ دور سے کانٹے صحن باغ میں نسیم سحر کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے ذرا ذرا ہل رہے ہیں اس ہلنے کی حرکت کو ٹمکانے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ٹمکانے کی کوئی وجہ سامنے ہونا چاہئے وجہ یہ ہے کہ شبنم کے موتیوں کی بہار پر کانٹے اپنی بے سروسامانی دیکھ کر خجالت مٹانے کے لئے اُن کو ٹمکا رہے ہیں۔

اصلاحات کے نقطۂ نظر سے اگر اس شعر پر نگاہ کی جائے یعنی ان لوگوں کے خیال کی ترجمانی کی جائے جو ادب میں اس طرح کی مداخلت کو ناپسند کرتے ہیں تو اُن کی طرف سے کہا جاسکتا ہے کہ انگلی ٹمکانے مضحکے کا پہلو پیدا ہوتا ہے۔ شبنم کی نیچرل حالت یا مادر زاد برہنگی کو اس کی عریانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس منظر کو دیکھ دیکھ کر غنچے ہنستے اور کانٹے برہنگی پر مضحکہ کرتے ہیں۔ جس پر طرفدار کہتے ہیں کہ اُنھہ! مضحکہ کرتے ہیں تو کرنے دو۔ مخالفین کی نظر میں اُردو اس بار گراں اور ثقیل ومہمل ترکیب لفظی کی جس سے معنار کا کٹ پیدا ہوتی ہے۔ متحمّل نہیں اب شعر کا تیسرا رُخ دیکھئے کہ کتنا بُرا اثر طریقہ اصلاحات کی طرف متوجہ کرنے کا اختیار کیا گیا کہ اس رنگ کے پسند کرنے والوں ہی کی مانوس زبان میں ان سے بات چیت کیجاتی ہے اور اپنی آرزو اور اپنے مقصد کو زبان کے بگاڑنے والے الفاظ اور بندشوں میں پیش کر کے اصلاح کی خواہش کی جارہی ہے۔

خوبی یہ ہے کہ اُن لوگوں سے جو ایسی بندشوں کے دلدادہ ہیں اگر یہ نہ بتایا جائے کہ بطور طنز کے کہا گیا ہے اور یہ شعر مہمل ہے تو وہ اسے ادب لطیف ہی کا شعر خیال کرینگے اس لئے کہ ایسے حضرات کے یہاں کوئی معیّن اصول ایسی ترکیبیں کے گڑھنے اور استعمال کا نہیں ہے۔ صرف چند لفظیں ہیں جن کی جان کشمکش میں ہے وہی لفظیں اِدھر

اُدھر ٹھونس دی جاتی ہیں۔ لہذا ایسے طرز کے دلدادہ حضرات کی نظر میں غالباً یہ شعر بُرا نہ ٹھیرے گا۔ یعنی لفظوں کو چھوڑ کر اگر تخئیل کے فلسفے پر جائیے جیسا کہ ان کا مشن ہے تو اُن کے نقطۂ نظر کی ترجمانی یوں کیجا سکتی ہے کہ ہماری شاعری کے نیچرل طرز پر دنیا فرط مسرت سے متبسم ہے اور وہ بے سروسامان ہیں اور ایسی تخئیل اور بندش سے خیال کو ادا کرنے پر قادر نہیں وہ تو خواہ مخواہ مضحکہ کرتے ہیں اُن کو مضحکہ کرنے دو۔ ظریف کی طنز کا یہ طریقہ ہے کہ وہ نہایت معصومانہ انداز سے طنز کر جاتے ہیں۔ اور سننے والا اکثر ان کی غلطیوں کی طرف گھبرا کر توجہ کرتا ہے اب چند شعر یہ ہیں بلا تشریح لکھے جاتے ہیں کیونکہ تشریح کرنے میں معنی و مفہوم محدود ہو جاتے ہیں اور ان اشعار کو کسی خاص مفہوم کا پابند کرنا گناہ ہے:۔

؎ کاہش ناخن حیات عقدہ کشائے زندگی	موت کے دست شوق میں دامن انقلاب تھا
؎ جام شراب برق ریز اُف تری گرمیٔ وجود	قلب برشتۂ کباب مرکز التہاب تھا
؎ لرزشِ تار بے صدا باعث ارتقائے حُسن	پھر بھی سکوت نغمہ میں نالۂ کامیاب تھا

اب نئی بات سنیئے یہ سب شعر مہمل و بے معنی ہیں، وہ پہلا شعر جسمیں معنی اس اولوالعزمی و دھوم دھام سے پہنائے گئے، وہ بھی مہمل اور بے معنی ہے اور جو معنی پہنائے گئے وہ بھی مہمل رہا یہ کہ ایسے شعر و نمیں ہر ایک اپنی سمجھ کے موافق مفہوم پیدا کرنے کیلئے خود مختار ہے، آپ ہی للہ انصاف کیجئے ایک شعر ایک واقعے کا حامل ہوتا ہے اور اگر صنعت ایہام میں کہا گیا ہے تو ذومعنین ہوگا اب اگرچہ کسی شعر میں دو سے بھی زیادہ چند معنی پیدا ہوں تو وہ شعر گل بکاولی کے قصے کا آسیب ہوگا یا بنگالے کا جادو، جس کے اثر سے آدمی کبھی گھوڑا بنا دیا گیا کبھی بیل کبھی اور کچھ۔ کسقدر حیرت کی بات ہے کہ ظریف نے خود کہا ہو کہ یہ سب شعر جان بوجھ کر بے معنی اور مہمل کہے گئے ہیں۔ اب اگر شعر یہ کہے کہ نہیں مجھ میں ایک چھوڑ تین تین معنی ہیں تو ایسے شعر کو دیکھ کر ڈر معلوم ہوگا کہ نہیں؟

شُدلسٹی اُردو۔ جیسے گئو ماتا کو چھوڑ دیا جائے یا کسی کی بکری رسّی تڑا کے چھوٹ جائے جو کبڑیے کی ترکاری سُکھ لال کسان کے چنے کا کھیت، لالہ بنسی دھر کی دھوپ میں سوکھنے والی بڑیاں کھاتی پھرے اور پھر وہاں اپنی یادگار چھوڑ جائے یوہیں کچھ لوگ اردو پر مُنہ مارتے پھرتے ہیں عام فہم شیریں الفاظ جان بوجھ کر نوش جان

کر جاتے ہیں اور اُن کو ہضم کرکے کچھ بے ڈول سے سیٹھے پھیکے الفاظ زمین ادب پر گراتے جاتے ہیں۔ جیسے وہ بزرگ تلازم اور تناسخ والے تھے ویسی یہ بھی ہیں۔ نہ اُنکی کوئی سمجھتا تھا نہ اِنکی۔

اُردو یا ہندوستانی زبان کو دونوں طرزِ عمل سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ظریف نے اُن لوگوں کو جن کے عیوب ہیں اُنھیں کے سکّوں میں روپیہ بدلنے کے لئے ایسے شعر کہہ دئے ہیں۔ ظریف کا یہ مطلب ہے کہ زبان ایک معصوم چیز ہے ایسی زبان میں بات کہی جائے کہ سب سمجھیں اور اُسی میں ملک و قوم کی بھلائی اور اتحاد ہے نہ کہ ایسی بول چال میں:-

سملت اپنی سبھا میں نہ کیا کنت اُن نے
لاکھ سمبید نہ کی آپ کے شیدائی نے

اس سمے تو تجھے بشواس نہیں ہے مجھ پر
پرشن کیوں یہ کیا اُن کی مسیحائی نے

دوسرا اصلاحی فائدہ) ایک اصلاحی فائدہ جو ظریف کی شاعری سے حاصل ہوا وہ زبان اور ادب میں تخئیل قدیم اور فرسودہ خیالات کو ترک کرانے اور مفید تخئیل کو کام میں لانے سے متعلق ہے جس کی مثال اوپر بیان ہوئی، دوسرا اصلاحی فائدہ جو ظریف کی شاعری نے پہونچایا وہ سوسائٹی اور سماجی اور قومی زندگی میں اصلاحات کے متعلق ہے۔ زندگی میں بہت سے شعبے ہیں انھیں میں قومیات بھی ہے لیکن غور کیا جائے تو قومیات کا لفظ اتنا جامع ہے کہ اسکے اندر بہت سے شعبے سیاست مذہب اقتصادیات، اخلاقیات وغیرہ جن کا دراصل حیات سے تعلق ہے آجاتے ہیں۔ یعنے دوسری لفظوں میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ زبان اور تخئیل کو جن کا تعلق خیالات سے ہے چھوڑ کر عملیات سے جتنی باتوں کا تعلق ہے ان سب کی اصلاحات سے مراد قومیات کی اصلاحات ہے اس طرح مختصر اور عام فہم عنوان میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دو چیزیں اور دو عنوان قرار پاتے ہیں ایک خیال دوسرا عمل۔ خیال اور تخئیل کی اصلاح میں ظریف کی شاعری نے ایسا جہاد کیا ہے کہ رہتی دنیا تک ان کی غزلوں کا کارنامہ یادگار رہے گا جس کے پردے میں مولانا صفی کا ہاتھ کارفرما تھا اور اس اصلاح کو معراج کمال پر پہونچانے میں دائرۂ ادبیہ سے جس نے بعد کو انجمن معیار کی صورت اختیار کر لی بڑی مدد ملی۔ مولانا صفی کو جناب حسرت موہانی نے اپنے ماہوار رسالہ اُردوے معلّے میں اب سے پچیس تیس برس پہلے جب یہ تحریر شاعری کا مصلح کہا ہے اور غور کیا جائے تو ادب اُردو کی تاریخ کا صحیح جائزہ لیکر جیسا ظریف کی

شاعری میں ضمناً اُوپر ذکر کیا گیا یہ بالکل صحیح بات ہے مگر بے انصافی ہوگی اگر دائرہ ادبیہ کے اور ارکین منشی سجاد حسین اڈیٹر اودھ پنچ ڈاکٹر مرزا محمد ہادی صاحب رسوا وغیرہ کا نام ترک کیا جائے اِن کے بعد وہ پیدا ہونے والی اُمّت والے مصلحین ہیں جو اصلاح اور تخئیل میں دراصل مقلد ہیں موجد نہیں کیونکہ ۱۸۸۰ء سے پہلے کوئی نام سوا اُن حضرات کے جو ۱۸۹۵ء کے دائرہ ادبیہ کے رکن تھے علمی سعی کی حیثیت سے نہیں ملتا جتنے حضرات اِس تاریخی انقلاب کے بعد پیدا ہوتے گئے اور اصلاح تخئیل میں شریک ہوتے گئے ان سب کے فرائض اور ظریف کے فرائض میں فرق ہے اور جتنا فرق ہے اسی نسبت سے ظریف کا درجہ بہت بلند ہے یعنی اور سب حضرات پُرانا شیوہ اور تخئیل قدیم کو ترک کر کے نئے ڈھرے پر آ گئے لیکن بلّی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کے خطرناک فریضے یعنی کھُلّم کھلا طنز کر کے یہ بتانا ٹیڑھی کھیر تھی کہ معشوق کے دہن بھی ہے کمر بھی ہے تم دُنیا کو فریب دے رہے اور جھوٹ بکتے چلے آتے ہو کہ دہن ندارد، کمر غائب یہ حرکت اچھی نہیں۔ مراسم عزاداری میں ماتم وغیرہ کے بعض طریقے اور معاشرتی زندگی میں اکثر باتیں جن کو تنہائی میں جب خانقاہوں اور خلوت گاہوں میں حاشیہ نشین اور دست بوسی کرنے والے قریب ہوتے ہیں تو یوں چپکے چپکے بھی کہتے ہیں کہ بات بُری ہے یہ نہونا چاہیئے لیکن جب ذاتی وقار اور روٹی اور وسعت رزق اور تحصیل زر کا مسئلہ درمیان میں آجاتا ہے تو مصالح پر نظر کر کے خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ ہر ایسے موقع پر کلمۂ حق زبان پر جاری کرنے کو شاعری کا جو مجتہد کہیئے یا پیر اور بوڑھا مجاہد، آگے بڑھا ہے وہ ظریف ہیں اگر ادب کی دنیا میں اسطرح کا بیباک اور نڈر مجاہد اتنے ہی جامعیت اور غیر محدود عنوانات کے تحت میں شاعری کو لاکر ہر دار کو روکنے اور رد کرنے کے لیئے سوا ظریف کے کوئی اور ہو تو مجھے علم نہیں۔ حضرت اکبر الہ آبادی کے قدر شناس مجھ سے زیادہ کم لوگ ہوں گے اُنھوں نے اپنی بے مثل نظموں کے ذریعے سے اصلاحات کی داغ بیل ڈالی اور اولیت کا سہرا انھیں کے سر ہے مگر اسطرح جیسے ظریف نے ہر شعبۂ حیات کے اصلاحات کا اقدام کیا اور جزئیات تک نظر دوڑائی جس میں ماتمی انجمنوں کی اصلاح اور ان کے ماتم کے طریقے اور اُن کی دھنیں وغیرہ شامل ہیں ظریف کا حصّہ ہے اسی وجہ سے اکبر مرحوم اکثر فرماتے تھے کہ بعض خصوصیات کے لحاظ سے ظریف اپنے رنگ میں منفرد شاعر ہیں۔ اور قسم کے اصلاحات یعنی اصلاحات مضامین و نظم کے متعلق جتنے نام چاہے لے جائیں مگر تخئیل

قدیم کا صنمکدہ ڈھانے اور اس صنمکدہ کے لات و ہبل کو کعبۂ دل سے دُور کرنے کی صدا بلند کرنے والے ظریف اور ان کی طنزیہ غزلیں ہیں۔ تمام خرابیاں صدیوں میں رفتہ رفتہ پیدا ہوتی اور مدّتوں میں دُور ہوتی ہیں تخئیل قدیم کی خرابیاں جو صدیوں میں ایران سے ہوتی ہوئی اُردو کی گھٹی اور اچھوانی میں جنم کے وقت سے داخل تھیں اُنکی اصلاح اور ترک کرنے کی تحریک بھی ظریف کی زندگی میں ہوئی اور مرنے سے پہلے وہ اُردو کو اُن سے پاک کرکے اُٹھے۔

اگر یہی اتنی کامیابی اور فائدہ ظریفؔ کی شاعری کا ہوتا یعنی محض تخئیل قدیم پر طنزیہ نشترزنی اور اس میں کامیابی ہی ان کی شاعری کا کارنامہ ہوتا تو ان کے بقائے نام کے لئے کافی تھا۔ لیکن ظریفؔ آگے بڑھ کر اپنے پیشرو اور مصلح اول حضرت اکبر الہ آبادی کی مدد کے لئے اس جہاد میں بھی شریک کار نظر آتے ہیں جو فرسودہ مراسم اور معاشرتی خرابیوں اور اُن کی اصلاح کے متعلق ہیں۔

دیگر اصلاحی نظمیں] دیوان کے تیسرے حصّے میں زہر کے بجھے ہوئے بہت سے تیر و تبر اور خنجر ہیں یا یوں کہا جائے کہ ظرافت کے ورق نقرہ میں لپٹے ہوئے سندیلے کے مشہور لڈّو اور متھرا کے پیڑے ہیں جن کے قوام ہی میں اصلاحات کا زہر حل کر دیا گیا ہے۔ تمام خوبیاں جو شاعری میں ہیں اگر نثر ہی میں ذکر کر دی جائیں تو کوئی احمق ہے جو نظم پڑھے یا نظم پڑھنے والے کو جو لطف اِن نظموں میں آسکتا ہے وہ کیسا ہی نثر لکھنے والا ہو نثر میں ترنم اور موسیقیت کہاں سے لائے گا اس لئے صرف اشارے کیلئے چند عنوانات کے تحت میں دو چار نظموں کا جن مختلف شعبۂ حیات اور عملی مراسم یعنی عملیات کا تعلق ہے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے ؎

عراق و پارس گرفتی بہ شعر خود حافظ بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز است

مراسم مذہبی کی اصلاحی نظمیں) ظریفؔ مراسم عزاداری اور ماتم کے خلاف نہیں تھے البتہ اس نمائشی قسم کے عنوانات کو پسند نہیں کرتے تھے جن کو ہر وہ شخص جو چاہتا ہے کہ اپنے اور غیر اس پر مضحکہ نکریں، ناپسند کرتا ہو۔ لکھنؤ اور دیگر مقامات پر ماتمی انجمنوں میں بعض بعض حضرات یا تو رواداری یا خوف سے کہ صاف صاف حسن حسینؑ عباس، حیدر جن کا ماتم کیا جاتا ہے، ان کا نام ظاہر نہ ہو، یا ادائے الفاظ کی تیزی اور دُھن کی دُھن میں یہ نام اسطرح لیتے ہیں کہ سننے والے کو کچھ کا کچھ سُنائی دیتا ہے، یا کچھ لوگوں نے اِن ناموں کا اپنے طور پر

کچھ خلاصہ بنالیا ہے اور ماتم کرتے وقت اُسی کو دُہراتے ہیں بہر حال یہ غرض بالکل فوت ہو جاتی ہے کہ دنیا کو جکا نام بتانا چاہیئے اور دنیا والے یہ جانیں کہ کس کا ماتم ہو رہا ہے، معلوم نہیں ہوتا کچھ بے معنی الفاظ ان کے بجائے سُنائی پڑتے ہیں ظریف نے اپنی ایک نظم کے ذریعے سے اکثر ہمدردوں کے دلی جذبات وخیال اور رائے کی ترجمانی فرمائی۔ مگر بعض حضرات نے اس ہمدردی کے جذبات اور اس مشفقانہ نصیحت پر بُرا مانا اور ظریف کو بد عقیدہ تصوّر کر کے ان کے خلاف رزولیوشن پاس کئے اور احتجاج بلند کیا۔ ظریف اپنی نیت اور قوم کی غلط فہمی کو جانتے تھے اُنھوں نے اس سے بھی تیز طنزیہ نظم ایک اور کہی مگر احباب نے اسکو چھپنے نہ دیا کہ آپس میں کیوں رنجش بڑھے۔ مگر مجبوری یہ ہے کہ اب دیوان سے ایک ایسی نظم کو جسے ایک ہمدرد شاعر نے اپنے ہی بھائیوں تک پہونچانے کے لئے کہا اس مجبور کے مرنے پر بھی اس کے اہل اور اقربا لینے والوں تک نہ پہونچایا جائے تو ظلم بالائے ظلم ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے مصالح کے خلاف ہے لیکن وہ بات جسکو ایک شخص نیک نیتی سے کہتا ہے اور جانتا ہے کہ دوسرے ناواقفیت سے مصر ہیں اسکو نہ رہنے دیا جائے یہ ایسا ہی ہو کہ ایک افیونی کو اپنے میلے کچیلے کپڑے بدلنے کا احساس نہیں ایک غلط وضو کرنے والے کو علم نہیں کہ وہ غلطی پر ہے اُنکو یوہیں رہنے دیا جائے اور اصلاح کی فکر نہ کی جائے اسکو مصلح کی ایمانداری اور انسانی فرائض کب گوارا کر سکتے ہیں ایک پوتا اپنے دادا کا نام جو بگاڑ کے باآواز بلند لیا جائے چپکے سنتا ہے اور اگر وہ یہ کہنا چاہے کہ کیا کر رہے ہو تو اُلٹے اسی پر رزولیوشن پاس کیا جائے واہ رے رزولیوشن اور خوشا تعلیم اس قوم کی جس نے رزولیوشن پاس کرنے کے ڈھنگ سکھائے۔ مصلح نہ گالی سے ڈرتا ہے نہ سر پر سرِ راہ کوڑا پھینکنے والی عورت کی پرواہ کرتا ہے نہ اس لالچ دلانے سے پھسلتا ہے کہ جو چاہے لے لو ہمارے پُرانے بتوں کو یوں ہی رہنے دو۔ جادۂ اصلاح میں یہ بلند ہستیوں کے کارنامے ہیں۔ ظریف بحیثیت مصلح شاعر اپنی بات پر اور اپنی درد بھری التجا پر زور دیتے ہیں۔ مرنے والے شاعر پر اب رزولیوشن پاس کر کے کیا کیجیئے گا۔ اور کون وہاں لے جائے گا یا تو ولایتی پریس کی چھاپنے والی مشین پر رزولیوشن پاس کیا جائے یا ڈاکٹر سر دواستو کے بھائی پر جو چھاپے خانے کی روشنائی بیچتے پھرتے ہیں۔ خیر یہ سب تو ہوتا ہی رہیگا اس اصلاحی نظم کا یہ پہلا بند ملاحظہ ہو جس میں ظریف نے اپنے کرم فرماؤں سے جو بجائے حسینؑ حسینؑ کے ماتم میں ”حیو حیو ددے ددے“ کہتے ہیں پھر کچھ عرض کیا ہے:۔

ہ السّلام اے حامیانِ حیّو حیّو و دے دوئے جاگ اٹھیں دنیا کی قومیں تم نہ جاگے خوب سوئے
داغِ بدنامی تمھارا کس طرح پر کوئی دھوئے اس کی کب اصلاح ممکن ہے جو بیج کھنے یہ بوئے
خاک ہو نجاؤ گے تم دنیا کو پیغامِ حسینؑ
صاف لے سکتے نہیں ماتم میں جب نامِ حسینؑ

....

ہ حَسوا اَا، اِک نیا اب تو بنایا ہے امام کیا عزادارِ حسینؑ ابنِ علیؑ کو اُس سے کام
اُس کا ماتم تم کرو بس دُور سے اپنا سلام ہم پر ایسے نام کا واجب نہیں ہے احترام
خود کر دیوں مسخ اسمِ پاک فرزندِ رسولؐ
اور پھر امید اس کی بھی کہ راضی ہوں بتولؑ

اخلاقی اصلاح: نصائح کا اثر ڈالنے اور اخلاقی سبق دینے کے لئے اکثر جانوروں اور طیور کے پردے میں شعرا اور اہلِ قلم واقعات کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی اصول کے ماتحت قومی لیڈر کی اخلاقی اصلاح اور اظہارِ حال کے لئے ظریف نے ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اونٹ کو پکڑ پایا جس میں شاید کچھ مشترک صفتیں پائی گئیں اس لئے انھوں نے ایک نظم کا نام "البعیر" رکھ کر یوں اظہارِ خیال فرمایا۔ اس نظم کے بے ترتیب چار شعر لے کر پیش ہیں:۔

ہ اُمِّ صبیاں سے زیادہ تیرے تھوتھن کی گرفت پنجۂ دستِ قضا کے مثل وقت گیرودار
اپنی کبڑی پیٹھ پر لادے ہوئے قومی حقوق کتنے اطمینان سے چلتا ہے تو مستانہ وار
قوم کو باہم لڑا دینے میں تیری ذات فرد میرے قومی اونٹ اے جنگِ جمل کی یادگار
پیٹ تیرا قوم کی گاڑھی کمائی کے لئے وقف ہے کھا کر نہیں لیتا کبھی تو اک ڈکار

دوسری نظم میں جسکا نام "شکوہ فقیرانہ" ہے، رؤسا کے اخلاق کی تصویر نہایت پُراثر اور سادہ سادہ کھلے عنوان سے پیش کی گئی ہے جس کے صرف دو شعر یہ ہیں۔

ے غریب خانہ تک آکر کبھی تو عزت دی — کبھی ادائے تغافل سے کی گئی تحقیر
ہم اپنے آئینۂ دل میں رکھیں گے محفوظ — اب ایک خلق مجسّم کی دورُخی تصویر

مغرب پرستی کی اصلاح ظریف نے اپنی مبسوط نظم مغرب پرستی میں نہایت صاف صاف طرز سے اصلاح مغرب پرستی کی طرف توجہ دلائی ہے مثلاً، چند شعر پیش ہیں:۔

ے ہوائے مغربی تجھ میں ہو کتنا جذب پنہانی — دھرم ہندو کا غائب اور مسلماں کی مسلمانی

....

حیا جامے سے باہر ہو گئی اللہ رے آزادی — ابھی تھوڑی سی بڑھنے پائی تھی تعلیم نسوانی

....

ے مساوات اس کو کہتے ہیں نئی تہذیب کیا کہنا — کہ صورت ہو گئی یکساں زنانی اور مردانی

....

بجائے خود الکشن کم نہ تھا میونسپلٹی کا — اب اسپیر اور طرّہ کو نسلوں کی حلقہ جنبانی

....

مفادِ قوم کو قرباں کریں جو فرقہ بندی پر — تو ایسے ووٹروں کی انتخابی آنکھ ہے کانی
اُنھیں کیا ترجمانی قوم کی جو کرنے جاتا ہے — کچھ اس میں مادّہ ہے یا فقط شکل ہیولانی

....

جو بے سمجھے اُٹھادے ہاتھ جب رائیں گنی جائیں — تو اسٹیشن کا سگنل ہے وہ ممبر ظلم کا بانی

....

سوال اس کے اگر ہونگے تو بس اس قسم کے ہونگے — گورنمنٹ اس کو بتلائے زراہ لطف سلطانی
کہ ابکی فصل میں سرخاب یا قازیں بہت آئیں — زیادہ آج کل صوبے کی ہو کس جھیل میں پانی

....

بنایا جائے اک قانون یہ حفظانِ صحت کا   سول سرجن کریں بچوں کی آئندہ مسلمانی

....

سیاسی اصلاح] ہوم رول والی نظم تو مشہور ہے اسکا ذکر ہی کیا، اسی طرح ہوم رولز کی نظم نیز شامتِ الکشن کے نام سے ایک خاصی لمبی چوڑی نظم ہے اس کے دو چار بند اِدھر اُدھر سے لیکر پیش ہیں:۔

سنئیے اک صاحب کا قصہ جب ہوئی شامت سوار   یہ ضمانت کرکے داخل ہوگئے امیدوار
چھوڑا پیشہ ترک فرمایا جو کچھ تھا کاروبار   کچھ اثاث البیت بیچا کچھ لیا سودی اُدھار
مضطرب رہتے تھے یہ نام آوری کیواسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کیواسطے

سب سے پہلے ان کو جب ووٹر کے گھر جانا پڑا   شیخ بدّھو نام تھا اور تھا جُلاہا قوم کا
دھوتی باندھے مرزئی پہنے تنا بیٹھا ہوا   اک سٹراسٹی کا حُقہ پی رہا تھا کج ادا
جاتے ہی تسلیم کی جب اس کو باصد احترام
مُنھ کو ٹیڑھا کرکے بولا "کو ہے بالیکم سلام"

بولے یہ۔ پہلے نہ آیا میں ہوا اتنا قصور   شیخ بدّھو آپ مجھ پر رحم فرمائیں حضور
آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائی اب سے دور   میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لے لونگا ضرور
بولے بدھو کاہیو ہم کہکا کہکا بوٹ دے ای
بوٹ پہیسے اد جو ترتے ہمکا دس کا لوٹ دے ای

....

اسی طرح مختلف ووٹروں کی گفتگو اُنھیں کی زبان اور الفاظ میں نظم کرکے سیاسی اصلاح کی طرف یوں توجہ دلائی ہے:۔

اس طرح کے ووٹر اور ممبر ہوں جب اس قسم کے — کہیئے اس میونسپلٹی سے کیسے راحت ملے

....

اقتصادی اصلاح] مہاجن نوازی کے نام سے جو نظم ہے اس کے دو بند پیش ہیں :۔

۵ ریڑھ کی ہڈی تری ہندوستاں تھے کاشتکار — قرض کی دق نے عمل کر کے کیا اس کو نزار
سود کیا اصل کا بھی اُٹھ نہیں سکتا ہے بار — اقتصادی چل گئی ایسی ہوا ناخوشگوار

جنس کی قیمت گھٹی معیار زر کا بڑھ گیا
ضعف میں قرضے کی تپ کا اور پارہ چڑھ گیا

....

فیکٹری کالج کی ڈھائے جبکہ بے گنتی وکیل — بی اے ہونا پیشگی جب ہوا ال بی کی دلیل
اس جماعت کے ہو پھر کیا کھانے پینے کی سبیل — کیوں نہ ہر بھوکے بھلے مانس کی نیت ہو ذلیل

گھومتے ہیں اب گون پہنے ہوئے اس تاک میں
بس چلے تو یہ موکّل کو ملا دیں خاک میں

پوری نظم وکیل، مہاجن، حکّام اور عدالت کے اہل کار کی سیرت کا خاکہ ہے جو ملک کی اقتصادی حالت کے قصے کو عبرت ناک بنا رہے ہیں اور یہ کہ اس میں اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

معاشرتی اصلاح] پتنگ بازی لکھنؤ کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ اور معاشرتی بدنامی کا مشہور صحیفہ۔ ظریف نے مثنوی "بادہوائی"، لکھ کر ایک طرف پتنگ کے اقسام اور پتنگ بازی کے اصطلاحات کا ذکر کر کے لٹریچر میں اضافہ کیا دوسری طرف اصلاحات کی جانب متوجہ کیا ہے۔ اس مبسوط نظم سے چند اشعار پیش ہیں :۔

اے معین المہام لہو و لعب — قوم کی فاقہ مستیوں کے محب
صدر آرائے رزم گاہِ پتنگ — پون تا دا نواز تکّل جنگ

....

کام کی بات میں تو عذرِ لنگ ٹ   ابتو ہیں آپ اور شغلِ پتنگ ٹ

....

زیب ہیں اب یہ بازیاں کن کو   سود دیتا نہیں زیاں جن کو

....

آپ کو یہ کبھی خیال آیا   ملک کا اب بدل گیا نقشا

....

"آج پستی میں ہے ہماری قوم   تنگدستی میں ہے ہماری قوم"
"ایسے بیڑے کو ڈوبنے سے بچائے   ناؤ منجدھار سے جو پار لگائے۔"
"قوم بھر کا وہ اپنے حامی ہے   اور سزاوار نیک نامی ہے"

(نظمیں اشعار در انجمن)

....

اس میں مختلف اقوام کے اسلاف کی زندگی اور کام کو دکھا کر جس طرح ان سے اصلاح معاشرت کیلئے بصورت طنز اظہارِ خیال کیا گیا ہے وہ نہایت دلنشین اور دلچسپ عنوان ہے ۔

اصلاحی نظم متعلق یتیم خانہ] قومی اداروں اور قومیات سے سب باخبر ہیں مگر اس سے دلچسپی نہ لینے کی جو خاص وجہ ہے وہ یہ ہے کہ خود غرض اور نفس پرست انسانوں کے بڑے طبقے کو دنیا کے کسی نہ کسی سیر و تماشے نے اپنی طرف الجھا رکھا ہے اور ان کے دلوں کو وہ مصروفیتیں اُبھرنے نہیں دیتیں ۔ اس دکھتی ہوئی رگ کو ظریف نے پکڑ کر اُس پر نشتر لگائے ہیں ۔ پُوری نظم پرلطف اور معلومات کا خزانہ ہے طنز و ظرافت پر تو اس کی بنیاد ہی ہے مگر ہر شعر میں ایک الگ شخصیت اور کردار کا دفتر بند ہے اور طرزِ بیان ایسا کہ ہر شعر ایک اپیل ہے مثلاً یہ کہ کوئی امیر بیمار پڑے تو بڑے بڑے مرد شریف اس کو دیکھنے جاتے ہیں اور یہ بہانہ کرتے ہیں کہ مریض کی عیادت میں ثواب ہے حالانکہ تشریف لیجانے کی وجہ کچھ اور ہی ہے ظریف نے یتیم خانہ پر نہ آنے پر کیا خوب طنز کی ہے وہ شعر ملاحظہ ہو :

؎ علیل ہے نہ یہاں کوئی صاحبِ ثروت   ثواب جس کی عیادت ہے فرض جانا ہے

اب صرف اقتباس نظم درج ذیل ہے:۔ قطعے کا پہلا شعر ملاحظہ ہو۔

؎ کبھی کبھی تو ادھر بھی حضور آ نکلیں یتیم بچوں کے رہنے کا جو ٹھکانا ہے

اسکے بعد ان مختلف مشاغل اور سوسائٹی اور سامان تفریح اور لہو ولعب کا ذکر ہے جس میں دن رات مستغرق رہنے کی وجہ سے یتیم خانے یا اور ایسے ہی قومی اِدارے میں آنے کو نہ کسی کا جی چاہتا ہے نہ فرصت ملتی ہے۔ اسی میں یہ ذکر ہے کہ یتیم خانے بھلا آپ کیوں تشریف لائیں گے کیونکہ:۔

نہ یاں فلش ہے نہ سولو نہ کورٹ بیس نہ برج نہ یہ کلب ہے نہ کوئی قمار خانا ہے
نہ لاٹری نہ لکی بیگ کی کشش ہے یہاں نہ وہ مقام جہاں قسمت آزمانا ہے
نہ یاں بیٹروں کی پالی نہ چوک کا منظر مآلِ کار جہاں دیکھنا، وکھانا ہے

....

نہ حال قال کی محفل نہ یاں کسی کا عُرس نہ یاں مشاعرہ جس میں غزل سنانا ہے

....

علیل ہے نہ یہاں کوئی صاحبِ ثروت ثواب جس کی عیادت ہے فرض جانا ہے

....

نہ یاں یہ ہے کوئی منڈی نہ یاں کوئی بازار کہ لین دین سے کچھ فائدہ اٹھانا ہے
یہاں کا آنا تو ہے خالصاً لوجہ اللہ وہ اس نظر سے کہ یہ اک یتیم خانا ہے
بقائے ملت و مذہب اگرچہ ہے مقصود روش بدلئے کہ نازک بہت زمانا ہے

شاعر اور مشاعرے کی اصلاح] ایک طویل دلچسپ نظم کے اِدھر اُدھر سے چند بند پیش ہیں:۔

بجھ میں ملے ہندوستاں کچھ آجکل حد سے سوا چار سُو پھیلی ہوئی ہے شاعری کی اک وبا
اس مرض میں اب تو اسّی فیصدی ہیں مبتلا مستند شاعر ہے جس نے اک تخلص رکھ لیا

شاعری گو عہدِ ماضی میں تھی پایانِ علوم
اب تخلص میں سمٹ کر آگئی جانِ علوم

چونک کب تک خواب غفلت میں رہےگی آنکھ بند — یہ تغیر دیدۂ عبرت سے دیکھ اے ہوشمند
تھی بنائے قومیت شاعر کی تخئیل بلند — قوم اب شاعر بنا لیتی ہے خود حب پسند

درحقیقت یہ فنائے قوم کے آثار ہیں
قوم میں جب سب کے سب شاعر ہوں جو بیکار ہیں

شعرا جو شاعرے میں بلائے جاتے ہیں ان کا خاکہ اسوقت کا جب وہ سواری سے اُترتے ہیں اسطرح دکھایا ہے:۔

ع پہلے قربانی کے بکرے کی طرح گردن میں ہار — اُن کے پڑتے ہیں جو ہوں شعر و سخن کے جاں نثار

پھر جائے اقامت کیطرف بوڑھے اور بچوں اور جوانوں کے ساتھ اُن کے لئے جانے کا سماں یوں دکھایا ہے۔

ع آگے آگے ڈھول تاشا پیچھے دہقانی گنوار — داہنے بائیں گل افشاں پھلجھڑی اور ایک اَنار

پھر دیہاتیوں کی زبان میں اُن کی تعریف کا ذکر ہے اور مضحکہ خیز عنوان سے شعرا کو خودداری اور اپنی زندگی میں اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اب ان کی جو حالت ہے اس کو اسطرح ظاہر کیا ہے:۔

ع دیکھ تیری قدر یوں کرتے ہیں سب قدرداں — کوئی میلا ہو کہیں پر یا نمائش یا نہاں
جس میں سرکس بھی ہو دنگل میں لڑیں کچھ پہلواں — یاد کر لیتے ہیں بھولے سے تجھے بھی مہرباں

دیتے ہیں لالچ میڈل کا تیری عزت کے لئے
تھرڈ کا تجھ کو ٹکٹ ملتا ہے شرکت کے لئے

غزل سُنانے والوں کے گانے اور اُن کے غزل سُنانے کے شوق کا ذکر کرکے شاعروں کو انکی بیکار زندگی کیطرف متوجہ کیا ہے:۔

ع قسمتِ برباد تیری بن کے اُڑجاتی ہے بھاپ — ہے صلہ تیرا یہی " کیا خوب فرماتے ہیں آپ"

دیہاتیوں کی تعریف کا ذکر کر کے تحسین ناشناس کیطرف یوں متوجہ کیا ہے:-

اسطرح تعریف کرتے ہیں تیری اکثر گنوار | کا ہے رگھو نندن کبھوں دیکھے رہیو ایسی بہار
یُوبڑا اساعر پڑھے آدا ہے کَوَنُو جوُر دار | اُس پڑھت ماں لام باندھس بچ گئی کوا گھا

جون بریا پڑھ دھس بانکی گجل جھلائے کے
کوُ ڈجھومے لاگ کُوڈُ رہ گوا منھ بائے کے

ادِھر اُدھر کی باتیں] ظریف کے حالات اور شاعری کے افادات ہی لکھنے میں یہ اوراق طلسم ہوش ربا کی طرح خاصے ضخیم ہو گئے اب اگر ظریف کے کلام اور شاعری کی ایک ایک خوبی اور ظرافت کے تمام عنوانات کا تفصیلی ذکر کیا جائے جو ظریف نے استعمال کئے ہیں تو گویا پھر سے ایک اور قصہ الف لیلہ کا آغاز سے شروع ہو گا۔ اب نہ مجھ میں دم ہے نہ پڑھنے والوں میں اتنا صبر اس لئے کلام کی خوبیوں کی تفصیل کا لطف سمجھنے والوں کے ذوق سلیم پر چھوڑا جاتا ہے اجمالاً جو نکات اوپر لکھ دیئے گئے ہیں اسی کے سہارے سے یا اپنے ذوقِ سلیم کی روشنی میں انکے کلام کے پڑھنے سے جو لطف حاصل ہو گا وہ بات اس تحریر سے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔

؎ خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں | گفتہ آید در حدیث دیگراں

البتہ ایک فضول سی چیز یعنی صنائع لفظی کا تھوڑا سا ذکر اسلئے کرنا پڑا کہ بعض ایسے بھی لوگ ابھی دنیا میں ہیں جن کو پلاؤ اور شیر برنج کھانے کے بعد بھی گڑ کھائے بغیر چین نہیں آتا۔

صنائع اور بدائع] ظرافت میں ایسی لفظوں، ترکیبوں اور مضامین کی تلاش میں بےچینی رہتی ہے جن کے استعمال سے ہنسی آئے۔ ایسے قیامت خیز وقت میں مضامین کی آمد کا یہ عالم ہوتا ہے جیسے دِل کسی پر لوٹ کر بے اختیار آ جائے اور کوئی غریب انجام کا سوچ بچار نہ کر سکے۔ اگر کوئی طالب علم نسفیلڈ کی گرامر یا کتاب مختصر معانی اور قواعد فارسی کھول کر ملانے بیٹھے کہ ظریف نے اس قسم کی آمد والی شاعری میں کتنی صنعتوں کا استعمال کیا ہے تو یہ ایسا ہی جیسے کوئی بیرسٹر صاحب کسی پر عاشق ہوتے وقت تعزیرات ہند دیکھنے بیٹھیں کہ عاشق ہونے پر کوئی دفعہ تو نہ لگ جائے گی یا کوئی جُبّہ و دستار والے بزرگ کسی حسین کی صورت

دیکھکر اگر نور اً پھر اُسے دیکھنے کو جی چاہے تو اُس وقت ان روایات کو ملانے لگیں کہ دوسری نظر نامحرم پر ڈالنے میں کیا کیا قبائح اور موانع شرعی ہیں۔

ہونا تو نہ چاہیئے تھا نہ ظرافت نگاری میں اس کی توقع تھی مگر کچھ نہ پوچھئے کہ سوء اتفاق سے ظرافت کے ساتھ صنائع لفظی کی بدعت، یہ بھی ظریف کے کلام میں سہواً گھس آئی ہے خصوصاً جدید تشبیہیں اور استعارے تو اتنے ڈھیر کے ڈھیر ہیں جیسے شیعہ کالج کے فیلڈ میں پہلے اونٹ کٹارے کے جھنڈ کے جھنڈ تھے۔

کہیں کہیں ظریف کے شعروں میں صنعت کے اندر صنعت اسطرح حلول کر گئی ہے جیسے بنارسی ڈبیا کے اندر ڈبیا اُس کے اندر ڈبیا، پھر اس کے اندر ڈبیا، پھر اس کے اندر ڈبیا۔ شاعرانہ صنعتیں تو اور بھی بہت ہیں مگر یہاں صرف تین صنعتوں کے ایک ایک شعر لکھے جاتے ہیں:-

تشبیہ استعارہ اور تلمیح] ؎ کئے ہیں شمع نے چھانڈے وہ دیکھو آگ روشن ہے
چھلبداروں کی صورت کود تا پروانہ آتا ہے

اس شعر میں بدقسمتی سے ایک چھوڑ تین تین صنعتیں موجود ہیں۔ تشبیہ استعارہ اور تلمیح۔ پھر ظرافت کیا اصلاح کا پہلو بھی تاک جھانک میں الگ مصروف ہے۔

کہیں کہیں منت ماننے والے، ایک اللہ والے بزرگ احمد کبیر کی گائے کے نام سے منت مانتے تھے یعنی فلاں کام اگر ہو جائے گا تو گائے کے کباب لگا کر احمد کبیر کی روح کے لئے پیش کرینگے۔ قوالوں کے ایک گروہ کو چھلبدار کہتے ہیں۔ یہ منت ماننے والوں کے یہاں آکر صحن میں آگ روشن کرتے اور کود کود کر انگاروں پر لوٹتے اور اس منتی گائے کے کباب تیار کر کے اپنے ججمانوں میں تقسیم کرتے اور خود بھی مزے سے چٹ کرتے تھے۔ اس رسم کا نام چھانڈا ہے۔ اس شعر میں بطور تلمیح اسی طرف اشارہ ہے۔ اسی صنعت تلمیح کی مدد سے شمع کی روشنی کو آگ سے استعارہ کیا ہے۔ ان دونوں صنعتوں کے زور پر چھلبداروں سے پروانے کو تشبیہ دیکر تیسری صنعت کا اظہار کیا گیا ہے۔ شمع پر پروانوں کے گرنے اُٹھنے اور پھر گرنے کو چھلبداروں کے مستانہ وار کودنے سے کتنی لطیف تشبیہ دیکر ظرافت اور ادبی رنگینی پیدا کر دی ہے چھلبداروں کی باطل پرستی اور شمع کے فریب حسن اور چھانڈے

کی قابل اصلاح اور ایمان سوز رسم کا ذکر کر کے حماقت آمیز عشق کے ساتھ ساتھ ایسے رسم و رواج کی پابندیوں پر بھی ہلکا سا چھینٹا اس طرح طنز میں دیدیا ہے کہ گویا پھلبداروں کی کو دپھاند اور اُن کی قوّالی اور کباب خوری سے کچھ واسطہ نہیں۔

تلمیح] ؎ زمین شعر ہے زور آور ان نظم کا دنگل گُل کُشتی ہے گویا قافیہ چاک گریباں کا

ظرافت میں انتہائی سنجیدگی اور مضمون آفرینی کے ساتھ شاعرانہ ادبیت کی مثال یہ ایک شعر ہے پھول کو چاک گریباں سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ مثلاً ریاض کا وہ ایک ہزار روپیہ انعام والا مشہور شعر۔

؎ گل مرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

چاک گریباں کو گل کشتی کہنے میں صرف ایک تشبیہہ کی لطافت نہیں بلکہ ایران کے پہلوانوں میں زمانۂ قدیم سے یہ لطیف رسم ہے کہ جب کوئی زور آور پہلوان کسی اپنے ہمعصر سے لڑنے کی دعوت (چیلنج) پیش کرتا تھا تو وہ کشتی کیلئے کشتی میں پھول اسکے پاس بھیجتا تھا اُسی کو گل کُشتی کہتے ہیں اور یہاں بطور صنعت تلمیح اسکا استعمال ہوا ہے۔ جس شاعرے کی یہ غزل ہے اس میں رسم قدیم کی تقلید میں شاعروں کے یہاں چاک گریباں کا قافیہ بطور گُل کُشتی کے بھیجدیا گیا کہ مشاعرے میں آکر اس پر زور طبیعت دکھائیں یعنی مرغوں کی طرح لڑیں کیا اچھا ہوتا کہ دھوبی جو کپڑے قبل از وقت پھاڑ ڈالتے ہیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کرتوں اور قمیصوں کے گریبان اور زرا چاک کر کے ایک ایک شاعر کے گھر بجائے قافیہ بھیجدیئے جاتے کہ کچھ نہ سہی تو اس کو دیکھ کر وہ مضمون پیدا کرتے پھر باورچی خانے کی صافی ہی کے کام آجاتے۔ ورنہ خالی خولی اسطرح لڑنے میں ہندی شعرا کو کیا ملتا ہے ظریف اس پہلوانی قسم کی شاعری میں اصلاح کے خواہاں تھے اس کی طرف متوجہ کرنے کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ وہ تفصیل الگ ہے یہ گل کشتی کی چوٹ ایسے شاعروں کے لئے جن کی نازک روحانیت پہلوانوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے، دس دس ضرب بیت سے کم تکلیف دہ نہیں۔ دیکھئے تلمیح کی صنعت کو بھی ظریف کس بے ساختہ پن سے کام میں لائے اور کس موقع پر۔ " دیوانہ بکار خویش ہشیار "

استعارہ] ؎ خواصِ چند جو پائے جناب میں میں نے تو دی جگہ دلِ خانہ خراب میں میں نے

دلِ خانہ خراب کا استعارہ منزلِ ویراں سے کرنا تو ایک معمولی اور گھر کی بات ہے ظریفؔ نے غضب یہ کیا کہ معشوق کا استعارہ جنابِ سے کر دیا اور وہ بھی طنزاً۔ حضرت اور جناب کا لفظ تعظیماً بھی استعمال ہوتا ہے اور طنزاً بھی۔ عشق کی دنیا میں معشوق کے لئے جناب کا لفظ جو مزہ دیتا ہے اور اس جگہ جس طرح طنزاً اُس لفظ کا تصرف بصورت استعارہ ہوا ہے اور خواص چند کی ترکیب جس طرح دوسرے جناب کے معنی خیز لفظ پر متبسّم ہے اس نے معشوق کو اس طرح عشق پیچاں پودے کی پتیوں کی طرح پکڑ لیا ہے کہ اب بھاگتے بن نہیں پڑتا ساری عشوہ گری اور فریب دھرے رہ گئے جب دل خانہ خراب میں رہنے کی توجیہہ کر دی گئی۔ عشق کی دنیا میں کتنے زور دار عنوان سے یہ شعر اور اس کے الفاظ اور یہ استعارہ ناصح مشفق کا کام دے رہا ہے۔

ظریفؔ کی تہذیب اور اُن کی ایمانی ارادت کا قطعی اور واحد یہ فیصلہ ہے کہ جناب سے ہرگز مقدس عالم سے مُراد اُنھوں نے نہیں لی نہ کوئی غیرت دار مہذّب انسان ایسی خلافِ تہذیب بات کر سکتا ہے زیادہ سے زیادہ اس سے علمائے سوء مراد ہو سکتے ہیں جن کی بد اعمالی کی وجہ سے بیشمار احادیث ان کے خلاف ہیں اور یہ عالم دین اور عالم با عمل سے الگ عالم نما جاہل کا گروہ ہے جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے معشوق اور عشق پیچاں کے پودے سے بھی زیادہ سخت گرفت کے ساتھ دلوں کو پکڑتا ہے اور اپنے معتقدین کو کچھ سوچنے اور بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع ٹھیک اسطرح نہیں دیتا جیسے عشق پیچاں کی پتیاں اور درخت کی پتیوں سے دست بوسی کر کے اور اُن سے لپٹ کر اُن کو اُبھرنے نہیں دیتیں۔

اس شعر میں ضرب المثل ہو جانے کے جراثیم موجود ہیں کہیں مکتب یا اسکول میں یہ شعر نہ پہونچ جائے ورنہ کلمے کی اُنگلی سے ہر لڑکا دوسرے کیطرف اشارہ کر کے ایک دوسرے کو جناب بناتا پھرے گا اور اس میں اندیشہ فوجداری ہو جانے اور دفعہ ۱۴۴ کے لگنے کا ہے کیونکہ جس کو جناب کہدیا جائے گا وہی بگڑے گا۔

ترتیب دیوان] اس دیوان کو ظریفؔ کے ہر قسم کے کلام کا مجموعہ سمجھ لینا ایک ناقابلِ عفو غلطی ہے کیونکہ ظریفؔ کے کلام کا بہت بڑا حصہ سنہ ۱۹۰۰ء میں گھر میں آگ لگ جانے کی وجہ سے برباد ہو گیا۔ اس میں مختلف نظمیں اور غزلیں تھیں خصوصاً پروفیسر شہباز نامہ نگار اودھ پنچ اور امیر مینائی کے اشعار پر تخمیس قابل دید تھیں۔ یہ جلا ہوا

کلام کسی حکمت سے اگر مل جائے تو وہی نسخہ قبر سے مردوں اور مرگھٹ سے نعشوں کو گھر میں پلٹا لانے میں کارگر ہو جاتا۔ اس کے علاوہ بعض شعرا اپنا کلام یکجا کرنے کی طرف سے بہت بے پروا ہوتے ہیں اس بارے میں بھی ظریفؔ اپنے ہمجنسوں سے دو چار سو گز آگے بڑھے ہوئے تھے کچھ حصہ اُن کے کلام کا ان آفات اور دست برد زمانہ سے بچتے بچاتے رہ گیا اس میں سے اتنا اور نکال ڈالا گیا جو خاص بے تکلف دوست یا کسی ذات خاص یا مخصوص واقعے سے متعلق تھا اور افادۂ عام کا حامل نہ تھا۔ اس میں غالب کی تنخواہ کیطرح ساہوکار کو تہائی کا شریک بنانا مصالح کے خلاف سمجھا گیا۔

یہ جو کچھ جوڑنے ٹوڑنے سے ماحضر یا بقول اکبرؔ الہ آبادی دال دلیا ہے اس کو مولانا صفی نے بڑی خوبی سے تین حصوں پر بانٹ دیا ہے۔

حصۂ اول] اس حصے میں ظریفؔ کی غزلیں بہ ترتیب حروف تہجی ایک جگہ کردی گئی ہیں۔ یہ میں بڑا بھاری لفظ بول گیا کوئی صاحب بغدادی قاعدے سے حرفوں کو نکال کر کہیں ہر حرف کی غزل ڈھونڈھنا شروع نہ کردیں ورنہ مُفت میں خفت ہوگی۔ ظریفؔ ایسے دقیانوسی یا اصحاب کہف کے زمانے کے شاعر نہ تھے جو خواہ نخواہ تقلید عالم میں ایک ایک دو دو غزلیں ہر ایک حرف کی خاطر نظم کرکے اپنی بدمذاقی کا ثبوت دیتے۔ وہ تو اسطرح کی ترتیب دیوان میں بھی اصلاح کے خواہاں تھے اور اساتذہ کی طرح بھرتی کے ثقیل سے ثقیل قافیے حروف تہجی کی خانہ پری کے لئے سمیٹنے اور ث۔ ذ اور ض کی خوشنودی مزاج کے لئے الغیاث۔ لذیذ اور ریاض و بیاض کے قافیوں کو دھر پکڑ کر دفعہ ۱۰۷ کے آوارہ گردوں کی طرح چالان کرنے کو گناہ سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ جتنے حروف تہجی میں ان کی غزلیں ملیں تھیں وہ سب اعلیٰ خوش فکری اور آمد طبیعت کا نمونہ ہیں۔ کوئی غزل اس ظلم و جور کا شکار نہیں جیسے گاؤں میں اسامیوں کو بیگار میں پکڑ بلاتے ہیں اور وہ الغیاث الغیاث چلاتے پھرتے ہیں۔

اس حصے کی غزلوں کے جلد مل جانے کے لئے دیوان کے شروع میں ایک فہرست دیدی گئی ہے اور جس طرح قیدی کے گلے میں اس کے نمبر اور باڑے کی تختی لٹکی ہوتی ہے اسی طرح فہرست کے خانوں میں نمبر شمار مصرع اولیٰ اور صفحہ جس پر اس غزل کی سکونت واقع ہے پھر اس غزل کے اشعار کا شمار اور سب سے

آخر میں ہر ردیف کے شعروں کی مجموعی تعداد درج ہے۔ اس حصّے کے اشعار گننے کی بھی ضرورت نہیں۔ جنتری برآدر تنخواہ کی طرح شعروں کے اعداد وشمار کا انڈکس وہیں مل جائے گا جہاں سے جس حرف کی غزلیں پولس یا پلٹن کے سپاہیوں کی طرح قاعدے کا سلام کر کے رخصت ہوتی ہیں۔ ایسی پرُلطف اور کارآمد فہرست شاید ظریف ہی کے دیوان کے حصّے کی چیز ہے اگر کچھ مالی فائدہ ہوتا تو اس عنوان کے رجسٹری کرانے کی درخواست بھجوادی جاتی۔

حصّۂ دوم] اس حصّے میں ناتمام غزلیں اور کچھ اِدھر اُدھر کے گرے پڑے شعر اسطرح یتیمانہ اُداسی کا منظر پیش کر رہے ہیں جیسے کسی غریب کی مجلس میں تبرّک گھٹ جائے اور حصّے کے خواستگار منھ پھیلائے کھڑے رہ جائیں یا جیسے سوسائٹی کی بداخلاقی کے ثبوت کی یادگار میں مسجد سے کسی نمازی کا جوتا چرُالیا جائے اور وہ حرماں نصیب عاشق کا زبردستی مقلّد بنا دیا جائے۔ اس حصّے کی یتیم صورت غزلوں کے ایک ایک دو دو شعر پڑھ کر شوق کی فراوانی کا یہ عالم ہوتا ہے اور بقیہ شعروں کی تلاش اس طرح ہوتی ہے جیسے کسی مطلوب کی ذراسی جھلک خواب میں نظر آجائے اور آنکھ کھلتے ہی اس کے پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا جائے تو مچھر کی بھنبھناہٹ کے سوا کچھ سنائی دے نہ دکھائی پڑے۔ اس حصّے کی فہرست بھی پہلے حصّے کی طرح دلچسپ اور کارآمد ہے اور تو سب وہی پہلے حصہ کی فہرست کے خانے ہیں صرف ایک خانہ صنف نظم کا بڑھا دیا گیا ہے اس حصّے میں علاوہ غزل کے سلام۔ سہرے۔ تاریخیں۔ رباعیات۔ تخمیس۔ قطعات۔ نظمیں۔ مثنوی اور نوحے بھی ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ ظریف کی شاعری کے خصوصیات اِن سب اصناف کی چٹ چٹ بلائیں لے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر بعض اصناف کے ایک ایک شعر لکھ دیئے جاتے ہیں صرف سلام کے ایک شعر کی تشریح کر دینا مناسب ہے تاکہ ظریف کی معنی خیز ظرافت کی کچھ قدر دلوں میں ہو۔ ہو ہذا:۔

سلام کا شعر ؎ حُر کے ڈر سے چھپ گیا چادر میں ابن سعد جب ٭ شمر چلّایا ارے تو، تو مری ماں ہوگیا

بظاہر تو اس شعر میں ظرافت ہے مگر تاریخی اور اخلاقی مفاد کے لحاظ سے یہ ایک کارنامہ ہے کربلا کی جنگ میں عمر ابن سعد یزیدی فوج کا اعلیٰ سپہ سالار اور حُر اسی کے لشکر کے ایک دستہ کے سردار تھے روز عاشورا

جب امام حسین ؑ نے ناعاقبت اندیش اور لالچی سپاہیوں کے سامنے آکر اپنے کو پہچنوایا اور اپنی بے گناہی صاف صاف بیان کردی تو عمر سعد سٹپٹا کر لاجواب ہو گیا اور حُر کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ جنگ حق و باطل کی جنگ ہے اور حسینؑ حق پر ہیں حُر کی بہادری کا رعب ہیں ڈنکا بج رہا تھا۔ وہ غدّار فوج سے بیزار ہو کر یزید اور عُمر سعد پر حقارت سے نظر کرتا ہوا امام حسینؑ کی طرف حق کی حمایت کرنے چلا آیا۔ عمر سعد اپنے حرکات اور حُر کی اخلاقی اور مردانہ جرأت کے نفسیاتی اثر سے جس طرح مجرم کا ضمیر ملامت کرتا ہے ویسے خوف زدہ ہوا۔

اس وقتی حالت کا جس میں اسکا دل لپٹ گیا اور بہادری اور اخلاقی صفت روپوش ہو گئی تھی استعارہ ڈر سے چادر میں چھپنے کے الفاظ سے کیا ہے۔ چادر کے معنی خیمے کے بھی ہیں اس طرح ڈر سے خیمے میں چھپ جانے کا بھی خیال منطبق ہوتا ہے جو واقعاً صحیح ہے۔ اس طرح چادر کا لفظ صنعت ایہام کی مثال ہے۔

شمر بھی یزیدی فوج کے دستے کا کماندار تھا اور عمر سعد اُسکا افسر اعلیٰ تھا۔ افسر، مالک، حکمراں کی تشبیہ ماں باپ سے دی جاتی ہے۔ عورتوں کا دستور ہے کہ چادر میں منھ چھپاتی اور کبھی کبھی چادر سے اپنے کو لپیٹ لیتی ہیں یہاں حرص و ہوا اور حکومت رے کی ہوس میں احساس جرم کی غیر مردانہ بے حمیتی سمیت عمر سعد چھپ گیا تھا اسکا استعارہ چادر سے نہایت لطیف ہے۔

اس وقت کی حالت پر نظر کیجائے جب ان کیفیات سے فوج میں ایک سنّاٹا چھا گیا تھا اور حالت دگرگوں ہوتے دیکھکر عبرت دلانے کی ضرورت پیش آگئی تھی تو گھبراہٹ میں شمر کا عمر سعد کو بجائے باپ کے اماں کہدینا عین مقتضائے فطرت ہو سکتا ہے جیسا کہ گھبراہٹ میں ایکبار کوئی صاحب اپنے کو شتر خانے کا داروغہ کہنے کے بجائے داروغہ خانے کا شتر کہہ گئے تھے۔ عمر سعد کی قلبی حالت کے اس استعارے اور اس کی ذات کو شمر کی ماں سے تشبیہ دیکر تاریخی واقعات کو شاعرانہ انداز سے ظرافت کے پیرائے میں ادا کردینا ظریف کے کمال کی نشانی ہے۔

سہرا ۵ — ایک محفل کو مسرت کا تماشا دکھلائے — واقعی بھان متی کا ہے پٹارا سہرا

تاریخ] ۵ اس خسان بہادری کی محل کے لئے اسال ہے موزوں ۔ شتر بغدادی
سنہ ۱۹۲۱ء

حصّۂ سوم] اس حصّے میں وہ تمام معرکۃ الآرا نظمیں یکجا کردی گئی ہیں جن میں سے بیشتر کیر کٹر یا شخصیت کے ذریعے سے ظرافت پیدا کر رہی ہیں۔ ایک ایک نظم مطالب اور اصلاح معاشرت کے لحاظ سے شکسپیر کا ڈرامہ پھر شگفتگی میں زعفران کا کھیت ۔ اس حصّے کی فہرست میں عنوان نظم کے ساتھ جس مفہوم سے جس نظم کا تعلق ہے اسکا خلاصہ بھی دیدیا گیا ہے اور تعداد اشعار کے ساتھ اس سنہ کا حوالہ درج ہے جس سال وہ نظم کہی گئی۔ اس نظم کے پس پردہ تاریخی واقعات پر اسطرح نظر دوڑ نے لگتی ہے جیسے بغیر شناوری سیکھے پانی پر مچھلی کا بچّہ بھاگتا پھرتا ہے۔

تشریحی اور تاریخی حالات کے ساتھ دیوان میں اس حُسن ترتیب نے چار چاند لگائے ہیں اور یہ محنت و ریاض وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں جناب صؔفی کا ایسا درد اور اُن کی ایسی قابلیت و صلاحیت ہو۔

ان حصّوں کے علاوہ پیام تعزیت جو کچھ مل سکے اور ظریفؔ کی وفات پر جو نظمیں کہی گئیں ان میں سے خاص خاص چند اس دیوان کے ساتھ شایع کردی گئیں۔

ظریفؔ کی شاعری پر رائے] ظریفؔ کا دیوان اس سے پہلے شایع نہیں ہوا جس کی وجہ سے ان کی شاعری پر اہل ادب کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اب دوسرے ایڈیشن کے لیے یہ بات اٹھا رکھی جاتی ہے لیکن جو دو چار رائیں معلوم یا موصول ہوئیں اُنکا خلاصہ یہ ہے۔ حضرت اکبرؔ الٰہ آبادی نے اپنی زندگی میں ظریفؔ کی ہمہ گیر طبیعت اور کلام پر نظر کر کے یہ رائے ظاہر فرمائی جو اخبار سرفراز لکھنؤ میں درج ہے۔ ”ظریفؔ ہندوستان میں اپنی قسم کے منفرد شاعر ہیں“ سیّد ابو طاہر بی ایس سی پروفیسر گورنمنٹ اُردو ٹریننگ کالج پونا نے میری فرمائش پر ظریفؔ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا اس میں سے قدیم زمانے کے طرز ظرافت اور دور جدید کی ترقی کے بعض نکات کو میں اپنے طور پر پہلے ہی اس مقدّمے میں دکھا چکا ہوں لیکن اس مدد کے لئے اُن کا دل سے شکر گزار ہوں ۔ ان کی جو رائے ظریفؔ کے بارے میں ہے

وہ بجنسہ انھیں کی عبارت میں یوں پیش ہے :-

"وہ عجیب اتفاق ہے کہ ایک ہی گھر میں دو بھائی (صفی اور ظریف) پیدا ہوتے ہیں اور قدرت دونوں کو"
"شاعری کا دل و دماغ ودیعت کرتی ہے مگر جب اِن قوتوں کا اظہار ہوتا ہے تو پیرایۂ بیان میں ذرہ برابر بھی"
"مشابہت بھی نظر نہیں آتی ایک کا کلام سنجیدگی متانت فکر و فلسفۂ حقائق سے لبریز اور دوسرے کا سخن"
"زندہ دلی شوخی ظرافت بذلہ سنجی اور طنز کا نمونہ دونوں اپنے اپنے زمانے کے مسلّم الثبوت اُستاد"
اور اپنے اپنے رنگ کے حالی اور اکبر۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس اختلاف میں بھی حُسنِ اتفاق"
"نظر آتا ہے۔ دونوں اپنی قوم کے والہ و شیدا اسکے سکھ سے مسرور دکھ سے رنجور ترقی کے خواہاں اور"
"تنزل سے نالاں ہیں دونوں کے دلوں میں درد کی ٹیسیں اور احساس لطیف کے نشتر مشترک معلوم ہوتے ہیں"
"گویا دھڑکنے والا دل ایک ہی ہے مگر اُس کی ترجمانی کرنے والی زبانیں دو ہیں ...."

اسکے بعد اکبر الہ آبادی اور اودھ پنچ کے دور ظرافت نگاری کے سلسلہ میں اسطرح تحریر فرمایا ہے ......

"اکبر الہ آبادی اور ظریف لکھنوی دونوں بزرگ ہندوستان کے عبوری عہد کی پیداوار ہیں۔ دونوں کا"
"نصب العین اوّلاً مسلمانوں کی مذہبی، سماجی، اور ملی خصوصیات کو برقرار رکھنا اور اسکے بعد تعلیمی و اقتصادی"
"ترقی حاصل کرنا ہے۔ دونوں اپنی قوم کے مغرب زدوں اور پُرانی لکیر کے فقیروں سے ناراض ہیں۔ وہ"
"مغرب و مشرق کا ایسا اعتدال چاہتے ہیں جس میں اسلام پھولے پھلے۔ وہ ہندوستان کو غدّاروں"
"قوم فروشوں حکّام پرستوں، مولویوں، رئیسوں اور فرسودہ شاعروں سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ وہ انقلاب"
"نہیں چاہتے ہیں بلکہ تحفظ چاہتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے اُنھوں نے اپنے لئے شاعری میں"
نئی راہیں تلاش کیں اور اچھے کلام کو مؤثر بنانے کے لئے طنزیہ لہجہ اختیار کیا لیکن اسکے باوجود"
ان کے کلام کی بنیاد تفنّن ہی پر قائم رہی ظریف کے آرٹ کی بنیادی خصوصیت ان کے مذاق کی"
متانت اور زبان کی پاکیزگی میں مضمر ہے۔ ان کے عنوان، الفاظ، اور بیان میں ایسا رکھ رکھاؤ"
ہوتا ہے کہ سوچنے پر بھی سوقیانہ پہلو نہیں نکلتا۔ ظریف ذومعنی الفاظ ضرور استعمال کرتے ہیں"

"مگر صرف لفظی اعتبار سے معنوی لحاظ سے نہیں اسی لئے انکا کلام ہر طبقے اور ہر محفل میں بید عفرک"
"پڑھا جا سکتا ہے۔ ان کے مذاق میں وہ اعتدال ہوتا ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہے۔ وہ اتنے"
بد مذاق بھی نہیں ہیں کہ پرانے ادیبوں کی طرح چیستان میں گفتگو کریں اور صرف ونحو کی باریکیوں"
"میں الجھ کر مزاج کا ایسا گورکھ دھندا تیار کریں جس میں تفنن اسطرح غائب ہو جائے جیسے ریت"
"میں پانی نہ وہ اتنے ہنسوڑ ہیں کہ لوگوں کو ہنسانے کی کوشش میں خود مضحک بن جائیں۔ پھر سب سے بڑی
بات کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اتنا برجستہ ہوتا ہے کہ جیسے الفاظ کو طلسم بند کر لیا۔ انکا اثر ایک سحر ہے"
جس سے پیٹ میں گدگدی تو نہیں ہوتی البتہ لبوں پر خفیف سا تبسم نمودار ہو جاتا ہے اُن کا طنز"
اسقدر لطیف ہوتا ہے کہ اُس سے کلیجے میں چھید نہیں پڑتے وہ اپنی زبان پر سودا کے بہتر نشتر"
"نہیں رکھتے کہ ہر ایک کی ہجو کرتے پھریں۔ اور جب وہ سرنگوں ہو جائے تو ایک قہقہہ لگائیں"
"افلاطون اس قسم کے متعلق لکھتا ہے کہ"

"ہم دوسروں کی بدنصیبی پر اس مسرت کے اظہار میں ہنستے ہیں"
"جو اُن کے شریک غم نہ ہونے پر ہمیں حاصل ہوئی ہے"،
"اس کے برخلاف اُنکا طنز تعمیری ہے۔ حاصل کلام ان کے مذاق میں متانت، ہنسی"
میں، دکھ طنز میں ہمدردی اور ہنسوڑ پن میں فلسفے کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں"........

القائی خواب

ایک خواب ہے جس کو اتفاقی بات کہئے یا القا کسی خانقاہ کے گوشے سے اس خواب کا ذکر چھڑتا تو دنیا اس کو خدا جانے کیا سمجھتی ظریف مرحوم کو جب آخر بار جناب راجہ صاحب محمود آباد اور مہاراجکمار صاحب محمود آباد چہارشنبہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء کو بوقت دس گیارہ بجے دن۔ دیکھنے کو آئے۔ تو مرحوم کی حالت بہت خراب تھی، یہ حضرات بیحد اثر لیکے اُٹھے۔ جناب راجہ صاحب موصوف اسی روز کلکتے بضرورت خاص روانہ ہو گئے۔ اثنائے سفر ریل گاڑی میں بارہ بجے شب کو اُن کی آنکھ لگ گئی اور تقریباً دو گھنٹے سوئے ہوں گے کہ خواب میں موصوف

نے یہ دیکھا کہ ظریف کا انتقال ہو گیا ہے اور دنیا ان کے ماتم میں اشکبار ہے۔ اسی عالم میں گھبرا کر جاگ اٹھے اور الہامی طور پر اُن کی زبان سے یہ کلام جاری ہوا "ہنسانے والا رُلا کے اٹھا" یہاں اُسی وقت یعنے ۳۰ر دسمبر پنجشنبے کی رات کو بارہ بجے کے بعد سوا دو بجے ظریف کا انتقال ہو گیا تھا۔ کئی دن کے بعد راجہ صاحب موصوف کو ظریف مرحوم کے انتقال کی خبر کلکتے میں ہوئی۔ اِدھر فرط غم سے الہامی عنوان کے طور پر اُسی شب جناب صفی کی زبان پر جو شعر جاری ہوا اس میں بھی شعر کی جان یہی ٹکڑا ہے۔ جسے وہ مرحوم کی مجلس سوم میں بتاریخ ۲ر جنوری ۱۹۳۸ء بہ آواز حزیں و چشم اشکبار پڑھے اور اسکا ذکر سرفراز اخبار کے اس مضمون میں بھی ہے جو مجلس سوم کے متعلق شایع ہوا ہے نیز یہی شعر اسی نظم کا مطلع ہے جو رقعہ مجلس چہلم کے ساتھ موسوم بہ "دردِ دل" شایع ہوئی ہے شعر یہ ہے۔ ؎

جو اُٹھ نہ سکتا تھا بے سہارے وہ شور محشر اُٹھا کے اٹھا ستم ظریفی تو کوئی دیکھے ہنسانے والا رُلا کے اُٹھا

اختتام

ظریف ایسے عدیم المثال ظرافت نگار شاعر کی ابھی دنیا کو بہت ضرورت تھی مگر ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ چند ماہ کی علالت جھیل کر اور آخر زمانے میں عسرت و تکلیف سے بسر کرنے کے بعد ۲۹ر دسمبر کا دن گذر کر شب پنجشنبہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو سوا دو بجے انتقال کیا۔ ظریف دُنیا سے اُٹھ گئے اور محلہ کھجوہ شہر لکھنؤ کے ایک باغیچے میں جب سورج غروب ہو رہا تھا دفن ہوئے اُس باغیچے میں پھولوں کی فصل میں نئے نئے پھول کھلتے رہتے ہیں اور راتوں کے سناٹے میں صدا آتی ہے۔ ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

مرحوم گو دنیا سے اُٹھ گئے لیکن ان کی یاد اب تک دلوں میں تازہ ہے اور جب تک اس چمن روزگار میں پھول کھلتے اور آسمان پر ستارے چمکتے رہینگے اور ایک بھی زندہ دل باقی رہیگا ظریف یاد آتے رہینگے۔ اُردو شاعری کی اصلاح اور اخلاقی تمدن اور رسوم و قیود کے اصلاحات کا چرچا جتنا بڑھتا جائے گا ظریف جیسے شاعر کو دنیا برابر یاد کرتی رہے گی۔

۲۸ر فروری ۱۹۴۲ء

ممتاز حسین جونپوری

فہرست اسمائے گرامی حضرات جنھوں نے تعزیتی مراسلے بھیجکر عزت افزائی فرمائی

نمبر	صراحت مراسلہ خط	صراحت مراسلہ تار	مؤرخہ	اسم گرامی ارسال کنندہ	مقام جہاں سے مراسلہ آیا	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	خط	۰	۲ر جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	پروفیسر سید ضامن علی صاحب	محلہ چک الہ آباد	
۲	ایضاً	۰	۳ر ایضاً	راجہ یٰسین علی خاں صاحب	دیوگاؤں۔ ضلع فیض آباد	
۳	،،	۰	۔ ایضاً۔	سید کلب عباس صاحب ایڈوکیٹ	رائے بریلی	
۴	،،	۰	۔ ،، ۔	سید خلیل احمد صاحب آنریری جنرل سکریٹری	ادارۂ ایک آنہ فنڈ لکھنؤ	
۵	،،	۰	۔ ،، ۔	مرزا محمد مرتضیٰ صاحب ایضاً	بزم عباسیہ موتی مسجد فیض آباد	
۶	،،	۰	۴۔ ایضاً	نواب آغا علی خاں صاحب	دریاباد ۔ الہ آباد	
۷	،،	۰	۵۔ ،،	سید جعفر مہدی صاحب رئم	ردولی ضلع بارہ بنکی	
۸	،،	۰	۔ ایضاً	حاجی سید جلال الدین حیدر صاحب	انجمن وظیفۂ سادات لکھنؤ	
۹	،،	۰	۔ ،، ۔	شیخ رضا حسین صاحب	شیخواڑہ ضلع اناؤ	
۱۰	۰	تار	۷۔ ایضاً	نواب سر حاجی مزمل اللہ خانصاحب	بھیکم پور ضلع علیگڈھ	
۱۱	خط	۰	۔ ایضاً	سید علی اکبر صاحب	جائس ضلع رائے بریلی	
۱۲	ایضاً	۰	۔ ،، ۔	سید موسیٰ جعفری صاحب	سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور	
۱۳	،،	۰	۸۔ ایضاً	حکیم محمد رفیق صاحب کنوینر اردو اسوسی ایشن	میونسپل ہائی اسکول بنارس	
۱۴	،،	۰	۹۔ ایضاً	نواب نثار علی خاں صاحب	نواب پلیس۔ لاہور	
۱۵	،،	۰	۔ ایضاً۔	سید محمد علی جعفری صاحب	۔ ایضاً ۔	
۱۶	،،	۰	۱۰۔ ایضاً	پنڈت امرناتھ جھا صاحب ریڈر و ڈین	یونیورسٹی الہ آباد	
۱۷	،،	۰	۔ ایضاً۔	محمد کبیر خاں صاحب رسا	بستی غزاں۔ جالندھر	

فہرست اسمائے گرامی حضرات جنھوں نے تعزیتی مراسلے بھیجکر عزت افزائی فرمائی

نمبر	صراحت مراسلہ: خط	صراحت مراسلہ: تار	مورخہ	اسم گرامی ارسال کنندہ	مقام جہاں سے مراسلہ آیا	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱۸	خط	.	۱۰- ایضاً-	جناب احقر نجیب آبادی	جارچہ ضلع بلند شہر	
۱۹	"	.	۱۱- ایضاً	سید حسین صاحب انصاری	شیعہ اسکول جونپور	
۲۰	"	.	- ایضاً-	محمد عبدالجامع صاحب جامی	بدایوں	مع قطعۂ تاریخ وفات
۲۱	"	.	۱۲- ایضاً	سید علی اظہر صاحب بیرسٹر	فیض آباد	
۲۲	"	.	۱۴- ایضاً	سید اضعر حسین صاحب لکھنوی تاجر عطر	چاوڑی بازار دہلی	
۲۳	"	.	۱۵- ایضاً	امیر احمد صاحب بلگرامی عبرت	سندیلہ ضلع ہردوئی	
۲۴	"	.	- ایضاً-	ڈپٹی سید احمد علیصاحب	ٹپنہ	مع قطعۂ تاریخ وفات
۲۵	"	.	- " -	جناب شاکر صاحب د سلیم صاحب	شاکر منزل قلی بازار کانپور	
۲۶	"	.	۱۹ ایضاً	سید محمد سبطین صاحب ایڈوکیٹ	پرتابگڈھ	
۲۷	"	.	۲۰- ایضاً	سید حسن جعفری صاحب وکیل	نواب پیلس لاہور	
۲۸	"	.	- " -	آغا اشہر صاحب مدرس	گورنمنٹ انٹر کالج جھانسی	
۲۹	"	.	۲۲- ایضاً-	خان بہادر محبوب حسن خانصاحب	فیض آباد	
۳۰	"	.	- " -	سید علی اظہر صاحب بیرسٹر	- ایضاً-	
۳۱	"	.	۳/۲۲ - ایضاً	پروفیسر سید ضامن علیصاحب صدر شعبۂ اردو	یونیورسٹی آلہ آباد	
۳۲	"	تار	۲۶- ایضاً	مرزا اصغر حسین صاحب	بمبئی	
۳۳	خط	.	- ایضاً-	مولانا مولوی سید ابن حسن صاحب رضوی جارچوی	محمود آباد ضلع سیتاپور	
۳۴	"	.	- ایضاً-	قیصر مرزا صاحب عنٰ فناتو	- ایضاً-	

فہرست اسمائے گرامی حضرات جنھوں نے تعزیتی مراسلے بھیجکر عزت افزائی فرمائی

نمبر	صراحت مراسلہ خط	تار	مؤرخہ	اسم گرامی ارسال کنندہ	مقام جہاں سے مراسلہ آیا	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۳۵	خط	۰	۲۲-جنوری سنہ ۱۹۳۶ء	نواب علی خاں صاحب	محلہ جکلی امروہہ	
۳۶	،،	۰	۲۳-ایضاً	سید مجتبیٰ حسین صاحب	سکریٹریٹ ممالک متحدہ لکھنؤ	
۳۷	،،	۰	-ایضاً-	سید محمد عسکری صاحب وکیل	بھوپال	
۳۸	،،	۰	۲۴-ایضاً	خواجہ غلام السیدین صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج	علی گڑھ	
۳۹	،،	۰	-ایضاً-	سید اصغر حسین صاحب لکھنوی تاجر عطر	چاوڑی بازار دہلی	
۴۰	،،	۰	۲۵-ایضاً-	سید عابد حسین صاحب پروفیسر جامعہ ملیہ	قرول باغ دہلی	
۴۱	،،	۰	-ایضاً-	خان بہادر مرزا جعفر علیخاں صاحب اثرؔ کلکٹر	بلیا	
۴۲	،،	۰	ـ ،، ـ	سید فیضی جالندھری سکرٹری انجمن اردو	محلہ قاضیاں جالندھر	
۴۳	،،	۰	۲۷-ایضاً	سکرٹری حیدر راد لمیک بورڈ	ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور	
۴۴	،،	۰	۲-فروری سنہ ۱۹۳۶ء	سید ذاکر حسین صاحب ایم اے پرشین ٹیچر ہائی اسکول	مٹیا برج کلکتہ	
۴۵	،،	۰	۴-ایضاً-	سید رضا حسین صاحب آنریری سکرٹری انجمن اتحاد المومنین	گونڈہ	
۴۶	،،	۰	۵-ایضاً-	سید کلب عباس صاحب آنریری جنرل سکرٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس	رائے بریلی	
۴۷	،،	۰	۷-ایضاً-	سید محمد اسماعیل صاحب عرف مدن	رانی منڈی الہ آباد	مع قطعہ تاریخ وفات
۴۸	،،	۰	۱۲-ایضاً-	جناب نجمؔ صاحب آفندی	ہوم آفس کمپاؤنڈ حیدرآباد دکن	
۴۹	،،	۰	۱۸-ایضاً-	سید محمد احسن صاحب خازن در شہیدی کربلائی	قرول باغ - دہلی	
۵۰	،،	۰	۱۹-ایضاً-	مرزا یار جنگ بہادر مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب سپرنٹنڈنٹ چونگی	حیدرآباد دکن	
۵۱	،،	۰	۱۳-ایضاً	سید عقیل احمد جعفری نبیرۂ حضرت یاسؔ مرحوم	خیرآباد ضلع سیتاپور	مع نظم تعزیتی

فہرست منظوماتِ تعزیتی

نمبر شمار	نام ارسال کنندہ	صنفِ سخن	مصرعِ اوّل	صفحات	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	از جناب یونس صاحب بیدی	رُباعی	یاد آتا ہے دنیا سے گزرنے والا	۷۹	۲	* تاریخ برلوح قبر کندہ ہے۔ ۱۹۰۵ء سے انتقال کی تاریخ ہجری و عیسوی منتخب ہے۔ تاریخ قطعہ کے ہمراہ ان دونوں کا اظہار ہو۔
۲	"	تضمین	بر ہر لب و زباں صفتِ ما کلامِ ما	۷۹	۲ ½	
۳	"	تخمیس	شاعرِ فرد با ہنر بود ظریفِ خوش سرشت	۷۹	۲ ½	
۴	"	قطعۂ تاریخ	رفت از جہاں برادرِ خردِ صفی بخُلد	۸۰	۹	
۵	از مولوی سید حامد حسین صاحب	قطعۂ تاریخ	رفتہ زجہاں ظریفِ مقبول حسین	۸۰	۷	
۶	از جناب ڈپٹی سید احمد علی صاحب	قطعۂ تاریخ	ہزار حیف کز جہاں برفت فخرِ شاعراں	۸۱	۳	
۷	"	قطعۂ تاریخ	افسوس ز جورِ پیرِ گردوں	۸۱	۵	
۸	صفی لکھنوی	*قطعۂ تاریخ	رفت دفتیکہ ظریف از دُنیا	۸۲	۲	
۹	از پنڈت مہاراج کرشن صاحب ندیم	قطعۂ تاریخ	ہوگئے روپوش حیف آنکھوں سے سب کی تم کہاں	۸۲	۱۴	
۱۰	از سید عابد حسن صاحب بلاغت	قطعۂ تاریخ	تھا پنجشنبہ تیس دسمبر کی رات کو	۸۳	۲	
۱۱	از سید محمد اسمٰعیل عرف مّن صاحب	قطعۂ تاریخ	اُٹھ گیا ہائے کون اہلِ کمال	۸۴	۶	
۱۲	از شیخ عبد الجامع صاحب جامی	قطعۂ تاریخ	سبطین مصطفٰے سے یہ رکھتے تھے واسطہ	۸۴	۲	
۱۳	از فریدوں مرزا صاحب مجروح	قطعۂ تاریخ	چھٹ گئے تم بھی ہم سے آہ ظریف	۸۵	۱۱	
۱۴	از مرزا کاظم حسین صاحب محشر	قطعۂ تاریخ	اُٹھ گئے بزمِ اَدب سے اُٹھ گئے	۸۵	۹	
۱۵	از جناب احسن صاحب	قطعۂ تاریخ	ظریف سکہ بٹھا کے اٹھا ادب کا پردہ اٹھا کے اٹھا	۸۶	۸	
۱۶	از مرزا واجد حسین صاحب واقف	قطعۂ تاریخ	کم بصارت کر گئے بازو کی قوّت لے گئے	۸۷	۱۴	
۱۷	"	قطعۂ تاریخ	کیسے جرار تھے حد کر دی وفاداری کی	۸۸	۶	
۱۸	"	قطعۂ تاریخ	تھے محب آپ کے وہ جن کا تخلص تھا ظریف	۸۹	۲	
۱۹	از جناب محمد شریف صاحب الٰہ آبادی	قطعۂ تعزیتی	ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہے کیوں نسیمِ خوشخرام	۸۹	۸	

فہرست مضامین نثر صفحہ مابعد پر ملاحظہ ہو

فہرست مضامین تعزیتی مندرجہ سرفراز اخبار

نمبر شمار	تاریخ اشاعت اخبار	سرخی مضمون
۱	۲	۳
۱	مورخہ ۵۔ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	آہ مقبول حسین ظریف
۲	ایضاً	جناب ظریف مرحوم کی مجلس سوم
۳	مورخہ ۱۲۔ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	بھائی کے غم میں لسان القوم کے تاثرات (نقل رقعہ مجلس فاتحہ خوانی چہلم)
۴	مورخہ ۲۵۔ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	جناب ظریف کی رحلت پر اظہار غم (اردو ایسوسی ایشن بنارس)
۵	ایضاً	افسوس ظریف بھی مر گئے۔ (نوشتہ جناب شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری)
۶	مورخہ ۲۵۔ اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ء	ظریف مرحوم کی یاد .... (- ایضاً -)
۷	×	نظم تعزیتی موسوم بہ "غم ظریف" مراسلہ سید عقیل احمد صاحب جعفری نبیرہ حضرت ریاض مرحوم از خیر آباد ضلع سیتاپور۔

تعزیتی نظمیں اور تاریخیں

از جناب یونس صاحب زیدپوری

نمبر (۱)

اُردو رُباعی

یاد آتا ہے دُنیا سے گزرنیوالا کیا بھولے گا گھر دلوں میں کرنیوالا
سو بات کی اک بات یہ ہے اے یونس مجموعۂ اوصاف تھا مرنے والا

نمبر (۲)

تضمین مصرع حافظ شیرازی

بر ہر لب و زباں صفتِ ما کلامِ ما کارِ جہانست از کرمِ حق بکام ما
محفوظ ز انقلابِ زمانہ نظامِ ما از نثر و نظم زندہ و باقیست نام ما
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ نمبر (۳)

شاعرِ فرد با ہنر بود ظریفِ خوش سرشت بُلبُلِ باغِ علم دفن گلشنِ دھر را بہشت
زدِ آمدہ از جہاں رفت سعید در بہشت از پئے سالِ رحلتش خامۂ یونس ایں نوشت

آہ ادیبِ باکمال آہ ظریفِ لاجواب

۱۳۵۶ھ

تاریخ نمبر (۴)

رفت از جہاں برادرِ خردِ صفی بخُلد — رونق فزائے بزمِ سخن زیبِ خانہ بُود
پُر سند داغِ فرقت او از دلِ صفی — ہمچوں پسر عزیز و بہ از ہر یگانہ بود
در فنِ شعر نیک شعورے ظریف داشت — لے بیخبر ظرافت اُو شاعرانہ بود
وز فکرِ مو شگاف و رسایش چہ گوئیت — از بہرِ زلفِ نظم خدا سازِ شانہ بود
نقدِ بلاغت از پے او دولت عظیم — اشعار فوج گنجِ فصاحت خزانہ بود
در پردہ گفت او نتواں گفت انچہ فاش — آہنگِ او نصیحتِ ما از ترانہ بود
اکثر بدیں کمال بیفگند تیرِ پند — رُخ سوئے دوستاں دلِ اعدا نشانہ بود
بیدار گشت ملک و ترقی نمود قوم — خوابست ایں خیال کہ نظمش فسانہ بود

یونس رقم نمود پے سالِ رحلتش

خوش فکر، نکتہ سنج، وحیدِ زمانہ بود

سنہ ۱۹۳۷ء

۲ از جناب مولوی سید حامد حسین صاحب المعروف بہ سید صاحب ابن عم مرحوم

قطعۂ تاریخ

رفتہ ز جہاں ظریفِ مقبول حسین — آں زائرِ فرزند رسولُ الثقلین
بُد ابنِ عمِ خیر کہ در روزِ سوم — گریم پے مولاش بصد شیون و شین

الحمد ورا چو کرد تعلیم رسولؐ | زینو جہ شدہ شاعرِ بازیب و زین
بارنگِ ظرافت شدہ ناصح الجہاں | مانند حنا ہم بکلامش لو نین
اللہ دہد صبر با ولادِ و یش | ہر حسنین و ہم شہ بدر د حنین
گفتم سنِ عیسوی بتاریخ وفات | از یادِ بزرگاں چو دلم شد پُراین
با ابنِ عم صفی ست نامِ اب و عم

مقبول بخلد آمدہ گہ فضلِ حسین

سنہ ۱۹۳۷ء

۳ قطعات تاریخ اثر خامۂ جناب ڈپٹی سید احمد علیصاحب از مقام پٹنہ

نمبر (۱)

ہزار حیف کز جہاں برفت فخرِ شاعراں | تخلصش ظریف بُد کلامِ او بدہ لطیف
ہم از وفاتِ او حزیں موالفین اقربیں | ہم از فراقِ او غمیں پیش برادر ضعیف
چو سالِ انتقالِ او نمود طبع جستجو
فلک بگفتہ احمدا جناں بیامدہ ظریف

سنہ ۱۳۵۶ھ

تاریخ نمبر (۲)

افسوس ز جورِ پیر گردوں | کز دارِ جہاں سفر بفرمود
آں مرد کہ بود مردمِ چشم | آں فرد کہ فخرِ شاعراں بود
بخشد بطفیلِ آلِ یٰسیں | قصر یش بجناں خدائے معبود

"مگر صرف لفظی اعتبار سے معنوی لحاظ سے نہیں اسی لئے انکا کلام ہر طبقے اور ہر محفل میں بیدھڑک
"پڑھا جا سکتا ہے۔ ان کے مذاق میں وہ اعتدال ہوتا ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہے۔ وہ اتنے
بدمذاق بھی نہیں ہیں کہ پرانے ادیبوں کی طرح چیستان میں گفتگو کریں اور صرف ونحو کی باریکیوں
"میں اُلجھ کر مزاج کا ایسا گورکھ دھندا تیار کریں جس میں تفنّن اسطرح غائب ہوجائے جیسے ریت
"میں پانی نہ وہ اتنے ہنسوڑ ہیں کہ لوگوں کو ہنسانے کی کوشش میں خود مضحک بن جائیں۔ پھر سب سے بڑی
بات کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اتنا برجستہ ہوتا ہے کہ جیسے الفاظ کو طلسم بند کرلیا۔ انکا اثر ایک سحر ہے"
"جس سے پیٹ میں گدگدی تو نہیں ہوتی البتہ لبوں پر خفیف سا تبسّم نمودار ہوجاتا ہے اُن کا طنز"
اسقدر لطیف ہوتا ہے کہ اُس سے کلیجے میں چھید نہیں پڑتے وہ اپنی زبان پر سودا کے بہتّر نشتر"
"نہیں رکھتے کہ ہر ایک کی ہجو کرتے پھریں۔ اور جب وہ سرنگوں ہوجائے تو ایک قہقہہ لگائیں"
"افلاطون اس قسم کے متعلق لکھتا ہے کہ"

"ہم دوسروں کی بدنصیبی پر اس مسرّت کے اظہار میں ہنستے ہیں"
"جو اُن کے شریک غم نہ ہونے پر ہمیں حاصل ہوئی ہے"
"اس کے برخلاف اُنکا طنز تعمیری ہے۔ حاصل کلام ان کے مذاق میں متانت، ہنسی"
میں، دکھ طنز میں ہمدردی اور ہنسوڑ پن میں فلسفے کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں"........

القائی خواب

ایک خواب ہے، جس کو اتفاقی بات کہیئے یا القا کسی خانقاہ کے گوشے سے اس خواب کا ذکر چھڑتا تو دنیا اس کو خدا جانے کیا سمجھتی ظریف مرحوم کو جب آخر بار جناب راجہ صاحب محمود آباد اور مہاراجکمار صاحب محمود آباد چہارشنبہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء کو بوقت دس گیارہ بجے دن۔ دیکھنے کو آئے۔ تو مرحوم کی حالت بہت خراب تھی، یہ حضرات بیحد اثر لیکے اُٹھے۔ جناب راجہ صاحب موصوف اسی روز کلکتے بضرورت خاص روانہ ہوگئے۔ اثنائے سفر ریل گاڑی میں بارہ بجے شب کو اُن کی آنکھ لگ گئی اور تقریباً دو گھنٹے سوئے ہوں گے کہ خواب میں موصوف

نے یہ دیکھا کہ ظریف کا انتقال ہوگیا ہے اور دنیا ان کے ماتم میں اشکبار ہے۔ اسی عالم میں گھبرا کر جاگ اٹھے اور الہامی طور پر اُن کی زبان سے یہ کلام جاری ہوا "ہنسانے والا رُلا کے اٹھا" یہاں اُسی وقت یعنے ۳۰ دسمبر سہ شنبہ کی رات کو بارہ بجے کے بعد سوا دو بجے ظریف کا انتقال ہوگیا تھا۔ کئی دن کے بعد راجہ صاحب موصوف کو ظریف مرحوم کے انتقال کی خبر کلکتے میں ہوئی۔ اِدھر فرط غم سے الہامی عنوان کے طور پر اُسی شب جناب صفی کی زبان پر جو شعر جاری ہوا اس میں بھی شعر کی جان یہی ٹکڑا ہے۔ جسے وہ مرحوم کی مجلس سوم میں بتاریخ ۲ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء بہ آواز حزیں و چشم اشکبار پڑھے اور اسکا ذکر سرفراز اخبار کے اس مضمون میں بھی ہے جو مجلس سوم کے متعلق شایع ہوا ہے نیز یہی شعر اسی نظم کا مطلع ہے جو رقعہ مجلس چہلم کے ساتھ موسوم بہ "دردِ دل" شایع ہوئی ہے شعر یہ ہے۔ ؎

جو اُٹھ نہ سکتا تھا بے سہارے وہ شور محشر اٹھا کے اٹھا ستم ظریفی تو کوئی دیکھے ہنسانے والا رُلا کے اُٹھا

اختتام ظریف ایسے عدیم المثال ظرافت نگار شاعر کی ابھی دنیا کو بہت ضرورت تھی مگر ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ چندماہ کی علالت جھیل کر اور آخر زمانے میں عسرت و تکلیف سے بسر کرنے کے بعد ۲۹ دسمبر کا دن گذر کر شب سہ شنبہ ۳۰ دسمبر سنہ ۱۹۳۷ء کو سوا دو بجے انتقال کیا۔ ظریف دُنیا سے اُٹھ گئے اور محلہ کھجوہ شہر لکھنؤ کے ایک باغیچے میں جب سورج غروب ہو رہا تھا دفن ہوئے اس باغیچے میں پھولوں کی فصل میں نئے نئے پھول کھلتے رہتے ہیں اور راتوں کے سناٹے میں صدا آتی ہے۔ ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہوگئیں

مرحوم گو دنیا سے اُٹھ گئے لیکن ان کی یاد اب تک دلوں میں تازہ ہے اور جب تک اس چمن روزگار میں پھول کھلتے اور آسمان پر ستارے چمکتے رہینگے اور ایک بھی زندہ دل باقی رہیگا ظریف یاد آتے رہینگے۔ اُردو شاعری کی اصلاح اور اخلاقی تمدن اور رسوم و قیود کے اصلاحات کا چرچا جتنا بڑھتا جائے گا ظریف جیسے شاعر کو دنیا برابر یاد کرتی رہے گی۔ ۲۸ فروری سنہ ۱۹۴۲ء

ممتاز حسین جونپوری

فہرست اسمائے گرامی حضرات جنھوں نے تعزیتی مراسلے بھیجکر عزت افزائی فرمائی

نمبر	صراحت مراسلہ		مؤرخہ	اسم گرامی ارسال کنندہ	مقام جہاں سے مراسلہ آیا	کیفیت
	خط	تار				
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	خط	۰	۲ر جنوری ۱۹۳۷ء	پروفیسر سید ضامن علیصاحب	محلہ چک الہ آباد	
۲	ایضاً	۰	۳ر ایضاً	راجہ یٰسین علی خاں صاحب	دیوگاؤں ۔ ضلع فیض آباد	
۳	″	۰	۔ ایضاً۔	سید کلب عباس صاحب ایڈووکیٹ	رائے بریلی	
۴	″	۰	۔ ″ ۔	سید خلیل احمد صاحب آنریری جنرل سکریٹری	ادارۂ ایک آنہ فنڈ لکھنؤ	
۵	″	۰	۔ ″ ۔	مرزا محمد مرتضٰی صاحب ایضاً	بزم عباسیہ موتی مسجد فیض آباد	
۶	″	۰	۴۔ ایضاً	نواب آغا علی خاں صاحب	دریاباد ۔ الہ آباد	
۷	″	۰	۵۔ ″	سید جعفر مہدی صاحب رئیس	ردولی ضلع بارہ بنکی	
۸	″	۰	۔ ایضاً	حاجی سید جلال الدین حیدر صاحب	انجمن وظیفۂ سادات لکھنؤ	
۹	″	۰	۔ ″ ۔	شیخ رضا حسین صاحب	شیخواڑہ ضلع آناؤ	
۱۰	۰	تار	۷۔ ایضاً	نواب سر حاجی مزمل اللہ خانصاحب	بھیکم پور ضلع علیگڑھ	
۱۱	خط	۰	۔ ایضاً	سید علی اکبر صاحب	جائس ضلع رائے بریلی	
۱۲	ایضاً	۰	۔ ″ ۔	سید موسی جعفری صاحب	سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور	
۱۳	″	۰	۸۔ ایضاً	حکیم محمد رفیق صاحب کنوینر اردو ایسوسی ایشن	میونسپل ہائی اسکول بنارس	
۱۴	″	۰	۹۔ ایضاً	نواب نثار علی خاں صاحب	نواب پیلس ۔ لاہور	
۱۵	″	۰	۔ ایضاً۔	سید محمد علی جعفری صاحب	۔ ایضاً ۔	
۱۶	″	۰	۱۰۔ ایضاً	پنڈت امرناتھ جھا صاحب وائس چانسلر	یونیورسٹی الہ آباد	
۱۷	″	۰	۔ ایضاً۔	محمد کبیر خاں صاحب رئیس	بستی غزاں ۔ جالندھر	

فہرست اسمائے گرامی حضرات جنہوں نے تعزیتی مراسلے بھیجکر عزت افزائی فرمائی

نمبر	صراحت مراسلہ خط	صراحت مراسلہ تار	مورخہ	اسم گرامی ارسال کنندہ	مقام جہاں سے مراسلہ آیا	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱۸	خط	.	۱۰- ایضاً-	جناب احقر نجیب آبادی	جارچہ ضلع بلند شہر	
۱۹	"	.	۱۱- ایضاً	سید حسین صاحب انصاری	شیعہ اسکول جونپور	
۲۰	"	.	- ایضاً-	محمد عبد الجامع صاحب جامی	بدایوں	مع قطعۂ تاریخ وفات
۲۱	"	.	۱۲- ایضاً	سید علی اظہر صاحب بیرسٹر	فیض آباد	
۲۲	"	.	۱۴- ایضاً	سید اصغر حسین صاحب لکھنوی تاجر عطر	چاوڑی بازار دہلی	
۲۳	"	.	۱۵- ایضاً	امیر احمد صاحب بلگرامی عبرت	سندیلہ ضلع ہردوئی	
۲۴	"	.	- ایضاً-	ڈپٹی سید احمد علی صاحب	پٹنہ	مع قطعۂ تاریخ وفات
۲۵	"	.	- " -	جناب شاکر صاحب و سلیم صاحب	شاکر منزل قلی بازار کانپور	
۲۶	"	.	۱۹ ایضاً	سید محمد سبطین صاحب ایڈوکیٹ	پرتابگڈھ	
۲۷	"	.	۲۰- ایضاً	سید حسن جعفری صاحب وکیل	نواب بلیس لاہور	
۲۸	"	.	- " -	آغا اشہر صاحب مدرس	گورنمنٹ انٹر کالج جھانسی	
۲۹	"	.	۲۲- ایضاً-	خان بہادر محبوب حسن خانصاحب	فیض آباد	
۳۰	"	.	- " -	سید علی اظہر صاحب بیرسٹر	- ایضاً -	
۳۱	"	.	۳/۲۲ - ایضاً	پروفیسر سید ضامن علی صاحب صدر شعبۂ اردو	یونیورسٹی الہ آباد	
۳۲	"	تار	۲۲- ایضاً	مرزا اصغر حسین صاحب	بمبئی	
۳۳	خط	.	- ایضاً-	مولانا مولوی سید ابن حسن صاحب رضوی جارچوی	محمود آباد ضلع سیتاپور	
۳۴	"		- ایضاً-	قیصر مرزا صاحب فانو	- ایضاً -	

فہرست اسمائے گرامی حضرات جنھوں نے تعزیتی مراسلے بھیجکر عزت افزائی فرمائی

نمبر	صراحت مراسلہ خط	صراحت مراسلہ تار	مؤرخہ	اسم گرامی ارسال کنندہ	مقام جہاں سے مراسلہ آیا	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۳۵	خط	۔	۲۲۔جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	نواب علی خاں صاحب	محلہ چکلی امروہہ	
۳۶	"	۔	۲۳۔ ایضاً	سید مجتبیٰ حسین صاحب	سکریٹریٹ ممالک متحدہ لکھنؤ	
۳۷	"	۔	۔ایضاً۔	سید محمد عسکری صاحب وکیل	بھوپال	
۳۸	"	۔	۲۴۔ایضاً	خواجہ غلام السیدین صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج	علی گڑھ	
۳۹	"	۔	۔ایضاً۔	سید اصغر حسین صاحب لکھنوی تاجر عطر	چاوڑی بازار دہلی	
۴۰	"	۔	۲۵۔ایضاً۔	سید عابد حسین صاحب پروفیسر جامعہ ملیہ	قرول باغ دہلی	
۴۱	"	۔	۔ایضاً۔	خان بہادر مرزا جعفر علیخاں صاحب اثر کلکٹر	بلیا	
۴۲	"	۔	۔"۔	سید فیضی جالندھری سکریٹری انجمن اردو	محلہ قاضیاں جالندھر	
۴۳	"	۔	۲۷۔ ایضاً	سکریٹری حیدرآباد لیگ بورڈ	ریاست محمودآباد ضلع سیتاپور	
۴۴	"	۔	۲۔ فروری سنہ ۱۹۳۹ء	سید ذاکر حسین صاحب ہائی برشین ٹیچر ہائی اسکول	مٹیابرج کلکتہ	
۴۵	"	۔	۴۔ ایضاً۔	سید رضا حسین صاحب آنریری سکریٹری انجمن اتحاد المومنین	گونڈہ	
۴۶	"	۔	۵۔ ایضاً۔	سید کلب عباس صاحب آنریری جنرل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس	رائے بریلی	
۴۷	"	۔	۷۔ ایضاً۔	سید محمد اسماعیل صاحب عرف محمد ن	رانی منڈی آگرہ آباد	مع قطعہ تاریخ وفات
۴۸	"	۔	۱۲۔ ایضاً۔	جناب تجمّم صاحب آفندی	ہوم آفس کمپاؤنڈ حیدرآباد دکن	
۴۹	"	۔	۱۸۔ ایضاً۔	سید محمد احسن صاحب خاں در شہیدی کربلائی	قرول باغ۔ دہلی	
۵۰	"	۔	۱۹۔ ایضاً۔	مرزا یار جنگ بہادر مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب سپرنٹنڈنٹ چونگی	حیدرآباد دکن	
۵۱	"	۔	۱۳۔ ایضاً	سید عقیل احمد جعفری نبیرۂ حضرت یاس مرحوم	خیرآباد ضلع سیتاپور	مع نظم تعزیتی

فہرست منظوماتِ تعزیتی

نمبر شمار	نام ارسال کنندہ	صنف سخن	مصرع اوّل	صفحات	تعداد اشعار	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	از جناب یونس صاحب یدیؔ	رُباعی	یاد آتا ہے دنیا سے گزر نے والا	۷۹	۲	* تاریخ ہذا لوحِ قبر پر کندہ ہے۔ دوسرا قطعۂ تاریخ ہجری و عیسوی سنہ میں درج رقعہ مجلس چہلم ہے وہاں ملاحظہ ہو۔
۲	"	تضمین	بر ہر لب وزباں صفتِ ماکلام ما	۷۹	۲ ½	
۳	"	تخمیس	شاعر فرد باہنر بُود ظریف خوش سرشت	۷۹	۲ ½	
۴	"	قطعۂ تاریخ	رفت از جہاں برادرِ خردِ صفیؔ بخُلد	۸۰	۹	
۵	از مولوی سید حامد حسین صاحب	قطعۂ تاریخ	رفتہ زجہاں ظریفؔ مقبول حسین	۸۰	۷	
۶	از جناب ڈپٹی سید احمد علی صاحب	قطعۂ تاریخ	ہزار حیف کز جہاں برفت فخر شاعراں	۸۱	۳	
۷	"	قطعۂ تاریخ	افسوس زجور پیر گردوں	۸۱	۵	
۸	صفیؔ لکھنوی	*قطعۂ تاریخ	رفت و قتیکہ ظریفؔ از دُنیا	۸۲	۲	
۹	از پنڈت مہاراج کرشن صاحب ندیمؔ	قطعۂ تاریخ	ہو گئے روپوش حیف آنکھوں سے سب کی تم کہاں	۸۲	۱۴	
۱۰	از سید عابد حسن صاحب بلاغتؔ	قطعۂ تاریخ	تھا پنجشنبہ تیس دسمبر کی رات کو	۸۳	۲	
۱۱	از سید محمد اسمٰعیل عرف مّمن صاحب	قطعۂ تاریخ	اُٹھ گیا ہائے کون اہلِ کمال	۸۴	۶	
۱۲	از شیخ عبد الجامع صاحب جامیؔ	قطعۂ تاریخ	سبطین مصطفیٰ سے یہ رکھتے تھے واسطہ	۸۴	۲	
۱۳	از فریدوں مرزا صاحب مجروحؔ	قطعۂ تاریخ	چھٹ گئے تم بھی ہم سے آہ ظریفؔ	۸۵	۱۱	
۱۴	از مرزا کاظم حسین صاحب محشرؔ	قطعۂ تاریخ	اُٹھ گئے بزمِ ادب سے اُٹھ گئے	۸۵	۹	
۱۵	از جناب احسنؔ صاحب	قطعۂ تاریخ	ظریفؔ سکہ جما کے اٹھا ادب کا پردہ اٹھا کے اُٹھا	۸۶	۸	
۱۶	از مرزا واجد حسین صاحب واقفؔ	قطعۂ تاریخ	کم بصارت کر گئے بازو کی قوت لے گئے	۸۷	۱۴	
۱۷	"	قطعۂ تاریخ	کیسے جرار تھے حد کر دی وفاداری کی	۸۸	۶	
۱۸	"	قطعۂ تاریخ	تھے محب آپ کے وہ جن کا تخلص تھا ظریفؔ	۸۹	۲	
۱۹	از جناب محمد شریف صاحب الہ آبادی	قطعۂ تعزیتی	ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہے کیوں نسیم خوشخرام	۸۹	۸	

فہرست مضامین نثر صفحہ مابعد پر ملاحظہ ہو

فہرست مضامین تعزیتی مندرجہ سرفراز اخبار

نمبر شمار	تاریخ اشاعت اخبار	سُرخی مضمون
۱	۲	۳
۱	مورخہ ۵۔ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	آہ مقبول حسین ظریف
۲	ایضاً	جناب ظریف مرحوم کی مجلس سوم
۳	مورخہ ۱۲۔ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	بھائی کے غم میں لسان القوم کے تاثرات (نقل رقعہ مجلس فاتحہ خوانی چہلم)
۴	مورخہ ۲۵۔ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء	جناب ظریف کی رحلت پر اظہار غم (اُردو ایسوسی ایشن بنارس)
۵	ایضاً	افسوس ظریف بھی مرگئے (نوشتۂ جناب شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری)
۶	مورخہ ۲۵۔ اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ء	ظریف مرحوم کی یاد .... (- ایضاً -)
۷	×	نظم تعزیتی موسوم بہ "غم ظریف" مراسلہ سید عقیل احمد صاحب جعفری نبیرۂ حضرت ریاض مرحوم از خیرآباد ضلع سیتاپور۔

تعزیتی نظمیں اور تاریخیں

از جناب یونس صاحب زیدپوری

نمبر (۱)

اُردو رُباعی

یاد آتا ہے دُنیا سے گزرنیوالا　　کیا بھولے گا گھر دلونمیں کرنیوالا
سو بات کی اک بات یہ ہے اے یونس　　مجموعۂ اوصاف تھا مرنے والا

نمبر (۲)

تضمین مصرع حافظ شیرازی

بر ہر لب و زباں صفتِ ما کلامِ ما　　کارِ جہاں نست از کرمِ حق بکام ما
محفوظ ز انقلابِ زمانہ نظامِ ما　　از نشر و نظم زندہ و باقیست نام ما
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ نمبر (۳)

شاعرِ فرد باہنر بود ظریفِ خوش سرشت　　بُلبُلِ باغِ علم و فن گلشنِ دھر راہشت
زدِ آئمۃ از جہاں رفت سعید در بہشت　　از پئے سالِ رحلتش خامۂ یونس ایں نوشت

آہ ادیبِ باکمال آہ ظریفِ لاجواب
۱۳۵۶ھ

تاریخ نمبر (۴)

رفت از جہاں برادرِ خردِ صفی بخُلد — رونق فزائے بزمِ سخن زیبِ خانہ بُود
پرسند داغِ فرقت او از دلِ صفی — ہمچوں پسر عزیز و بہ از ہر یگانہ بود
در فنِ شعر نیک شعورے ظریف داشت — لے بیخبر ظرافت اُو شاعرانہ بود
و ز فکرِ موشگاف و رسایش چہ گویمت — از بہرِ زلفِ نظم خدا سازِ شانہ بود
نقدِ بلاغت از پے او دولتِ عظیم — اشعار فوج گنجِ فصاحت خزانہ بود
در پردہ گفت او نتواں گفت آنچہ فاش — آہنگِ او نصیحتِ ما از ترانہ بود
اکثر بدیں کمال بیفگند تیرِ پند — رُخ سوئے دوستاں دل اعدا نشانہ بود
بیدار گشت ملک و ترقی نمود قوم — خوابست ایں خیال کہ نظمش فسانہ بود

یونس رقم نمود پے سالِ رحلتش

خوش فکر، نکتہ سنج، وحیدِ زمانہ بود

سنہ ۱۹۳۷ء

۲ — از جناب مولوی سید حامد حسین صاحب المعروف بہ سید صاحب ابنِ عمِ مرحوم

قطعۂ تاریخ

رفتہ ز جہاں ظریفِ مقبول حسین — آں زائرِ فرزند رسولُ الثقلین
بُد ابنِ عمِ خیر کہ در روزِ سوم — گریم پے مولاش بصد شیون و شین

الحمد ورا چو کرد تعلیم رسولؐ زینو جہ شدہ شاعرِ بازیب و زین
بارنگِ ظرافت شدہ ناصح بجہاں مانند حنا ہم بکلامش لونین
اللہ دہد صبر باولادِ ویش ہر حسنین وہم شہ بدرد حنین
گفتم سنِ عیسوی بتاریخ وفات از یادِ بزرگاں چو دلم شد پر این
باابنِ عمم صفی ست نامم اب وغم

مقبول بخلد آمدہ گہ فضلِ حسین
سنہ ۱۹۳۷ء

---

۳ قطعات تاریخ اثر خامۂ جناب ڈپٹی سید احمد علیصاحب از مقام پٹنہ

نمبر (۱)

ہزار حیف کز جہاں برفت فخرِ شاعراں تخلصش ظریف بُد کلام او بدہ لطیف
ہم از وفاتِ او حزیں موالفین اقربیں ہم از فراقِ او غمیں پیش برادر ضعیف
چو سالِ انتقالِ او نمود طبع جستجو
فلک بگفتۂ احمدا جناں بیامدہ ظریف
سنہ ۱۳۵۶ھ

تاریخ نمبر (۲)

افسوس زجورِ پیر گردوں کز دارِ جہاں سفر بفرمود
آں مرد کہ بود مردمِ چشم آں فرد کہ فخرِ شاعراں بود
بخشد بطفیلِ آلِ یٰسیں قصر شش بجناں خدائے معبود

گریاں بفراق او ز غبرا برشد ز دل برادرش دُود

تاریخ وفات او علیما

گو۔ وائے ستم ظریفؔ مفقود

سنہ ۱۹۳۷ء

قطعۂ تاریخ وفات ظریفؔ مرحوم ۴

از مصنفہ مولانا صفیؔ لکھنوی

جو لوح مزار پر کندہ ہے

رفت وقتیکہ ظریفؔ از دُنیا صفیؔ آمد ز درِ خلد ندا

مرحبا سیّد مقبول حسین

زائرِ سبط رسول الثقلین

سنہ ۱۹۳۷ء

نوٹ۔ دوسرا قطعہ تاریخ ہجری و عیسوی سنہ میں درج رقعہ مجلس چہلم ہے وہاں لاحظہ ہو

پنڈت مہاراج کرشن صاحب بدیمؔ تلمیذ مولانا صفیؔ مدظلہٗ

قطعۂ تاریخ

ہو گئے روپوش حیف آنکھوں سے یکی تم کہاں ایسی کیا جلدی پڑی تھی راہی قصر جناں

کچھ نہ آیا دوستوں کا اور اعزہ کا خیال آپکی فرقت سے جن کے سر پہ ٹوٹا آسماں

زندگی میں تو ہنساتے رہتے تھے کیوں بعد مرگ عمر بھر کیواسطے چھوڑی ہی غم کی داستاں

مجمع احباب کو کچھ دن ہنساتے اور بھی آپ اور بے اعتنائی اسقدر خلد آشیاں

کیا تھی عجلت کونسی مجبوریاں مانع ہوئیں | جاتے ہی رہتے ہیں اس دنیا سے پیہم کارواں
موت کا آنا فرشتہ آپ کہہ دیتے یہی | جا نہیں سکتا ابھی میں ہو رہا ہوں ناتواں
بعدِ مُردن بھی ہنسی کی اک رعایت یہ ہی | زرد پڑ کر ہو گیا کُل جسم مثلِ زعفراں
کسقدر تکلیف مولانا صفی کو دے گئے | دل کی حالت کر نہیں سکتا قلم مطلق بیاں
اے مُسافر آخرت کے یہ نہیں آتا یقیں | یاد ہم کو کیجیے گا بلکہ اُلٹا ہے گماں
خیر ہم تو یاد تازہ رکھنے والے ہیں ضرور | آپ کی تربت سے ہم نے رکھ لیا ہے اک نشاں
دیکھنا ہے آپ ہم کو کس طرح کرتے ہیں یاد | اور اُسکا راز ہم پر کس طرح ہو گا عیاں
بات تھی جو مرنیوالے میں وہ ہونی ہے مُحال | دوسرے میں چرخ گر کھائے ہزاروں آسماں
حور و غلماں آپ کی خدمت کو جنّت میں ملیں | ہے دُعا یہ زائرِ درگاہِ شاہِ انس و جاں

سال میں تھا ایک دن کم ایک کم کر دو ندیم
سالِ رحلت جب لکھو زائر ظریفؔ نکتہ داں

۵۳۰ ۱۱۹۰ ۲۱۸
۱۹۳۸
۱۹۳۷ عیسوی

۶ تصنیف سیّد عابد حسن عرف ابن صاحب بلاغتؔ خلف جناب

فصاحت صاحب مرحوم

قطعہ تاریخ

تھا پنجشنبہ تیس ۳۰ دسمبر کی رات کو | تربت میں آہ آج جناب ظریفؔ ہیں

آئی یہ عیسوی میں بلاغتؔ ندائے غیب
اب پیشِ شاہ آج جناب ظریفؔ ہیں
۱۹۳۷ء

۷ در صنعت تعمیہ مصنفہ سید محمد اسماعیل عرف مدّن صاحب

قطعۂ تاریخ

اُٹھ گیا ہائے کون اہلِ کمال — دِل پہ ہے خود بخود دفورِ محن
شعرا لیتے ہیں ظریف کا نام — لکھنؤ جس سے تھا شگفتہ چمن
یعنی مقبولِ بارگاہِ حسین — زائرِ کشتگانِ تشنہ دہن
صفِ ماتم پہ سوگ میں اُس کے — ہر سخنداں ہے آج سینہ زن
فکرِ مدّن کو بھی ہوئی لاحق — کم سے کم لکھیئے ارتحال کا سن

باسرِ حزن بولا یہ ہاتف

گلُ ہوئی حیف شمع بزم سخن
۱۳۵۶ھ = ۸ + ۱۳۴۸

۸ نتیجہ فکر جناب شیخ عبدالجامع صاحب جامی از بدایوں

قطعۂ تاریخ

سبطین مصطفےٰ سے یہ رکھتے تھے واسطہ — تھا بازوِ رسولؐ کے ہاتھوں میں اکا ہاتھ

جامی سن وفات بھی ہے اور دعا بھی ہو

محشور روزِ حشر ہوں آلِ عبا کے ساتھ
۱۹۳۷ء
(عیسوی)

۹ از نتیجہ فکر جناب فریدوں مرزا صاحب مجروح

قطعۂ تاریخ

چھٹ گئے تم بھی ہم سے آہ ظریف — سیّدِ ذی شرف عقیل و فہیم
صورت آنکھوں کے آگے پھرتی ہی — زندہ دل خوش مزاج نیک حلیم
رنگ میں اپنے تم تھے فردِ وحید — نکتہ رس فنِّ شاعری کے حکیم
وہ خداداد طبع میں شوخی — جس میں کوئی شریک اور نہ سہیم
چہچہہ زن ہو آج تم کس جا — بذلہ گو طورِ لکھنؤ کے کلیم
محفلیں یاد کر کے روتی ہیں — تھا وہ رنگِ جدید اور قدیم
تم ملو گے نہ اب قیامت تک — چاہے ملجائے لعل و گوہر و سیم
نعمتیں خلد کی مبارک ہوں — کیونکہ وہ ذات ہے رحیم و کریم
دینا میرا پیام یہ اُن کو — اُس طرف ہو گذر جو تیرا نسیم
کہنا اے دوست تیرے ماتم میں — حال مجروح کا بہت ہے سقیم

عیسوی سن میں یہ لکھی تاریخ
حق شناس اُٹھ گیا مذاقِ سلیم
سنہ ۱۹۳۷ء

۱۰ نتیجہ فکر جناب مدّاحِ آلِ محمدؐ مرزا کاظم حسین صاحب محشر

قطعۂ تاریخ

اُٹھ گئے بزمِ ادب سے اُٹھ گئے — اپنے فن میں کامل و یکتا ظریف

روتی محفل کو ہنسانا کام تھا | پڑھتے تھے جب نظم بے ہمتا ظریف
شعروں میں پند و نصائح سودمند | کر گئے کارِ ادب کیا کیا ظریف
آنکھیں رکھتی تھیں زیارت کا شرف | دل سے تھے شبیر کے شیدا ظریف
اشکِ خوں آنکھوں میں اور ماتم کناں | جانتے تھے شاہ کو رونا ظریف
سید الساداتؑ فخرِ ملک و قوم | قبر میں اب سوتے ہیں تنہا ظریف
پہونچے جنت میں آئمہ کے قریب | ہو گئے جب تارک الدنیا ظریف
روحِ پرور خلد کی کھا کے ہوا | از سرِ نو ہو گئے زندا ظریف

سالِ رحلت کلکِ محشر نے لکھا
ہائے ہائے آہ مولانا ظریف
۱۳۵۶ھ

نتیجہ فکر جناب احسن صاحب

قطعہ تاریخ

ظریف سکہ بٹھا کے اٹھا ادب کا پردہ اٹھا کے اٹھا
کلام کی داد پا کے اٹھا جہاں وہ بیٹھا ہنسا کے اٹھا
کبھی نہ مغموم اُس کو پایا ہمیشہ احباب کو ہنسایا
مگر یہ کیا ہو گیا خدایا کہ وقت آخر رلا کے اٹھا
غمِ جدائی کو جی سے پوچھو یہ واقعہ کیوں کسی سے پوچھو
جو پوچھنا ہو صفی سے پوچھو گلے سے جن کو لگا کے اٹھا
گواہ گریہ ہیں اشکِ شبنم زمانہ ہے مبتلائے ماتم
وہ درد کیا پوچھتا ہے ہمدم جو دل میں اہل وفا کے اٹھا

پئے عیادت جو کوئی آیا تو دیکھنے کی نہ تاب لا یا
ہنسانے والے نے یوں رُلایا جو اُٹھا آنسو بہا کے اُٹھا
کہاں سے وہ ضبط لائے احسنؔ جو رنج فرقت اُٹھائے احسنؔ
یہ کیسا شعلہ تھا ہائے احسنؔ کہ خانۂ دل جلا کے اُٹھا
مخالفوں نے یہ رنگ اُڑایا مگر نہ کچھ فائدہ اُٹھایا
ظریف کے سامنے جب آیا حریف گردوں جھکا کے اُٹھا
وہ بلبلِ گلشنِ ظرافت، قفس میں ہے یا اسیرِ تربت
فقط یہ ٹکڑا ہے سالِ رحلت ظریف مجھکو رلا کے اُٹھا

سنہ ۱۹۳۸ء

نقل نوٹ نوشتۂ مصنفۂ قطعۂ تاریخ بالا

سال رحلت کی ٹھیک تاریخ سنہ ۱۹۳۷ء ہی ہو سکتی ہیں کیونکہ سنہ ۳۷ء دسمبر سنہ ۳۸ء جنوری میں ایک رات کا فاصلہ ہوتا ہے سنہ ۳۷ء یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ ابتدائے سنہ ۳۷ء ہو تو فاصلہ ایک سال کا پیدا ہو جاتا ہے اس لئے میں نے تعمیہ خارجی کی کوشش نہیں کی اس امر کو غور سے ملاحظہ کرنیکے بعد یقین ہے میری رائے آپ بھی پسند کرینگے

(مرحوم کا نیاز مند قدیم احسنؔ)

نتیجہ فکر مرزا واجد حسین صاحب واقفؔ لکھنوی شاگرد جناب اسیرؔ مرحوم

قطعۂ تاریخ نمبر (۱)

کم بصارت کر گئے بازو کی قوت لے گئے
دل کو توڑا عمر آئندہ کی راحت لے گئے
ہاں جئیں گے تو مگر کب تک کی اُمید بقا
تھا مدارِ زندگی جس پر وہ طاقت لے گئے

باپ کی سی جنکی شفقت تھی چھٹے اُن بھائی سے
قبر میں مرحوم یہ اک داغ فرقت لے گئے

بھائی کو روئے صفی جو مثلِ نورِ چشم تھے
کیسے آنسو تھے کہ ساری دل کی طاقت لے گئے

عابد و زاہد نمازی تھے نہ کیوں عقبےٰ نے
بالِ دنیا چھوڑ کر ایمان کی دولت لے گئے

چاہتے تھے کچھ کہیں بھائی سے لیکن رہ گئے
ہچکیاں دو لے کے دل کی دل میں حسرت لے گئے

دل میں جن کے سوزِ غم تھا رشتۂ خلّت کیساتھ
شمع روشن کرنے وہ بالائے تربت لے گئے

تا قیامت کیوں نہ اُنکی قبر نورانی رہے
دل یہ اپنے شاہ کا جو داغِ الفت لے گئے

اُن کی بخشش کیلئے کافی ہے اک بس یہ عمل
پنجتن کی دل میں اپنے جو محبّت لے گئے

کربلا کا بھی کفن اور صرّۂ خاکِ شفا
اپنی بخشش کا سہارا زیرِ تربت لے گئے

عاشقِ سلطانِ دین تھے بے حساب بے کتاب
قبر میں آئے فرشتے سوئے جنّت لے گئے

تیس ۳۰ تاریخ دسمبر پنجشنبے کی تھی شب
پیشِ شاہِ دین لا کے بہرِ خدمت لے گئے

آپ ہی کے ہاتھ میدانِ ظرافت رہ گیا
آپ فنِّ شاعری میں گوئے سبقت لے گئے

عیسوی تاریخ واقف نے کہی یہ معجمہ
آج اپنے ساتھ وہ اپنی ظرافت لے گئے

۳۰ر دسمبر ۱۹۳۷ء

قطعۂ تاریخ نمبر (۲)

کیسے جرّار تھے حد کر دی وفاداری کی
آپ کے ساتھ ہیں جو جو ہوئے مقتولِ حسینؑ

جو کہا حق کہا اُمّت کے بچانے کے لئے
کی وہ تقریر عدو ہو گئے معقولِ حسینؑ

وعدہ ایفا جو کیا ساتھ بہتّر کر لیا
کیوں نہ درگاہ خدا میں ہوں وہ مقبولِ حسینؑ

لاشِ عباس پہ جو گریہ تھا وہ اور ہی تھا
بھائی کے غم میں تو عالم کا ہے معمولِ حسینؑ

ہاتھ کو روک لیا جنگ کو موقوف کیا — کہ شہادت میں نہ ہو جائے کہیں طول حسین

آئی آواز دمِ ذبح فلک سے واقفؔ
(کہ) عطا کردہ شہادت ہوئی مقبول حسین
۱۳۵۶ھ

قطعۂ تاریخ نمبر (۳)

تھے محب آپ کے وہ جن کا تخلص تھا ظریفؔ — مدد دوست تو ہے آپ کا معمول حسین

آج صدقے ہیں حسین ابن علی کے واقفؔ
(کہہ) وہ اب خلد بریں میں گئے مقبول حسین
۱۳۵۶ھ

قطعۂ تعزیتی

۱۳ — نتیجۂ فکر محمد شریف صاحب الہ آبادی کلرک ہائی کورٹ الہ آباد

ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہو کیوں نسیم خوش خرام — محو شیون کس لئے ہے عندلیب تلخ کام
دل شکستہ بیٹھے ہیں رندانِ مے آشام کیوں — کس لئے ٹوٹے پڑے ہیں ساغر و مینا و جام
ہر طرف سے شور یوں ہی ہو گئی بزمِ ادب — شاعری کا ہو گیا ہے درہم و برہم نظام
اُٹھ گیا افسوس بزمِ دہر سے وہ اُٹھ گیا — درسِ بیداری تھا اہل ملک کو جس کا کلام
خوش مزاج و خوش خصال و خوش مذاق و خوش بیاں — نیک سیرت نیک طینت نیک خصلت نیک نام
اہل ذوق اس کو بخوبی جانتے ہیں اے ظریفؔ — کس قدر تیرا مذاق خاص ہے مقبول عام
دیکھئے قولِ بزرگاں آج ثابت ہو گیا — نیک کاموں سے ہوا کرتا ہے انسان نیک نام

ہے دُعا بس یہ شریفِ زار کی شام و سحر
کر عطا جنت میں یارب ان کو تو عالی مقام

ماخوذ از روز نامۂ سرفراز مورخہ ۵ر جنوری ۳۶ء

آہ مقبول حسین ظریف

یہ خبر پوری قوم میں نہایت رنج و ملال کے ساتھ سُنی جائے گی کہ ملک و ملت کے نامور زندہ دل شاعر جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی نے شب ۳۰ر دسمبر میں ایک طولانی علالت کے بعد اس دارِ فانی کو چھوڑ دیا مرحوم گزشتہ ڈھائی ماہ سے علیل تھے لیکن پھر بھی آپ کے اس قدر جلد منھ موڑ لینے کا اندیشہ نہیں کیا جاتا تھا ہم سب اجلاس کانفرنس کے سلسلہ میں کانپور میں تھے کہ یہاں مرحوم کی حالت خراب ہو گئی اور آپنے اپنے ضعیف العمر برادر معظم جناب لسان القوم مولانا صفی لکھنوی مدظلہ اور صاحبزادیوں کو دفعتہً داغ جُدائی دیدیا کونسا ایسا اُردو داں ہے جو جناب ظریف سے واقف نہیں آپ کا ظریفانہ کلام طول و عرض ہند میں زبان زد خاص و عام ہے آپکی ظرافت دُنیائے ادب میں وہ نمایاں حیثیت رکھتی تھی جسکی مثال موجود نہیں آپ شعر صرف ہنسنے ہنسانے کے لئے نہیں کہتے تھے بلکہ اُس سے ملک و قوم کو اخلاقی معاشرتی اور سیاسی سبق دیتے تھے آپکے اشعار ظرافت کے گلدستے ہی نہیں ہیں بلکہ ہدایات کے دفتر بھی ہیں زبان شیریں لب ولہجہ خوش گوار، انداز بیان دل نشیں، مفاہیم قابل مطالعہ۔ یہ تمام خوبیاں اس بے نظیر شاعر کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود تھیں جس کا آج ہم ماتم کر رہے ہیں۔

جناب ظریف نے ہماری قوم کی گرانبہا خدمات انجام دی تھیں آپ ایک عرصے تک آل انڈیا شیعہ یتیم خانے کے سکریٹری تھے متعدد دیگر قومی ادارات سے بھی آپ عملی دلچسپی لیتے رہے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس غم پر کس طرح اظہار تاسف کریں لیکن اظہار تاسف خواہ کسی طرح کیا جائے اُسکا آخری نتیجہ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ خوشی سے یا بمجبوری صبر و شکر کرنا ہی ہے۔ اس لئے ہم اپنے مجروح دل اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان کو اس دعا میں مصروف کرتے ہیں کہ خدا جناب ظریف کو جوارِ اہلبیت علیہم السّلام میں جگہ دے اور آپکے اعزا خصوصاً جناب لسان القوم مدظلہ اور آپکی صاحبزادیوں کو

صبر کی طاقت عطا فرمائے۔ ناظرین سے التجا ہے کہ مرحوم کو ایک سورۂ فاتحہ سے یاد فرمائیں۔

(جناب ظریف کی مجلس سوم)

اتوار ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء کو جناب ظریف لکھنوی مرحوم کی مجلس سوم امامباڑۂ میاں داراب علیخاں میں منعقد ہوئی کثیر التعداد اکابر ذوی الاحترام حضرات مثلاً جناب ناصر الملۃ والدین مدظلہ سید اصغر حسن صاحب ریٹائرڈ جج، پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی، سید آل رضا صاحب ایڈوکیٹ حاجی سید غلام حسنین صاحب نقوی شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری، ظفر عباس صاحب نفضل ایڈیٹر نظارہ شریک ہوئے غیر مذاہب کے افراد میں مسٹر آنند نرائن مُلّا ایڈوکیٹ کا اسم گرامی خاص طور سے قابل تذکرہ ہے ابتدا میں جناب صفی مدظلہ نے حسب ذیل شعر باچشم اشکبار پڑھا ؎

جو اُٹھ نہ سکتا تھا بے سہارے وہ شور محشر اُٹھا کے اُٹھا
ستم ظریفی تو کوئی دیکھے ہنسانے والا رُلا کے اُٹھا

سارا مجمع نمدیدہ ہوگیا۔ سید بشیر احمد صاحب وکیل نے ایک مختصر لیکن برمحل تقریر فرماتے ہوئے مرحوم کی قومی و ملی، علمی و ادبی خدمات کا حوالہ دیا اور آپ کی رحلت کو نہ صرف شیعوں بلکہ پورے ملک کے لئے ناقابل تلافی نقصان بتایا، آپ کی تقریر کے بعد تاریخ انتقال پڑھی گئی اور پھر ذاکری ہوئی۔

ماخوذ از روزنامہ سرفراز مؤرخہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۸ء

بھائی کے غم میں لسان القوم کے تاثرات

جناب ظریف کی مجلس چہلم کا اعلان

لسان القوم مولانا صفی لکھنوی مدظلہ نے جناب ظریف کی مجلس چہلم کا جو رقعہ شایع فرمایا ہے اس میں آپ لکھتے ہیں "یہ جانتا ہوں کہ زندگی بے ثبات ہے اور موت منجملۂ یقینیات، مگر اے کاش اجل سنین عمر کی ترتیب سے آیا کرتی

کہ بڑوں کو اپنے سے چھوٹوں کا داغ نہ اٹھانا پڑتا۔ آہ آہ ظریف مرحوم مجھ سے دس برس چھوٹے تھے اور نبشہ توانا و تندرست، گمان بھی نہ تھا کہ میرے سامنے مرجائیں گے اور اپنے فرائض مجھ کو سپرد کر جائینگے ماں باپ کی نشانی چھوٹا بھائی اگر سعید و رشید ہو تو پھر کیا کہنا، اپنی اولاد سے کم عزیز نہیں ہوتا، مرحوم سے مجھ کو ایسی ہی محبّت تھی اور اُنھوں نے میرے حق تربیت کو کبھی نظرانداز نہیں کیا، ایک وفاشعار بھائی، ایک عقیدت مند شاگرد کی حیثیت سے ہر وقت میرا احترام ملحوظ رکھا، یہ کیا خبر تھی کہ دفعتہً یکم اکتوبر سے مرض یرقان میں مبتلا ہو کر تین مہینے مسلسل صاحب فراش رہ کے ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو شب پنجشنبہ سوا دو بجے مجھے اس پیرانہ سالی میں سوگوار چھوڑ کر رحلت کر جائیں گے، افسوس صد افسوس مرحوم کی اولادِ ذکور سے کوئی باقی نہیں کہ اُن کی بزم عزا میں سوگ نشیں اور میرے لئے باعث تسکین ہو ؎

اجزا اسے بکھو گیا ہے خدا جانے کون جُـــز نسخہ حیات کامری کامل نہیں رہا

بھائی اور ظریف سے روشن دماغ، سلیم المذاق بھائی کی جُدائی جس قدر الم انگیز ہے اسے میرا ہی دل جانتا ہے ظریفانہ رنگ میں مصلحانہ مفاہیم ادا کرنے والا چل بسا، شعر و سخن کی محفلیں سونی ہو گئیں مرگ بے ہنگام نے دُنیائے اَدب کا رکن نکاہت منہدم کر کے ملک و ملّت کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا دیا اور اس زندۂ جاوید کے انتقالِ پُرملال سے میں شکستہ بازو خود زندہ درگور ہو گیا۔ خُدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں، مختلف اقطاعِ ہند سے تعزیتی خطوط اور تار برابر آرہے ہیں۔ ہمدرد احباب ماتم پرسے کو تشریف لاکر تلقین صبر فرما رہے ہیں لیکن ؎ تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو ؛؛ رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے، اس موقع پر اکثر اپنے آقا مظلوم کربلا کی بیکسی کا وہ دل خراش منظر عالم تصوّر میں نظر کے سامنے آجاتا ہے جب حضرت اپنے پیارے بھائی کی لاش پر والاخاہ! واعبّاساہ!! اَلآنَ اِنْکَسَرَ ظَھْرِی وَ قَلَّتْ حِیلَتِی فرما رہے تھے! اور کوئی پُرسہ دینے والا تک نہ تھا اُس وقت اپنے مضطر دل کو یہ کہہ کر سمجھاتا ہوں ؎ مرہم داغ برادر ہے صفی ؛؛ بعد عبّاسؑ الم سبط نبیؐ، اور اسی لئے بتقریب فاتحہ خوانی جہلم بارادہ ایصال ثواب بروح پُرفتوح برادر عزیز ؎ زائر سبط رسول الثقلین ؛؛ عبدہٗ سیّد مقبول حسین۔ متخلص بہ ظریف

مجلس عزائے حضرت خامسِ آلِ عبا علیہ التحیۃ والثنا بتاریخ ۲۴ جنوری ۱۹۳۶ء روز یکشنبہ وقت ۱۱ بجے دن کو بمقام حسینیہ جناب ناظم صاحب مرحوم منعقد کی ہے۔ حضرات علمائے کرام و روسائے عظّام و احباب فی حرام کیخدمت میں یہ جگر خستہ بازو شکستہ دست بستہ ملتجی ہے کہ زحمت شرکت مجلس گوارا فرما کر مثاب ہوں اور نحیف کو رہینِ منت فرمائیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ برادر مردہ، دل افسردہ صفی عفا عنہ

قطعۂ تاریخ ہجری و عیسوی

بازوئے صفیِ جگر افگار شکست آہ   از مرگِ ظریف ابرِ گہر زائے ظرافت
سالِ اجلش، (رفتہ آزاد بفردوس   مقبول حسین) انجمن آرائے ظرافت

۵۶   ۱۳ھ   ۱۹۳۶ء

دردِ دل

جو اُٹھ نہ سکتا تھا بے سہارے وہ شورِ محشر اُٹھا کے اُٹھا
ستم ظریفی تو کوئی دیکھے ہنسانے والا رُلا کے اُٹھا
یہی تھا وہ جامہ زیب و خوش دل ہلیقہ مند و ذکی و عاقل
دلوں پہ سکہ جما کے اُٹھا نظر میں سب کی سما کے اُٹھا
غروب ہونے کو تھا جو سورج تمام تر زرد پڑ گیا تھا
اٹھا عیادت کے بعد جو بھی وہ دل پہ صدمہ اٹھا کے اُٹھا
جو گھر کہ عشرت کدہ تھا پہلے، وہ آہ ماتم سرا بنا ہے
ہوائے غم کی نہ تاب لا کر چراغ تک جھلملا کے اُٹھا

یہ شور ماتم ہے یا قیامت، دکھائی بے طاقتی نے طاقت
جو ہل نہ سکتا تھا وقت آخر وہ سیکڑوں دل ہلا کے اُٹھا

بپا ہے ہر سمت کس کا ماتم، یہ کیوں زمانہ ہے چشم پُر نم
یہ کس کی بزم عزا ہے ہمدم، جو بیٹھا آنسو بہا کے اٹھا

بٹھا کے نقش سخن دلوں پر دکھا کے حُسن بیاں کے جوہر
ہزار ہا گل کھلا کے اُبھرا، ہزاروں نغمے سُنا کے اُٹھا

ادب کی دنیا ہے آج سُونی، نہ کیوں ہو تکلیف دل کو دونی
کہ جگمگاتی تھی جس سے محفل، وہ شمع کوئی بجھا کے اٹھا

جہاں ہے کھنچو ے یہ باغ ناظم، وہیں بہشت بریں کا عازم
کفن سے منھ کو چھپا کے لیٹا، غبار بر دے گرا کے اُٹھا

قریب مسجد کے قبر پائی، لحد یہ تھی جمع اک خدائی
بسا تعجب یہ کج ادائی، کہ سب سے آنکھیں پھرا کے اُٹھا

حیات میں جسقدر رکمایا، وہ جیتے جی بید ریغ اُڑایا
متاع دنیا کو کیا سمجھتا جو اپنی ہستی مٹا کے اُٹھا

وہ خواب راحت میں فرش گُل پر، ہم اور افکار خار بستر
ہزاروں فتنے جگا کے سُویا، ہزاروں کانٹے بچھا کے اُٹھا

شکستہ بازو ضعیف کیونکر سنبھالے ٹوٹی ہوئی کمر کو
ظریف دنیا سے اُٹھنے والا صفیؔ کے دل کو بٹھا کے اُٹھا

ماخوذ از روز نامۂ سرفراز مورخہ ۱۵ر جنوری ۱۹۳۸ء

جناب ظریف کی رحلت پر اظہارِ غم

بنارس ۱۰ر جنوری ۱۹۳۸ء کو میونسپل ہائی اسکول بنارس میں اُردو ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک بہت بڑا جلسہ جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کی ناگہانی اور قبل از وقت موت پر اظہار تاسف کرنے کے لئے منعقد کیا گیا مسلمانوں نے سورۂ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کیا اور ذیل کا تعزیتی رزولیوشن پاس کیا گیا۔

اُردو ایسوسی ایشن میونسپل ہائی اسکول بنارس کا یہ جلسہ اپنے ملک کے سربرآوردہ نغز گو شاعر شیریں کلام اکبر ثانی جناب سید مقبول حسین صاحب مرحوم ظریف کی ناگہانی موت پر اپنے دلی صدمات کا اظہار کرتے ہوئے اُن کی موت کو ملک و قوم بلکہ دنیائے ادب کے لئے ایک ایسی کمی محسوس کرتا ہے جس کا نعم البدل فی الحال مشکل ہے اور مرحوم کے ورثا خصوصًا مولانا صفی صاحب کی خدمت میں نہایت خلوص سے تعزیت ادا کرتے ہوئے دست بدعا ہے کہ خداوند کریم انھیں صبر جمیل اور مرحوم کی روح کو سکون ابدی عطا فرمائے۔

(حکیم محمد رفیق)

جونپور بتاریخ ۱۰ر جنوری ۱۹۳۸ء ایک جلسۂ خاص اساتذہ و طلّاب شیعہ اسکول جونپور کا بغرض ادائے تعزیت جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف مرحوم لکھنوی زیر صدارت جناب سید حسن صاحب انصاری بی اے۔ سی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر شیعہ اسکول جونپور منعقد ہوا۔ تمام حاضرین نے ہدیۂ سورۂ فاتحہ سے مرحوم کو یاد کیا اور ذیل کا رزولیوشن پیش ہو کر منظور ہوا۔

(۱) یہ جلسہ جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف مرحوم لکھنوی کی خبر وفات سُنکر نہایت افسوس کرتا ہے اور مرحوم کے اعزا و پس ماندگان سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے دست بدعا ہے کہ خدا مرحوم کو

غریق رحمت اور اُن کے ورثا کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(۲) پاس ہوا کہ اس جلسہ کی کارروائی سرفراز قومی اخبار میں بغرض اشاعت روانہ کی جائے اور اس کی ایک نقل جناب فخر الشعرا، سید علی نقی صاحب صفی کی خدمت میں ارسال کی جائے۔

احقر الزمن شیخ نجم الحسن صدر انجمن ادب شیعہ اسکول جونپور

افسوس ظریف بھی مر گئے

از جناب شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری

اگر ظریف بجائے اُردو کے کسی اور زبان کے شاعر ہوتے اور اس نامراد اور بدنصیب ہندستان کے بجائے کسی اور ملک اور قوم میں پیدا ہوتے تو آج اُن کے مرنے پر نہ صرف حلقہ ارباب ادب میں بلکہ ہر طبقہ میں ایک کہرام برپا ہوتا۔ اخباروں میں مدّتوں مضامین نکلتے ظریف کی شاعری محض تفریحی نظم نہیں۔ ظریف ایک زبردست ریفارمر اور مصلح ملک و قوم تھے اور جیسا سید اکبر حسین صاحب اکبر جج مرحوم نے کئی مواقع پر ارشاد فرمایا وہ اپنے رنگ کے یکتا اور عدیم المثال شاعر تھے ہوم رول کی نظم موجودہ زمانے کی شاعری والی نظم، الکشن والی نظم کو غور سے دیکھا جائے تو یہ نظمیں محض ہنسنے اور ہنسانے والی نظمیں نہیں بلکہ یہ اخلاقیات اور سیاسیات پر زبردست تبصرہ اور ہر ایک اپنی جگہ پر درد انگیز مرثیہ ہیں۔ ظریف سے جن لوگوں کو باتیں کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ جن مسائل پر اُنھوں نے اظہار خیال کیا ہے اس کے ہر پہلو پر کس قدر عالمانہ تنقید سے نظر دوڑائی ہے افسوس اب ظریف سے باتیں بھی نہ ہو سکیں گی شکسپیر روز نہیں پیدا ہوتا صدیوں میں قاآنی اور نظیری پیدا ہوتے ہیں۔ آسمان کے بہت سے دور گزرے مگر پھر فرزدق اور متنبّی پیدا نہ ہوئے اسی طرح سمجھ لیجیے کہ اس دنیا سے ظریف کیا اُٹھ گئے آسمان ظرافت کا وہ آفتاب ڈوب گیا جس سے دنیائے ادب جگمگا رہی تھی، داغ

آمیرے لیکر اس وقت تک صدہا اردو کے شعرا سے مجھے تبادلۂ خیالات کا موقع ملا صفی ظریف اور اقبال کی باتوں میں روح شاعری کے ایسے جوہر پائے گئے جس سے اندازہ ہوا کہ اُنھوں نے کائنات کے جزئیات کا بہت عمیق نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ ظریف اپنے خاص رنگ کے اور شاعری میں ایک خاص جادے کے موجد تھے اور اس رنگ کی شاعری کا خاتمہ انھیں پر ہو گیا۔ رونا ہے تو اس کا کہ اب اس طرح کی شاعری ظریف کے بعد ختم ہو گئی افسوس کہ ظریف کی ایک یہ فرمائش مجھ سے پوری نہ ہو سکی کہ اُن کے کلام پر ایک مختصر سا مقدمہ لکھ دیتا۔ میں نے بارہا ہمّت کی مگر اپنے دلی جذبات پر قابو حاصل نہ کر سکا اور نہ لکھ سکا ظریف مرحوم کے مرنے پر کوئی مضمون لکھنا مجھے مشکل ہے۔ علاوہ شاعری کے کمال کے اُن کے دیگر اوصاف و کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ ہر ایک کے لئے ایک ایک جداگانہ مضمون لکھنے کی ضرورت ہے اسوقت میں نے چاہا تھا کہ ان کے قومی خدمات پر کچھ لکھوں مگر دل بھر آیا اور اب آگے کچھ نہ لکھ سکا شاید دل سنبھلے اور طبیعت اور صحیح ہو لے تو کچھ اور لکھ سکوں۔

اصحاب ذیل سے گزارش ہے کہ وہ ظریف کی شاعری پر کچھ لکھ کر سرفراز اخبار میں چھپنے کو جلد سے جلد بھیجیں تاکہ عنقریب ایک مبسوط مضمون میں ان اجزا کو جگہ دینے کا موقع مل سکے۔ پنڈت آنند نرائن مُلّا سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب۔ مرزا محمد عسکری صاحب بی اے۔ مولانا اختر علی صاحب تلہری۔ مولانا حسرت صاحب موہانی۔ مرزا جعفر علیخاں صاحب اثر سید علی عباس صاحب حسینی۔ مولانا بیخود موہانی۔ جوش ملیح آبادی۔ بالفعل اسقدر نام مجھے یاد آئے جن سے میں بذریعۂ اخبار بھی گزارش کر رہا ہوں اور جداگانہ بھی عرض کروں گا کہ چاہے یہ حضرات کتنا ہی عدیم الفرصت ہوں لیکن کچھ نہ کچھ ضرور لکھیں مجھے امید ہے کہ عنقریب ظریف مرحوم کا کلام جناب راجہ صاحب محمود آباد کی ادب نوازی کا مرہون منّت ہو کر فخر اشاعت حاصل کرے گا راجہ صاحب ممدوح نے ظریف صاحب کے دوران علالت میں معالجہ کے لئے اور ان کی وفات پر فاتحہ خوانی وغیرہ کے مراسم کے ایفا کے لئے جس خسروانہ عالی ہمّتی اور فیاضی سے امداد فرمائی وہ اس قدیم ریاست کے روایتی امور میں ایک یادگار اضافہ ہے اور اسکے لئے وہ تمام احسان شناس شریف قوم جس کی ایک فرد ظریف مرحوم

تھے ہمیشہ شکر گذار رہیگی۔

ماخوذ از روزنامۂ سرفراز مورخہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۳۶ء

ظریف مرحوم کی یاد

(چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا)

ظریف مرحوم کو علاوہ انکی اور خوبیوں کے صرف بہ حیثیت ایک خوشگو شاعر ہی کے دُنیا جانتی ہے اور اس نظر سے کہ اپنے رنگ کے وہ تنہا اور عدیم المثال شاعر تھے اور اب ان سے یہ خاکدانِ عالم خالی ہوگیا رہ رہ کر ان کی یاد ستاتی ہے اور اہلِ دل اہلِ نظر تنہائی میں بیٹھ کر ہر سر زمین میں اُن پر آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ مولانا صفی صاحب جو ان کے بڑے بھائی ہیں ظریف کے مرنے کے بعد کچھ ایسا خاموش اور دل ملول ہو گئے کہ تنہائی اور گوشہ نشینی میں ان کی صورت ان کی حالت ظریف کی ماتم داری اور مرثیہ خوانی کر رہی ہے مجھے آج کئی باتوں کے سلسلے میں ظریف کی یاد آئی کچھ ان کے اہل وعیال کی پریشانی کچھ مولانا صفی کی مجبوری و تنہائی وغیرہ وغیرہ اسکے ساتھ یوں خاص کر یاد آئی کہ ایک خط مجھے میرے دوست حافظ حکیم ناظم حسین صاحب نے الہ آباد سے بھیجا ہے جس میں اُنھوں نے اُن قطعات اور نظم کو ارسال کیا ہے جو الہ آباد میں ظریف کی وفات پر اسی زمانے میں تعزیتی جلسوں میں پڑھی گئی تھیں۔ چونکہ مولانا صفی صاحب ظریف مرحوم کے کلام کی ترتیب دے رہے ہیں اور جس طرح مرنے والوں کے کلام اِدھر سے اُدھر سے ڈھونڈ کر جمع کئے جاتے ہیں وہ غریب اس پیرانہ سالی میں اکٹھا کر رہے ہیں۔ جہاں کہیں اصلاح اور صحت کی ضرورت ہے وہ بھی کمی پوری کر رہے ہیں اور مجھ سے فرمائش کی کہ ان کے کلام پر مقدمہ نگاری کے فرائض کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ملتا اس لئے باہمہ افکار و خدمات قومی اس فرض کو میں ہی پورا کر دوں اس لئے میں نے اپنے جاننے والوں سے کہہ رکھا ہے اور پھر اعلان کرتا ہوں کہ ظریف

کے متعلق جہاں کہیں تعزیتی جلسے ہوئے ہوں ان کے حالات اور نظمیں اور جس کو اور جو کچھ ان کے سوانح حیات کے متعلق معلوم ہو مجھے مطلع فرمائیں یہ نوٹ مُطوّل ہو جاتا ہے اس لئے میں ان تمام باتوں کو قطع نظر کر کے جن سے ظریف کی یاد نے مجھے پھر بے چین کر دیا ذیل میں ان قطعات کو پیش کرتا ہوں جو الہ آباد سے میرے پاس آئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ یہ میں اس لئے شایع کرتا ہوں کہ محفوظ رہ جائیں اور دنیا پر ظاہر ہو کہ جہاں کہیں قدر شناس ظریف کے ہیں انھوں نے ان کی اسطرح قدر کی ہے مجھے نہیں معلوم کہ لکھنؤ کی مشہور ادبی انجمن بہار ادب نے کیا کیا ذیل کی نظموں میں کچھ ایسے اشعار ضرور ہیں جو ادبی ذوق کی روح اور عطر ہیں اس لئے اہل زمانہ سے اس کو مخفی رکھنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ (ممتاز حسین جونپوری)

ذیل کی نظم جو نتیجۂ فکر مفتی تہور حسین صاحب آثر بدایونی ہے ۲۰ جنوری ۱۹۳۷ء کو سیّد ضامن علی صاحب پروفیسر کے یہاں ظریف کی وفات پر تعزیتی جلسہ میں پڑھی گئی اور حکیم حافظ ناظم حسین صاحب نے الہ آباد کے ریڈیو اسٹیشن سے براڈ کاسٹ (نشر) فرمایا۔

یہ کیسی دِل شکن اخبار ہیں یارب خبر آئی
کلی باغ تمنّا کی نظر آتی ہے مُرجھائی
لبوں پر مُہرِ خاموشی دلوں پر مُردنی چھائی
صفِ ماتم سے ہر سو ہو رہی ہو بزم آرائی
مسرّت کے گئے دن رنج کا ہنگام آپہونچا
ظریف زندہ دل کی موت کا پیغام آپہونچا

جواب اس دور میں پیدا کرے گا دہر کیا تیرا
زباں تھی بذلہ گو تیری تو دِل تھا پارسا تیرا
ادیبوں میں لقب تھا بُلبُلِ رنگیں نوا تیرا
غضب ہے ساز یوں ہو جائے اکدم بے صدا تیرا
مُجسّم درد ہے تصویر صد یاس و الم دل ہے
ترے خاموش ہو جانے سے سب خاموش محفل ہے

کمی اقوام کی رنگیں اداؤں میں بتادینا
ہنسی کے بھیس میں اک داستانِ غم سنادینا
بڑے سنجیدہ لوگوں کو اشاروں میں ہنسادینا
گنواروں کی زباں میں لطف کے دریا بہادینا
ادب کی مجلسوں کی بھی وہ کیا پرلطف راتیں تھیں
زبانِ خاص میں تیری سبق آموز باتیں تھیں

بڑا احسان ہے تیرا ادب کے جاںنثاروں پر
بہارِ شعر بھاری تھی تری لاکھوں بہاروں پر
ظرافت کرتی تھی چشمک نئی پر نور تاروں پر
لطافت جان دیتی تھی ترے ادنیٰ اشاروں پر
قیامت تک رہیگی یاد دل میں خوش بیاں تیری
درستی تھا مشن تیرا لطیفہ تھی زباں تیری

جُدائی میں تری محفل کی محفل جان کھوتی ہو
نہ پاکر تجکو چشمِ شوق بھر دن خون روتی ہو
تمنائے مسرت آنسوؤں سے منھ کو دھوتی ہو
نہ ہونے سے ترے سب کو کمی محسوس ہوتی ہو
دُعا کرتے ہیں یہ اللہ سے، بندے محبت کے
قیامت تک تری تربت پہ برسیں پھول رحمت کے

اشعار تعزیت مع تاریخ نتیجۂ فکر شاہ حبیب الرحمٰن صاحب فریدی ساکن دائرہ حضرت شاہ حجۃ اللہ قدس سرہٗ آلہ آباد جو بزم ادب کے تعزیتی جلسے میں ۳۰ جنوری ۱۹۳۸ء کو سید ضامن علی صاحب پروفیسر کے یہاں پڑھی گئی

بڑے بڑے نامور ہوئے ہیں کہ جن کا باقی نشاں نہیں ہے
مٹے ہیں ایسے کہ انجمن میں کسی کی بھی داستاں نہیں ہے

فنائے نقش و نگار ہستی کا شکوہ بیجا بھی ہے عبث بھی
روش چمن میں ہے کون ایسی کہ پائمالِ خزاں نہیں ہے

نہیں ہے دھوکے کا سوا کچھ سرائے دنیا کی زینتوں میں
نہ گھر سمجھ اس کو دیکھ غافل یہ راستہ ہے مکاں نہیں ہے

تھا ایک دم مرنے والے کا اور ساری دنیا کے لاکھوں جھگڑے
لحد میں کیونکر نہ نیند آئے کہ فکرِ سود و زیاں نہیں ہے

غمِ جدائی کے سوزِ پنہاں میں کیفیت یہ عجیب دیکھی
سُلگتی ہے آگ دل میں لیکن بظاہر اس کا دھواں نہیں، ہے

زباں نواز و کلام پرور- ادب کے حامی، ظریف شاعر
بہت ہیں دنیا میں- تم سا لیکن کسی کا طرزِ بیاں نہیں ہے

بتائیں ہم حال کیا صفی کا تمہارے غم میں وہ ہیں تو زندہ
مگر جو کل تک تھی بازوؤں میں وہ آج تاب و تواں نہیں ہے

قلم نے رو رو کے خونِ اختر لکھی یہ تاریخ عیسوی کی
وہی کہے بزم آہ اپنی لیکن ظریف رطب اللساں نہیں ہے

---

۳۷   ۱۹   ۶

حضرت ظریف مرحوم کے انتقال کی خبر پاکر جو ماتمی جلسۂ عام آلہ آباد کی پبلک نے کیا اُس میں متعدد نظمیں پڑھی گئیں تھیں ان میں سے ایک یہ ہی جو جناب محمد شریف صاحب آلہ آبادی کلرک ہائیکورٹ نے پڑھی تھی

ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہے کیوں نسیم خوش خرام
محو شیون کس لئے ہے عندلیب تلخ کام

دل شکستہ بیٹھے ہیں رندانِ مے آشام کیوں
کس لئے ٹوٹے پڑے ہیں ساغر و مینا و جام
ہر طرف ہے شور سونی ہو گئی بزم ادب
شاعری کا ہو گیا ہے درہم و برہم نظام

اُٹھ گیا افسوس بزم دھر سے وہ اُٹھ گیا
درسِ بیداری تھا اہلِ ملک کو جس کا کلام
خوش مزاج و خوش خصال و خوش مذاق و خوش بیاں
نیک سیرت نیک طینت نیک خصلت نیک نام

اہلِ ذوق اس کو بخوبی جانتے ہیں اے ظریفؔ
کس قدر تیرا مذاق خاص ہے مقبول عام
دیکھئے قول بزرگاں آج ثابت ہو گیا
نیک کاموں سے ہوا کرتا ہے انساں نیک نام

ہے دُعا بس یہ شریفؔ زار کی شام و سحر
کر عطا جنت میں یارب اِن کو تو عالی مقام

(ممتاز حسین جونپوری)

نظم تعزیتی موسومہ بہ "غم ظریف" مرسلہ عقیل احمد صاحب جعفری نبیرۂ حضرت ریاضؔ مرحوم از خیرآباد ضلع سیتاپور

جو سخن تھا دلنشیں تھا خوب تھا معقول تھا ۔ تو مغنی تھا وہ نغمہ بھی ترا "مقبول" تھا
بھائی بھی اُستاد کا تھا، اور خود اُستاد بھی ۔ شاعر شیریں بیاں بھی شعر کا نقاد بھی

اک خصوصیت ہو تجھ میں تو کوئی اس کو کہے — کیسے بھولیں، عندلیب خوشنوا کے چہچہے
یا غزل تھی یا ہزل تھی اردو کے دیوان میں — تو ظرافت کو سجا کر لایا اس ایوان میں
آہ وہ حسنِ زباں تیرا وہ انشائے لطیف — تو ہنساتا تھا ہمیں ہم رٹتے ہیں تجھکو ظریف
رنگ اپنا رکھتا تھا ہر رنگ کا ماہر تھا تو — سچ ہے تجھ سے شاعری تھی ٹھیک ہے شاعر تھا تو
ساری دنیا کے بھرے تھے نغمے تیرے ساز میں — گاتا تھا تو سُر ملا کر غیر کی آواز میں
پردۂ تصویر بھی کرتا تھا تجھ سے گفتگو — تیرے دل میں گھر بنا لیتی تھی سب کی آرزو
ہاتھ باندھے رہتا تھا زندہ دلی کے سامنے — "جوش" پانی بھرتا تھا تیری خودی کے سامنے
خمکدے میں تیرے، معلومات میں منطق بھی ہے — جام و "ساغر" ہی نہیں ہے بادہ مشرق بھی ہے
دل ہی اک تابع نہیں ہے حسن کی آواز کا — زخم خوردہ ہے "جگر" بھی تیری بزم ناز کا
رند تھا پہلے، ترقی کر کے ساقی بن گیا — جام "فانی" کو پلایا وہ کہ باقی بن گیا
رنج کا خوگر کیا اتنا دلِ بے تاب کو — مل گیا آخر قرار دائمی "سیماب" کو
"یاس" کو "چنگیز" کا فوجی ترانہ کر دیا — تھا جو بیگانہ اُسے تو نے "یگانہ" کر دیا
طائرِ مضمون اُڑ کر آتا تھا ہونے کو صید — تیری محفل میں نہیں تھی "اصغر" و "اکبر" کی قید
اصغر و اکبر تو کیا ہیں "میر" و "غالب" کا بھی رنگ — اسطرح تو نے اڑایا تھا کہ اک دنیا تھی دنگ
لکھنؤ مرنے سے تیرے آج ویراں ہو گیا — "گلکدہ" تھا اک ادب کا جو پریشاں ہو گیا

مر نہیں جاتا ہے کوئی بھی کسی کے پیچھے خیر
زندگی بے لطف ہے لیکن عقیلؔ اس کے بغیر

دیوانِ نجمی حصّہ اوّل

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروفِ تہجّی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروفِ تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروفِ تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست غزلیات بہ ترتیب حروف تہجی

نمبر شمار	ردیف	مصرع اول	صفحات	تعداد اشعار	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶
۱۱۱	ے	مرگِ عاشق کے تماشے کو مکرر ٹُھکّے	۱۲۲	۱۷	
۱۱۲	ایضاً	یوں بہ تہذیب اُن کو عاشق کو سُنا دینے لگے	۱۲۳	۱۱	
۱۱۳	″	جب دوبارہ کسی عاشق کا جنم ہوتا ہے	۱۲۴	۱۷	
۱۱۴	″	جب اُن کے خواب میں شیطان بیاکانہ آتا ہے	۱۲۶	۱۲	
۱۱۵	″	یہ بحث اب حکیم میں اور ڈاکٹر میں ہے	۱۲۷	۱۴	
۱۱۶	″	دُور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے	۱۲۸	۲۱	
۱۱۷	″	یہ اچھّی دل لگی عاشق سے کی حسرت بھرے دل نے	۱۲۹	۱۰	
۱۱۸	″	عشق ہو زہرہ جبینوں سے بڑا دل چاہیئے	۱۳۰	۲۰	
۱۱۹	″	شکل مل جاتی جو میری قیس کی تصویر سے	۱۳۱	۱۳	
۱۲۰	″	کسی سارس ہی میں ہے اور نہ کسی قاز میں ہے	۱۳۲	۶	
۱۲۱	″	وحشت میں ھر اِک نقشہ اُلٹا نظر آتا ہے	۱۳۲	۱۱	
۱۲۲	″	وہ جنھیں باہمدگر دست وگریباں دیکھے	۱۳۳	۱۲	
۱۲۳	″	خیالِ نجد کے میدان کی ویران منزل ہے	۱۳۴	۱۱	
۱۲۴	″	دل لگی کا کچھ خدا کے گھر میں ساماں کیجیے	۱۳۵	۱۷	
۱۲۵	″	مجھ سے اُن سے صرف اتنی بات پر تکرار ہے	۱۳۶	۹	
۱۲۶	″	اِسقدر کی تنگ وُدو قافیہ پیمائی نے	۱۳۷	۵۵	
۱۲۷	″	بہارِ قلزمِ زخّار سنگِ آستاں سمجھے	۱۳۳	۱۲	۶۰۷

میزانکل ۱۸۸۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصۂ اوّل غزلیات

غزل نمبر (۱) ردیف الف تعداد ابیات ۱۲

قطعۂ تاریخ تمہیدی مع مصرعِ تاریخ

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

قلم ہے آجکل زوروں پہ یارانِ سخنداں کا — وہ پنجہ پھر گیا دیکھو جنونِ فتنہ ساماں کا

زبردستی ہزاروں دھجیاں سب نے اڑا ڈالیں — پُرانا چیتھڑا پایا جو ناسخ کے گریباں کا

کِھلے ہیں جابجا گُل اسقدر چاکِ گریباں کے — گماں ہے صفحۂ قرطاس پر گلچیں کے داماں کا

زمینِ شعر ہے زور آورانِ نظم کا دنگل — گُلِ کُشتی ہے گویا قافیہ چاکِ گریباں کا

کُھلا میرا ابھی مُنہ خمیازۂ چاکِ گریباں پر — اِسے میں کیا کروں یہ خاصّہ ہے طبعِ انساں کا

خدا شاہد غزل پڑھتے ہوئے اب شرم آتی ہے — کہ یہ فن ہو گیا بازیچۂ اطفالِ دبستاں کا

جسے دیکھو وہی بے مثل اپنے کو سمجھتا ہے — یہ ہمسر ہے فرزدق کا وہ ہمپایہ ہے سحباں کا

مرا مشرب ہے صلحِ کل مرا مسلک ہے آزادی — نمک پروردہ ہوں ذوقِ سُخن کے خوانِ احساں کا

چمن زارِ ظرافت سیرگاہِ طبعِ موزوں ہے — کہ ہے خارِ حسد سے پاک تختہ اس گلستاں کا

سڑی ہو جائے ہنستے ہنستے جب دیکھے کوئی بدبیں — زمینِ شعر میں یوں گُل کھلے چاکِ گریباں کا

سخنور زہر کھائیں دیکھ کر کیوں میری سرسبزی — مجھے اِک سبزۂ بیگانہ سمجھیں اس گلستاں کا

لگے ہاتھوں یہیں اک قطعۂ تاریخ ہو جائے
تقاضا ہے بہت مجھ پر جنونِ فتنہ ساماں کا
الف ایک ٹھونس کر کہہ دو کہ اب گن لو سنِ ہجری
جنوں گلدستۂ رنگیں ہے یہ چاک گریباں کا

۱۳۱۶ + ۱ = ۱۳۱۷
سنہ ۱۳۱۷

غزل بقید ردیف (الف چاک گریباں کا)

اُلجھتا ہے جو دامن سے کوئی کانٹا بیاباں کا
دکھاتا ہے اُسے ٹھینگا الف چاکِ گریباں کا

ابھی کھیلے گُلی ڈنڈا الف چاک گریباں کا
جو ممدودہ ہو مقصورہ الف چاکِ گریباں کا

جواب رودِ نیلِ مصر ہے پاٹ اپنے داماں کا
قدِ عوج ابن عوق اک تھا الف چاکِ گریباں کا

جہاز دل کو وحشت میں نہ ہوتا خوف طوفاں کا
اگر مستول بن جاتا الف چاکِ گریباں کا

مکرر حکم ہے سب پر یہی شاخ غزالاں کا
کہ باندھو شاعرو! دھرا الف چاکِ گریباں کا

گماں تجھ کو ہے اے لیلےٰ غلط غولِ بیاباں کا
بھگا ناقے کو وہ آیا الف چاکِ گریباں کا

بتِ ترسا کی ہوں زلف چلیپا کا میں سودائی
بنا ہے اس لئے اُگر جا الف چاکِ گریباں کا

بہ آسانی پڑے شہتیر وحشت خانۂ دل میں
جو دے سانکھو کا اک لٹھا الف چاکِ گریباں کا

ڈفالی دیکھ کر سترک میں کیا کیا راگ لائیں گے
جو گاڑیگا وہاں جھنڈا الف چاکِ گریباں کا

کسی نے بات تک پوچھی نہ اُسکی جوشِ وحشت میں
مگر بیکس کا تھا لگا الف چاکِ گریباں کا

ٹھہرتے کیوں نہ مرفوع القلم محشر میں دیوانے
لوائے حمد کی چھڑ تھا الف چاکِ گریباں کا

حلاوت اسکی مرغوبِ مذاقِ اہل وحشت ہے
مگر ہے بمبئی پونڈا الف چاکِ گریباں کا

دل وحشی کا ٹٹو اڑ گیا ہے دشتِ وحشت میں
جمائے بڑھ کے اک سانٹا الف چاکِ گریباں کا

کبھی گنتا نہ گھڑیاں جوشِ وحشت میں شب فرقت
نہ گھنٹا گھر اگر ہوتا الف چاکِ گریباں کا

عجب کیانٹ کی صورت دل تہ و بالا ہو وحشت میں
جو دے اک بانس لانبا سا الف چاکِ گریباں کا

قطب مینار جس کو یا منار قطب کہتے ہیں
وہ ہے دلی میں اک میرا الف چاکِ گریباں کا

ہیں ابھی فصل بارش میں بناتا اُس کا پرنالہ
جو ہوتا بانس کا ٹونٹا الف چاکِ گریباں کا

رہِ غربت میں کیا کیا وحشیوں نے سینہ کوبی کی
عجب سنگین دُرمٹ تھا الف چاکِ گریباں کا

کیا دستِ جنوں نے خوں لاکھوں بیگناہوں کا
قسائی کا تھا کیا کھونٹا الف چاکِ گریباں کا

اُٹھائیں آسماں چھپّر کی صورت سر پہ دیوانے
جو دے ایک بانس کا لگّا الف چاکِ گریباں کا

سرِ شوریدۂ عاشق سے خون بہتا ہے یا تاڑی
درخت اک تاڑ کا ہے یا الف چاکِ گریباں کا

حسین آباد کو ویرانہ وحشت میں سمجھتا ہوں
ہے ایسی تھکنڈا گویا الف چاکِ گریباں کا

سہارا ڈھونڈھتے تھے اسکا کیوں وحشت میں دیوانے
کوئی ٹھونی ہے یا کھمبا الف چاکِ گریباں کا

زمانہ ہے پر آشوب اُس سے کہہ دو کیا بڑی بن ہے
لڑا کرتا ہے لٹھ بونگا الف چاکِ گریباں کا

جنوں کی راہ میں اب بے عصا کے چل نہیں سکتا
ہوا ہے اس قدر اندھا الف چاکِ گریباں کا

مضر ہے شعلۂ داغِ جنوں کی روشنی اے دل
جلاتا ہے یہ کیوں لالا الف چاکِ گریباں کا

کسی میدان میں جائے جو شوقِ نیزہ بازی ہے
ہلاتا ہے بہت برچھا الف چاکِ گریباں کا

اڑائے دشتِ وحشت یوں مرے دامن کا کنکوّا
گریباں کانپ ہو ٹھڈا الف چاکِ گریباں کا

مجھے وحشی سمجھ کر پھینکتے ہیں ڈھیلے سب لونڈے
کہاں ہے بڑھکے ڈے ڈنڈا الف چاکِ گریباں کا

اگر آہِ رسا سے قد کہیں اسکا ہوا چھوٹا
کہیں گے سب کے بونا ہے الف چاکِ گریباں کا

لبوں پر آ کے آہِ آتشیں کی ریل جب ٹھہری
اس اسٹیشن کا سگنل تھا الف چاکِ گریباں کا

پکڑ لیتا ہے دم میں سیکڑوں مرغانِ وحشی کو
لگا دیتا ہے جب کمپا الف چاکِ گریباں کا

بہارِ باغ سودا ہو چکی سینے کے گلشن میں
بٹھائے اب نیا پودا الف چاکِ گریباں کا

جو ہیں لیلے کو ڈانٹا مولوی صاحب نے مکتب میں
گھما کر قیس نے مارا الف چاکِ گریباں کا

میں وادی ہوں کہا کرتی تھی اکثر وال دامن کی ۔۔۔ مرے آگے کا ہے لونڈا الف چاکِ گریباں کا
کہا کرتا تھا مجنوں بچپنے میں اپنے والد سے ۔۔۔ دکھا لاؤ ہمیں ابّا الف چاکِ گریباں کا
کوئی بچّہ جو چُسنی مانگتا ہے باپ کہتا ہے ۔۔۔ تجھے لادوں گا میں بیٹا الف چاکِ گریباں کا
یہی دن بھر رٹا کرتا تھا مجنوں جا کے مکتب میں ۔۔۔ الف چاکِ گریباں کا الف چاکِ گریباں کا
دلِ ناداں جو سمجھے ہیں اُسے وہ سب ہیں دیوانے ۔۔۔ لئے ہے گود میں بچّا الف چاکِ گریباں کا
کسی صورت سے ہو مقصود یہ ہی نظم ہو جائے ۔۔۔ کہیں اُلٹا کہیں سیدھا الف چاکِ گریباں کا
جو اے دستِ جنوں اُلجھیگا اسکا پاؤں دامن سے ۔۔۔ گرے گا منہ کے بھل اوندھا الف چاکِ گریباں کا
اُسے بھی خبط ہے جو اس کو دھن کُٹّی سمجھتا ہے ۔۔۔ اُٹھا لایا ہے بھڑ بھونجا الف چاکِ گریباں کا
جنوں کے جوش میں اڑا پھٹا سیدھا نہ یہ نکلا ۔۔۔ بنا ابجد کی بے سارا الف چاکِ گریباں کا
نہ سنبھلا جائے گا ہرگز گرے گا دھڑ سے دیوانہ ۔۔۔ اگر ہو جائے گا گھوڑا الف چاکِ گریباں کا
میں بے کی طرح اک لحظے میں چت اس کو لٹا دیتا ۔۔۔ اگر کچھ مجھ سے ٹرّاتا الف چاکِ گریباں کا
دو چشمی ھے اگر ہوتی اہاہاہا، تو پھر کیا تھا ۔۔۔ یہی عینک لگا لیتا الف چاکِ گریباں کا

غزل بقید قافیہ (چاکِ گریباں)

دلِ وحشی ہمارا مقبرہ ہے قیس کی ماں کا ۔۔۔ تنگافِ قبرِ کہنہ ہے نشاں چاکِ گریباں کا
سٹری ہو کر بھتیجا کہہ رہا ہے ماہِ کنعاں کا ۔۔۔ تمھارا چاک دامن ہے چچا چاکِ گریباں کا
فرشتے آسماں پر سنتے ہیں آواز چرچوں کی ۔۔۔ سحر کھلتا ہے جب پھاٹک مرے چاکِ گریباں کا
عمودِ دستِ وحشت سطح سے سینے کے ملتا ہے ۔۔۔ نہیں بے قاعدہ یہ زاویہ چاکِ گریباں کا
جسے دیکھو اُسے شیطان کی آنت اب سمجھتا ہے ۔۔۔ یہاں تک طول پہونچا ہے مرے چاکِ گریباں کا
اسی غم میں سر اپنا دُھن رہا ہے آج دیوانہ ۔۔۔ لُٹا ہے راستے میں قافلہ چاکِ گریباں کا

بڑا کیا کر رہا ہے یہ بتا لے دستِ وحشت تو
ارے اُٹھا اور پردہ کھولدے چاکِ گریباں کا

سحر ہوتے ہی پھٹتے ہی داماں شب کیا غل مچاتا ہی
یہ بھو بھی ہے ہم پلّہ مرے چاکِ گریباں کا

یہاں دستِ جنوں ہر دم صفائی کر رہا ہی
یہ کیا جاروب کش ہے کوچۂ چاکِ گریباں کا

نکالیں چار سو سڑکیں بہت مینو سپلٹی نے
اڑا خاکہ نہ میرے جادۂ چاکِ گریباں کا

یقیں ہے مادّہ سودے کا مجنوں سے نکل جاتا
اگر گلقند کھا لیتا گل چاکِ گریباں کا

اگر دستِ جنوں اندھا نہ ہوتا جوشِ وحشت میں
بگڑتا منہ چڑھانا دیکھ کر چاکِ گریباں کا

یہاں تک قیس کے دستِ جنوں نے مشق وحشت کی
کہ آخر گھس گیا بالکل قلم چاکِ گریباں کا

رزاتم سرگذشت اُسکی سبرفر یاد سے پوچھو
پھٹے میں پاؤں دینا کام تھا چاکِ گریباں کا

توانائی کہیں دستِ جنوں میں اتنی آجاتی
کہ تا درگاہ لے جاتا علم چاکِ گریباں کا

کماں ابرو یہ جتنے ہیں ابھی سیدھے ہوں نکالے
چڑھے ان پر اگر چلّہ مرے چاکِ گریباں کا

نکیل اپنی تڑا کر بھاگتا کیوں ناقۂ لیلےٰ
اگر مجنوں دبا دیتا گلا چاکِ گریباں کا

جو دھونا ہو تو دھولے ہاتھ لے دستِ جنوں سمیں
کہ ہے بہتا ہوا دریا مرے چاکِ گریباں کا

ہوئی صبحِ شبِ وصلت تو پینے سینہ کوبی کی
گجر دم کھُل گیا پھاٹک مرے چاکِ گریباں کا

درختِ بیدِ مجنوں کاٹتا ہے دشت میں مجنوں
بلا ہے کیا اُسے آرا مرے چاکِ گریباں کا

کہا لیلےٰ نے مجنوں سے مزاحاً ایک دن اتنا
مرے آگے بنا نقشہ ترے چاکِ گریباں کا

نکلتا جس گلی کوچے سے ہے اب قیس بیچارہ
چڑھاتے ہیں اُسے لونڈے "ابے چاکِ گریباں کا"

گریباں میں ذرا منہ ڈال پھر چنگھاڑتا ہاتھی
کہاں تیرا کہاں نالہ مرے چاکِ گریباں کا

بہت گھوما کیا پرکار ٹانگیں چیر کر اپنی
بتہ پایا نہ لیکن مرکزِ چاکِ گریباں کا

یہ سمجھیں لوگ انگریزی میں بھی نامکمتا چھوٹی
ہوا کچھ ایسا دنا ٹا مرے چاکِ گریباں کا

تمھاری زلف کا دشمن ہے اسکو سانپ سمجھا ہے
نکالے ہے جو مسر نیو لا مرے چاکِ گریباں کا

ہوا مردوں کو دھوکا دامنِ محشر پھٹا شاید
ہوا کچھ ایسا جھرّاٹا مرے چاکِ گریباں کا

پُرانا ہوں میں عہدِ آصف الدولہ کا دیوانہ
ہے نقشہ رومی دروازہ مرے چاکِ گریباں کا

خوشی سے قبر کھودو عاشقِ وحشی کی تم اپنے
تمہیں مل جائے گر پھڑوا مرے چاکِ گریباں کا

برائے وحشیانِ مردہ دل وہ وقف ہے بالکل
کھُلا ہے جو نیا تکیہ مرے چاکِ گریباں کا

فراقِ حضرتِ حوّا کا تو موجد ہے لے آدم
ترا چاکِ گریباں باپ ہے چاکِ گریباں کا

غزل بقوافی مختلف بقید ردیف (کا)

گڑا ہے عرش پر جھنڈا مری طبعِ سخنداں کا
لوائے حمد کی چھڑ ہے قلم میرے قلمداں کا

پھراتا ہے یہ اک انگلی سے چنبر چرخِ گرداں کا
بگولا اسقدر شہ زور ہے میرے بیاباں کا

یقیں ہے زہر کا چشمہ ہو چشمہ آبِ حیواں کا
جو اسمیں گر پڑے قطرہ تمہارے آبِ پیکاں کا

بندھا ہے عہد یہ دستِ جنونِ فتنہ ساماں کا
کہ دامن سے کروں گا آج گٹھ بندھن گریباں کا

ہوا ہے اس نظر سے شوق میرے دل کو قلیاں کا
کہ اکثر ناچ دیکھا کرتا ہوں دودِ پریشاں کا

جنوں میں اس سے سر توڑوں کا نفسِ دشمنِ جاں کا
عمودِ دستِ قدرت نام ہے چاکِ گریباں کا

نہ بہلے محفلِ صحرا میں دل کیونکر غزالاں کا
کہ اکثر ناچتا ہے طائفہ غولِ بیاباں کا

رہِ غربت میں سر نیچے ہو اوپر دونوں ٹانگیں ہوں
اشارہ ہے یہی اہلِ جنوں شاخِ غزالاں کا

ترے دیوانے کو صحرا میں باتیں سننی پڑتی ہیں
کیا کرتا ہے ٹائیں ٹائیں ہر طوطا بیاباں کا

مرا قاتل بناتا ایک لنگی اپنے سقّے کی
جو پاتا کھاروا وہ چادرِ خاکِ شہیداں کا

شرارے جمع ہیں آہوں سے اک جھڑ ٹونکا میلہ ہو
گھمائے سوزِ دل تو بھی ہنڈولہ دودِ پیچاں کا

مہ و خورشید کی کیونکر بھلا پھر روٹیاں پکتیں
تنور اے دل نہ ہوتا گرم اگر گردونِ گرداں کا

نکالے کیوں نہ گردن اب دلِ عشاق کا گھوا
کہ منہ کھولے ہے گھونگا یار کے لبہائے خنداں کا

ادھر آؤ ادھر آؤ اُدھر جاؤ نہ دیوانو
وہاں بیٹھا ہوا ہے مولوی کوہِ بیاباں کا

نہ پھر سنبھلا گیا افسوس فوراً گر پڑا الد سے
ہماری آنکھ کی کھڑکی سے طفلِ اشک جب جھانکا

میاں مجنوں کو اتنا ہوش تھا دیوانگی میں بھی
پکڑ لیتے تھے دُم کو اونٹ لیلیٰ نے جہاں ہانکا

کمر کا انکی عاشق ہوں کہ اے جرّاح دھیان اتنا
مرے زخمِ جگر کیواسطے جیبو نٹے کا ہو ٹانکا

ہوا ترچھی نظر کا عشق جب سے تیرے عاشق کو
سمجھتے ہیں اُسے سب اپنے بیگانے کہ ہے بانکا

تری کھڑکی سے بچپن کا مرے ساتھی نکل بھاگا
زباں تو نے نہ پکڑا ہاتھ دورِ اُفتادہ دنداں کا

خزاں کا وہ زمانہ اور صبحِ پیریِ لیلیٰ
ستاروں کی طرح سے ٹوٹ کر گرنا وہ دنداں کا

زرا اے دستِ وحشت بڑھ کے سر دونوں کا ٹکرا دے
گلے میں قیس کے ہو طوق لیلیٰ کے گریباں کا

دہن کا مدرسہ پیری نے کھولا تھا زباں تجکو
سبق پچھلا وہ پڑھنا یاد ہے ہل ہل کے دنداں کا

لغت کی سب کتابیں کھولکر بیٹھیں کہ پڑھتا ہوں
دو غزلہ وہ کہ جو دیباچہ ہو قاموس و برہاں کا

غزل بزبانِ عربی آمیز اردو

ھ۱ ھ۲ ھ۳ ھ۴ — ھ۵ ھ۶ ھ۷ ھ۸
جو طائر کو تفحّص ہو دمِ تعشیشِ اغصان کا
افانینِ ھفھف کو تعہّد ہو تو اذعان کا

ھ۹ ھ۱۰ ھ۱۱ ھ۱۲ ھ۱۳ — ھ۱۴ ھ۱۵ ھ۱۶ ھ۱۷
دموعِ دم فوادِ مرتعش سے منہمر ہونگے
نہ پوچھو حال اثخانِ جریحِ رمحِ اجفان کا

ھ۱۸ ھ۱۹ ھ۲۰ ھ۲۱ — ھ۲۲ ھ۲۳ ھ۲۴ ھ۲۵ ھ۲۶
تماثیلِ کثیرہ دال ہیں اے لوذعی اس پر
فسادِ شنشنہ باعث ہے استبشاعِ اعیان کا

ھ۲۷ ھ۲۸ ھ۲۹ ھ۳۰ — ھ۳۱ ھ۳۲ ھ۳۳ ھ۳۴
عیونِ باکیہ ہیں جارحِ حر کے غول کا باعث
تجرّع سے لبن کے ہے ترعرعِ طفلِ انّان کا

ھ۳۵ ھ۳۶ ھ۳۷ — ھ۳۸ ھ۳۹ ھ۴۰
تمرّغ قیس کا بیجا نہیں انواحِ وادی میں
اِسے مطبوع استصماغ ہے نخلِ مغیلاں کا

اشعار بزبان فارسی آمیز اُردُو

پژوہندہ نہ ہوا‌ے خیرہ سر دلہائے پژماں کا کہ ان مرغاں نے پایا پاخرہ پادامِ پاچاں کا

بہم چفسیدن و آخر خچیدن اسکا کیا باعث مگر پیچاپ کیا آوازہ تھا چاکوچ دنداں کا

لگاؤ اس کو جم جم چرغنہ دگر نہ یہ کرے جُم جُم دمِ چامہ سرا اٹھا ہوا ہے حکم جاناں کا

وژندا تنانہ ہولے دل نژندا تنا ہوا‌ے دل ژغارہ سے ہے واکیوں ژفرہ ترے زخمِ خنداں کا

کچول اپنے گدا کا دیکھ لو کچلول کو لیکر چرسداں کیلئے دو ایک پارہ اپنے چپاں کا

دمِ غربیلہ کہتا ہے ظرنیف اب وہ پری پیکر کہ چنچولی مراہم پایہ ہے تختِ سلیماں کا

حلّ لغاتِ عربی و فارسی

۱ بروزن زائر بمعنی پرندہ ۲ بروزن و بمعنی تجسُّس ۳ بروزن تقدیر بمعنی آشیاں بندی ۴ بروزن ایوان بمعنی شاخہا جمع غصُن ۵ بروزن مزامیر بمعنی شاخہائے باریک جمع فنن ۶ بروزن مسلسل بمعنی نازک ۷ بروزن تصرّف بمعنی قصد کار ۸ بروزن ایمان بمعنی اطاعت ۹ بروزن طلوع بمعنی اشک جمع دمع ۱۰ بروزن ہم بمعنی خون ۱۱ فواد بروزن مراد بمعنی دل ۱۲ بروزن مختلف بمعنی لرزاں ۱۳ بروزن مضطرب بمعنی جاری درواں ۱۴ بروزن احسان بمعنی سستی زخم ۱۵ بروزن قتیل بمعنی زخمی ۱۶ بروزن صبح بمعنی نیزہ ۱۷ بروزن ہیجان بمعنی پلکیں جمع جفن ۱۸ بروزن تصاویر بمعنی تمثیلات ۱۹ بروزن ذخیرہ بمعنی

زیادہ ۲۰ھ بروزن ال بمعنی دلالت کنندہ ۲۱ھ بروزن اجنبی بمعنی مرد زیرک ۲۲ھ بروزن مواد بمعنی خرابی ۲۳ھ بروزن سلسلہ بمعنی طبیعت ۲۴ھ بروزن عاجز بمعنی سبب ۲۵ھ بروزن استقبال بمعنی ناخوشی ۲۶ھ بروزن ارمان بمعنی بزرگاں ۲۷ھ بروزن جنون بمعنی آنکھیں جمع عین ۲۸ھ بروزن جاریہ بمعنی گریاں ۲۹ھ بروزن قاعدہ بمعنی دست ۳۰ھ بروزن قول بمعنی ہلاکت ۳۱ھ بروزن تبسّم بمعنی گھونٹ گھونٹ پیا ۳۲ھ بروزن چلپن بمعنی شیر ۳۳ھ بروزن تکلّف بمعنی نشو ونما ۳۴ھ بروزن منّان بمعنی بہت رونیوالا ۳۵ھ بروزن تجمّل بمعنی خاک پر لوٹنا ۳۶ھ بروزن ومعنی اطراف جمع ناحیہ ۳۷ھ بروزن وادی بمعنے گذرگاہِ آب ۳۸ھ بروزن مصروف بمعنی پسندیدہ ۳۹ھ بروزن استفراغ بمعنی گوندچننا ۴۰ھ بمعنی ببول کا درخت ۴۱ھ بروزن فروزندہ بمعنی تلاش کرنیوالا ۴۲ھ بروزن کینہ در بمعنی متحیّر ۴۳ھ بروزن درماں بمعنی افسردہ ۴۴ھ بروزن عریاں بمعنی پرندگان جمع مرغ ۴۵ھ بروزن باجرہ بمعنی نشیمن ۴۶ھ بروزن ایام بمعنی پھندا جو گھوڑے کے دُم سے بنایا جائے اور اسمیں چڑیاں پھنسائی جائیں ۴۷ھ بروزن ومعنی پاشاں ۴۸ھ بروزن ومعنی چسپیدن ۴۹ھ بروزن چمیدن بمعنی لڑنا جھگڑنا ۵۰ھ بروزن کنتاپ بمعنی بوسہ ۵۱ھ بروزن ناموس بمعنی ہتھوڑا ۵۲ھ بروزن دنداں بمعنی نہالی ۵۳ھ بروزن پنجورہ بمعنی تازیانہ ۵۴ھ بروزن گُم سُم بمعنی روش ۵۵ھ بمعنی غزلخوانیاں ۵۶ھ بروزن گرنٹ بمعنی تند و تیز ۵۷ھ بروزن فرنٹ بمعنی خشمگیں ۵۸ھ بروزن کنارہ بمعنی فغاں ۵۹ھ بروزن سفرہ بمعنی دہانہ ۶۰ھ بروزن قبول بمعنی کوُلے مٹکانا ۶۱ھ بروزن ومعنی کشکول (کاسۂ گدائی) ۶۲ھ بروزن نمکداں بمعنی جھولی ۶۳ھ بروزن آرہ بمعنی ٹکڑا ۶۴ھ بروزن ٹیّاں بمعنی کہنہ لباس ۶۵ھ بروزن سنجیدہ بمعنی نازنخرے ۶۶ھ بروزن مقبلی بمعنی جھولا۔ (صفی عفی عنہٗ)

نوٹ ۱۸۹۰ء میں ایک گلدستہ تصویر عالم پریس نے شایع کیا تھا جس میں اس مشاعرے کی غزلیں درج تھیں جنمیں ناسخ مرحوم کی طرح میں اساتذہ لکھنؤ نے بقید قافیہ الف چاک گریباں ‘ قوافی مختلف طبع آزمائی کی تھی لہذا اسی گلدستہ کو سرمشق بناکر یہ مبسوط مزاحیہ غزل کہی گئی اس میں نئی نئی تشبیہوں سے کام

لیا گیا ہے اور صرف لغات عربی و فارسی کی مضحکہ خیز صورتیں دکھائی گئی ہیں۔ اپریل ۱۸۹۹ء میں یہ غزل تیار ہوئی اور مزاحیہ گلدستہ میں جسکا نام پھلجھڑی تھا شایع کی گئی۔ گلدستہ مذکور باہتمام سید صغیر حسین صغیر نگارستان پریس لکھنؤ میں چھپا تھا۔ صغیر مرحوم بھی میرے شاگرد تھے۔ (صفی عفی عنہ)

غزل نمبر ۲ — ردیف الف — تعداد ابیات ۲۵

۱ بحر۔ رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

بھی اگر قافیۂ مصرع ثانی ہو گا — ہم تو مطلع ہی کہیں گے اُسے کچھ بھی ہو گا
بیٹری سے دلِ عشاق کے نکلے گی وہ گیس — جس میں کچھ مادۂ برق تجلی ہو گا
توپ دوں گا اُسے دیوار گرا کر اُن کی — دلِ بیتاب جو خواہانِ تسلی ہو گا
تم ہوا کھانے تو نکلے ہو مگر یاد رہے — بھر گیا پیٹ تو کس طرح سے خالی ہو گا
بار اُٹھائے گا جو لے رشکِ مسیحا تیرا — اس کی دُم ہو کہ نہ ہو وہ خرِ عیسیٰ ہو گا
رند مشرب ہیں جو احباب وہ بھولیں گے کبھی — مادہ ساقن ہے جو نر ہو تو وہ ساقی ہو گا
ہوں گے تربوز کے گودے کی طرح وہ آب آب — چہرہ یوں ڈر سے اگر اُن کا گلابی ہو گا
دوڑتی ساتھ چلی جائے گی مجنوں اُس کے — بات اُلٹ جائے گی محمل میں جو لیلیٰ ہو گا
رازداری سے خدا کے لیے باز آئیں آپ — پیٹ پھوٹے گا کوئی راز جو مخفی ہو گا
خانساماں سے یہ کل پوچھتے تھے اک صاحب — ہم سے تم بولے جو اس لفظ کا معنی ہو گا
جس جگہ کوئی نہ ہو ہے عدم آباد وہی — جس میں سب کچھ ہو وہی عالمِ ہستی ہو گا

اِس جگہ تک تو فقط قافیہ پیمائی تھی
دوسرے رنگ میں اب مطلع ثانی ہو گا

غزل بالفاظِ پُر شوکت بلا لحاظِ معنی

سیر آہنگِ طرب سازِ مُغنّی ہوگا — نغمہ در ناخنِ مضراب بھی یعنی ہوگا
ناقۂ سوختہ ساماں کا تقاضا ہے یہی — کہ دلِ قیس باندازۂ لیلیٰ ہوگا
خونچکاں دشنہ بکف عربدہ جو مست خرام — تا حدِ شوقِ جنوں روبہ ترقی ہوگا
دورِ خمیازۂ چرخ ستم آرا معلوم — دلِ خوں گشتہ حنا بندِ تسلّی ہوگا
محشرستانِ خیالات میں دیباچۂ عشق — شرحِ تجریدِ حقیقی و مجازی ہوگا
پیچ و تابِ رگِ سودا کا یہ مطلب تھا کہ قیس — طُرّۂ دلکشِ لیلیٰ دُمِ افعی ہوگا
تھی دلِ نوح میں اک شورشِ طوفاں انگیز — کہ سفینہ یہ کُلاہِ سرِ جودی ہوگا

مجھ کو اظہارِ لیاقت نہیں منظور ظریفؔ
اب غزل کا مری ہر قافیہ ہندی ہوگا

پاس اسکے ترا رومال جو لیلیٰ ہوگا — قیس باندھے ہوئے صحرا میں لنگوٹی ہوگا
رہ گیا زلفِ رسا میں جو الجھ کر بیکار — دلِ صد چاک وہ ٹوٹی ہوئی کنگھی ہوگا
جانِ شیرینیٔ لب پر جو دیئے دیتا ہے — وہ حضور آپ کا عاشق نہیں مکھی ہوگا
زلف کی شست میں پھنس جانے سے معلوم ہوا — دلِ بیتاب نہ ہوگا کوئی مچھلی ہوگا
بھائی یوسف کے زلیخا کو یہ سمجھاتے تھے — آپ بھیّا کا نہ غم کیجیے بھابھی ہوگا
نقدِ دل ہار گیا بیٹھ کے محفل میں اگر — آپ کا عاشق نادار جواری ہوگا
دل کے لٹو کو نچاتا جو پھرے زلفوں میں — ایسا معشوق میاں کوئی مداری ہوگا
پاؤں سے اپنے بٹھادے جو مزارِ عاشق — وہ تو معشوق نہ ہوگا کوئی ہاتھی ہوگا
پوچھتا ہے کوئی اُنسے جو انھیں کو سرِ راہ — وہ گھڑکتے ہیں کہ تو کون ہے کوئی ہوگا

بیضہ ہائے دلِ عشاق لئے بیٹھا ہے | یار انسان نہ ہوگا کوئی مرغی ہوگا
شیخ جی آڑ میں کھیلیں گے بطِ مۓ کا شکار | جلوۂ ریش فقط دھوکے کی ٹٹی ہوگا
جو اُتر جائے سلامت تری تلوار کے گھاٹ | مچھلی والا وہ کوئی ہوگا کہ دھوبی ہوگا
ندیاں دودھ کی فرہاد بہاتا تھا اگر | ہم تو یہ جانتے ہیں قوم کا گھوسی ہوگا
حشر میں جائے گا ہر شخص قلی کی صورت | سر پہ لادے ہوئے اعمال کی گٹھری ہوگا

ایسے معشوق سے نفرت نہ ہمیں کیوں ہو ظریفؔ
جب وہ مشہور ہے جلّاد تو بھنگی ہوگا

نوٹ ۔ اس غزل کے دوسرے ٹکڑے میں ان شعرا کا چربہ اتارا گیا ہے جو بے سمجھے بوجھے فارسی ترکیبوں کا استعمال کرتے ہیں لفظیں شاندار مگر مطلب خبط اور اسی کو غالب مرحوم کی تقلید سمجھتے ہیں۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۳ ردیف الف تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

دہنِ یار تو درجِ دُرِ غلطاں نکلا | لی جو بٹوے کی تلاشی تو نہ ٹیاں نکلا
فارسی میں کسی ہندی کا جو دیواں نکلا | بیضۂ بلبلِ شیراز سے ٹیاں نکلا
نالہ منہ سے جو مرے صورتِ افغاں نکلا | آہ پر پیچ کا پہنے ہوئے تنباں نکلا
لے دو لیلیٰ کا کھلونا یہی ضد کرتا تھا | گود میں لے کے جو مجنوں کو بیاباں نکلا
زالِ دنیا کی ہمیں زلف رسا یاد آئی | عید کے دن جو کوئی لیکے سوّیاں نکلا
آیا تھا جانکے دیوانہ مجھے دق کرنے | مارنے دوڑا ہوں جب گھر سے بیاباں نکلا
اے بھلے مانسو! اتنا تو کر دیہ دانام | ناموَر جیسا کہ ان شہدوں میں سیّاں نکلا
بو کھلائے وہ مرا دل جو زرا لینے میں | ہاتھ اُن کا کبھی دہنا کبھی بایاں نکلا

کھا کے وحشت میں قلابازی پھٹے جب کپڑے — جیب میں ہاتھ جو ڈالا تو گریباں نکلا
ہو گیا چاہِ زنخداں پہ دہن کا دھوکا — ہم کنواں جس کو سمجھتے تھے وہ کنویاں نکلا
قیس کی ماں کا مگر پیٹ بھی تھا وادیِ نجد — کہ جب اس میں سے یہ نکلا ہے تو عریاں نکلا

پلپلا کر دل عاشق کو وہ کہتے ہیں ظریف
دل جسے سمجھے تھے وہ آم بھدیاں نکلا

نوٹ ۱ ایک قسم کی کوڑی ۲ طوطے کی ایک قسم ہے جو لہبر سے چھوٹا ہوتا ہے ۳ افغانی کا پائجامہ ۴ شہد ول کے ایک چودہری کا نام ہے ۵ چھوٹا کنواں ۶ بھادوں کے مہینے میں جو آم پھلتا ہے۔ (صفی عفی عنہٗ)

غزل نمبر ۱۴ ردیف الف تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ مفاعیل یا فعولن

کوشش ہو اٹھانے کی تو کیونکر نہ اٹھیگا — لنجے نہیں ہیں آپ جو خنجر نہ اٹھیگا
کمزور ہوں میں بوجھ مکرر نہ اٹھیگا — تپھّر اگر اٹھ جائے تو مر کر نہ اٹھیگا
مانا کہ محبت کے اکھاڑے میں ہوں کمزور — کچھ نال نہیں ہے جو مرا سر نہ اٹھیگا
کوچے میں ترے دن کو کثافت ہی رہیگی — جاڑے میں سویرے سے جو مہتر نہ اٹھیگا
کچھ ایسی غم و رنج کی کہنہ ہے رضائی — ابرا اگر اٹھ آیا تو استر نہ اٹھیگا
اغیار کی شرکت سے اٹھانا بھی گراں ہے — ہم سے ترے احسان کا چھپّر نہ اٹھیگا
جب تک کہ نہ اب ہو گا قیامت کا تھپیڑ — پردہ ترا اے چرخ ستمگر نہ اٹھیگا
تا حشر کٹہرے میں لیا ہیں بند رہے گا — مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اٹھیگا
تخئیلِ قدیم آکے اگر سر پہ بھی لا دے — نخاس ۱ سے معیار کا دفتر نہ اٹھیگا

لکھا ہے ظریف اُنکے مٹاپے کا اگر حال
خط جائے گا کس طرح جو سر پہ نہ اٹھیگا

نوٹ۔ ۱۹۰۸ء میں ایک مجلس دائرہ ادبیہ میں نے قائم کی تھی جس میں اکثر ادبا، و اساتذہ لکھنؤ شریک تھے مثلاً منشی سجاد حسین ٹریاودھ پنچ مرزا محمد ہادی رسوا پروفیسر کرسچین کالج پیارے صاحب رشید حکیم ممتاز حسین عثمانی وغیرہ۔ مشاعرہ و مناظمہ و مناثرہ کے لئے ماہانہ صحبتیں ہوتی رہتی تھیں اور اُن کے جو اطلاعی رقعے تقسیم کئے جاتے تھے ان میں غزل کے متعلق بجائے مصرع طرح صرف قافیہ و ردیف و نام بحر اور نظم و نثر کے مضمون کی سُرخی دیدی جاتی تھی کچھ دنوں کے بعد اسی ارادے سے ایک ادبی رسالہ موسوم بہ معیار شایع ہونے لگا جس میں اشعار شعرا بتقابل توافی و زبان و تخئیل کے متعلق اصلاحی مضامین درج ہوتے تھے اِس ادارے کے اڈیٹر حکیم محسن علیخاں آبر تھے اور دفتر اسکا نخاس میں اس زمانے میں بھی شعرا کی دو پارٹیاں تھیں ایک پابند تخئیلِ قدیم دوسری پیرو تخئیل جدید۔ لہذا نویں شعر میں اُسی طرف اشارہ ہے۔ (صفی عفی عنہ)

غزل نمبر ۵ | ردیف الف | تعداد ابیات

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاع لات مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

میں بھی تو اک ذریعہ ہوں افشائے راز کا
دامن یہ کہہ رہا ہے کسی پیشواز کا

ہے آسماں زمین کی جانب جُھکا ہوا
گویا یہی رکوع ہے اُس کی نماز کا

متسقیوں کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا
میں اک قرابہ ہوں عرقِ خانہ ساز کا

شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ
کھل جاتا حال آپ کی زلفِ دراز کا

قاصد کو نامہ دیدیا یہ کہہ کے یار نے
یہ خط لکھا ہوا ہے کسی جعل ساز کا

اے یار تو ہر ایک سے تنتا ہے کس لئے
تبلا تجھے مرض تو نہیں ہے کُزاز کا

طولانی اسقدر ہے ظریفِ آہِ نارسا
مستول جیسے ہو کسی بادی جہاز کا

نوٹ عصہ وہ درد جو سردی لگ جانے سے گردن سینے اور جوڑوں میں ہوتا ہے اور گردن پشت کی طرف جُھک جاتی ہے۔ (صفی عفی عنہ)

غزل نمبر ۶ ردیف الف تعداد ابیات ۱۵

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

چار ہی حرفوں میں سارا شکوۂ جانانہ تھا
اُونھ بھی کرنا ہجر میں اک مختصر افسانہ تھا

مجمعِ عشاق میں جو تھا بڑی دیوانہ تھا
گھر کسی کا کیا تھا اچھا خاصہ پاگل خانہ تھا

میکشِ خمیازہ کش گویا ترا کلُھیا سا مُنہ
بادہ پیمائی کے خاطر قدرتی پیمانہ تھا

لے چلا نخّاس میں پیرِ مغاں جب بیچنے
بوتلوں کا ٹوکرا چلتا ہوا میخانہ تھا

آہوِ چشم آکے آخر کیوں نہ اس کو چر گئے
جب خطِ رخسارِ جاناں سبزۂ بیگانہ تھا

خالی خولی مجمعِ عشاق تھا حقّہ نہ پان
واہ اچھا انتظامِ محفلِ جانانہ تھا

وقتِ پیری طالبانِ دید کا مجمع کہاں
جائے عبرت ہے کہ بی تیتی کا گھر ویرانہ تھا

یار کا گھر تھا کہ شمعِ حسن کی تھی لالٹین
پاسبانِ کوئے جاناں تھا کہ اک پروانہ تھا

ناقۂ لیلےٰ نے مستی میں جڑی مجنوں کے لات
یہ شُترِ غمزہ برنگِ لغزشِ مستانہ تھا

میکشِ نادار پہونچا میکدے میں اس طرح
پاؤں میں جوتا نہ تھا پر ہاتھ میں پیمانہ تھا

پھر تو وہ اُلّو کا پٹھّا ہی تھا اسمیں شک نہیں
عاشقِ شوریدہ کا مسکن اگر ویرانہ تھا

وقتِ پیری رال جب مُنہ سے بہی ثابت ہوا
کیوں نہ چھلکے عمر کا لبریز جب پیمانہ تھا

وائے ناکامی کبوتر لیکے نامہ پھر گیا
عاشقِ نادار کے گھر میں جو قحطِ دانہ تھا

سیکڑوں کو ایک ہی گردش میں گھائل کر دیا   چشم جاناں کیا بنیٹھی تھی کوئی یا با نہ تھا
چار پیسے والا کہتے تھے اُسے ہم بھی ظریف
جب تمہارے عاشق مفلس کے پاس آیک نہ تھا

نوٹ - بستی ایک مشہور طوائف کا نام ہے جو لکھنؤ میں رہتی تھی۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۲   ردیف الف   تعداد ابیات ۱۴

بحر ہزج مثمن سالم   ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

وہ ہو کیسا ہی دُبلا تار بستر ہو نہیں سکتا   غلط ہے آدمی اس طرح لاغر ہو نہیں سکتا
کبھی آنسو کا قطرہ مثل گوہر ہو نہیں سکتا   غلط ہے ابر نیساں دیدۂ تر ہو نہیں سکتا
بزرگوں میں پدر جس طرح مادر ہو نہیں سکتا   پسر یونہی کبھی خردوں میں دختر ہو نہیں سکتا
نومبر بھی اسی صورت دسمبر ہو نہیں سکتا   کہ جیسے ماہ اکتوبر ستمبر ہو نہیں سکتا
نہ جبتک مرد اور عورت کا ہولے عقد آپس میں   یہ زوجہ ہو نہیں سکتی وہ شوہر ہو نہیں سکتا
میاں مجنوں ہوں چاہے کوہکن ہوں دونوں خبطی تھے   کسی کا کچھ بھی اُنسے خاک پتھر ہو نہیں سکتا
کسی بکری کا تم نے دیدۂ دل کیا نہیں دیکھا   یہ شیشہ ہو نہیں سکتا وہ پتھر ہو نہیں سکتا
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ تم سر کاٹ لو تن سے   کسی کو اس طرح سر اپنا دوبھر ہو نہیں سکتا
کمر جسکے نہ ہو وہ بار سے کیونکر چلے گا پھر   خلاف عقل ہے یہ اس طرح پر ہو نہیں سکتا
کہو پھر یہ کمر موٹی ہے سر چھوٹا ہے دلبر کا   نہیں تو پھر قد جاناں صنوبر ہو نہیں سکتا
وہ خطِ شوق کے جتنے پلندے چاہے لیجائے   ملازم ڈاکخانے میں کبوتر ہو نہیں سکتا
چٹاؤ گر کہیں سلی تو سارا بانکپن غائب   کسی کا ابروِ خمدار خنجر ہو نہیں سکتا
کہا معشوق کو قاتل، تو بھنگی کیوں نہیں کہتے   یہ کیا جلاد ہو سکتا ہے مہتر ہو نہیں سکتا

ظریف آئینہ دیکر ڈارون صاحب کو سمجھا دو
نہ ہو جب تک شریر انسان بندر ہو نہیں سکتا

غزل نمبر ۸ ردیف الف تعداد ابیات ۱۷

بحر رمل مخبون مقصور یا محذوف۔ ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فعلات یا فعلن

تیرے رہنے کو مناسب تھا کہ چھپّر ہوتا
کہ نہ چوکھٹ تری ہوتی نہ مرا سر ہوتا

قسمت نجد کا گر قیس کمشنر ہوتا
لیڈی لیلیٰ کی ہوا خوری کو موٹر ہوتا

غیر بل جل کے اُٹھا لیتے کہ تھے بے غیرت
گو پہاڑ آپ کے احسان کا چھپّر ہوتا

بات اُلٹی ہے کہ رفتار سے مردے جیتے
بوٹ چلنے میں جو اُس شوخ کا چرمر ہوتا

رات کو آپ کے ہاتھوں سے اگر چھٹ جاتا
دلِ بیتاب شرر بار چھچھوندر ہوتا

راستہ آٹھ پہر پھر تو رہا کرتا صاف
پاسبانِ درِ دلدار جو مہتر ہوتا

گرچہ لیسنس نہ ملتا تو منڈانا پڑتا
آپ کا ابروِ خمدار جو خنجر ہوتا

تالیاں ہم بھی بجاتے ترے کوٹھے کے قریب
کسی اُلّو کا اگر رات کو لکچر ہوتا

تھا مقدّر میں ترے سب کا ستانا ہی اگر
کاش معشوق نہ ہوتا کوئی بندر ہوتا

قیس کو مارتے کیوں نجد میں لونڈے لاڑی
وہ اگر مدرسۂ عشق کا ٹیچر ہوتا

جائے میں ڈالکے عشاق اُسے پی جاتے
درحقیقت لبِ معشوق جو شکّر ہوتا

ملک الموت پہ جھلنے کو بناتا میں چنور
طائرِ روح کی دُم میں جو کوئی پر ہوتا

لے ہی لیتا لبِ دلدار کا بوسہ اُڑ کر
کاش عاشق جو بنایا تھا تو مچھّر ہوتا

ٹھوکریں غیر کے مرقد پہ لگاتا کیونکر
بوٹ کی جا پہ جو تو پہنے سلیپر ہوتا

چاٹتا ساری کتابوں کو بغیر از دقّت
علم کا شوق جسے ہے جو وہ جھینگر ہوتا

پیش کرتا رزدلیوشن کہ حسینوں پہ ہو ٹیکس
میں کبھی میونسپلٹی کا جو ممبر ہوتا
لکھنؤ سے شب یکشنبہ بریلی آتے
پاؤں میں گر نہ ظریف اپنے سنیچر ہوتا

غزل نمبر ۹ ردیف الف تعداد ابیات ۸

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جنوں میں کیوں چلا میں دوڑ کر بھولا جو دم میرا
حماقت کی نشانی بن گیا نقش قدم میرا

نسیم زلف مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی تھی
ترے بالوں کی بو سے ناک میں آیا ہے دم میرا

دفور شوق میں معشوق کو دیدے پٹکتا ہوں
کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے ادھم میرا

ضعیف و ناتواں ہو مجھ کو الفر بنا تا ہے
مرے بھرد بیٹے پن کا ذریعہ ہے ورم میرا

یہ دونوں جانور ملکر اُسے کچّا ہی کھا جائیں
شتر گربہ کے ڈر سے آ نہیں سکتا ہے ہم میرا

میاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی ہیں جو لڑتے ہیں
یہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا

ارے داتا اسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا
مگر کشکول سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

وہ ڈکشنری میں جو لکھو ائینگے معلوم ہے مجکو
ظریف انکی زباں سے پہلے چلتا ہے قلم میرا

غزل نمبر ۱۰ ردیف الف تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جواں تو ہے جواں اور پیر بڈھا طفل ہے لڑکا
کہیں گے خرد اسکو جو ہو چھوٹا اور کلاں بڑکا

کیا کرتے ہیں استعمال جو کھانیں پاپڑ کا
رہا کرتا ہے انکے پیٹ میں اک شور گڑبڑ کا

کہیں پر اتفاقاً ایک بھی پتّا اگر کھڑکا — یہ وحشت کا تقاضا ہو کہ بس بندہ ہیں بھڑکا

مشو اے طفلِ دل ناداں دلِ ناداں نہ بن لڑکا — مرو در راہِ ناہموار رستہ چل نہ بیہڑ کا

ان انگریزوں نے بھی مجرم کی کیا پہچان رکھّی ہے — نشاں مٹتا نہیں ہے بید کے پڑنے سے چوتڑ کا

سُنا ہے بادشاہی میں سواری جب نکلتی تھی — تو اُس کے آگے اِک کرٹکیت کہتا چلتا تھا کڑکا

بکا سلفیورک ایسڈ گیس انگریزوں کے آئیسے — نہ وہ چورن کی گولی ہو نہ وہ پانی ہو اب ہڑ کا

یہ راحت ہے کہ لمبے سے اُسی دم لے لیا پانی — کسی کا راستے میں اتفاقاً دل اگر دَھڑکا

زرا سی بات کہنے میں وہ فوراً پھول جاتا ہے — تمھارا اگال ہے صاحب کہ یہ ہے گیند اَڑکا

کہیں عشاق بھی ایسے الم برداشت کرتے ہیں — اُٹھانا ختم ہے آغائی مرزا پر بڑی چھڑ کا

رقیب روسیہ کو اسقدر محفل میں پیٹا ہے — نشان باقی ہے اُسکی پیٹھ پر ابتک دو ہتڑ کا

بنا جب سے ہوئی ہے لکھنؤ میں اس ہپیرل کی — نشاں ملتا نہیں ہو شہر میں ڈھونڈھے سے گودڑ کا

سمجھ لو شام ہے اڑتے نظر آئیں جو بڑ باگڑ — جو بولے مرغ ککڑوں کوں تو سمجھو ہو گیا تڑکا

دہن مُنہ گال عارض ناک بینی اور ذقن ٹھوڑی — گلو گردن شکم پیٹ اور سُرین ہے نام چوتڑ کا

جب آئی زور سے آندھی ظریف اُسوقت ہم سمجھے
رکھا ہے نام بادِ تند اِن عجموں نے جھکڑ کا

نوٹ ۔ لے آغائی مرزا لکھنؤ میں رہتے تھے بہت لانبی چھڑ والا علَم اُٹھانے میں استاد تھے اتنی بڑی چھڑ کوئی اور نہ اُٹھا سکتا تھا وہ اِس چھڑ کو کبھی کاندھے پر کبھی ہتھیلی پر کبھی شانے پر کبھی دانتوں پر اُٹھائے رکھتے تھے ۔
شعر میں الم کے لفظ سے ایہام تجنیسی کی صنعت پیدا کی گئی ہے۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ۱۱ ردیف الف تعداد ابیات ۶

بحر مجتث مثمن مخبون مسکن مقصور یا محذوف — ارکان۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

فلک نما ہے بلندی میں آبلا دل کا — جو اب شیش محل ہے دو منزلا دل کا

سُنار سے جو ہے اُن کے معاملا دِل کا — پڑا ہوا ہے کھٹائی میں فیصلا دل کا

عِلم قسم ابھی داروئے درد دل جائے — کہیں جو حال للا اُن سے کچھ للا دل کا

چلو چڑھا ہائیں حسینوں کے طاق ابرو میں — جو یک پتگا کے ہو تیار گُلگلا دل کا

حوادثات کی چپتیں بہت کراری ہیں — کہیں داغ نہ ہو جائے پلپلا دل کا

ظریف حشر میں ہوگی تلاشی اعمال
فرشتے کھول کے دیکھیں گے پوٹلا دل کا

نوٹ۔ شیش محل حسین آباد کے قریب لکھنؤ میں ایک مشہور قدیم عمارت ہے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۲ ردیف الف تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان. فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

جس کے سونے کو پلنگ ایک نواڑی نہ ہوا — وہ حسینوں میں کسی کھیت کی مُولی نہ ہوا

منتخب بزم حسیناں میں ہوا کب کوئی — یار کِسدن پریسیڈنٹ کمیٹی نہ ہوا!

گو معما دہن یار کو کہتے ہیں عجم — یار ہندی ہے تو مُنہ اُسکا پہیلی نہ ہوا

صیغہ واحد ترا اے امرِ مونث حاضر — کیا ہوا قول سے بتلا تو جو تُولی نہ ہوا

دہن یار کو جب تنگ شکر کہتے ہیں — ترجمہ کیجئے شکر کی وہ تھیلی نہ ہوا!

غیر جاتا ہے وہاں گربۂ مسکین بنکر — توڑ ڈالے گا سگِ یار جو لینڈی نہ ہوا

مردے نے خوب گلا غیر کا گھونٹا شب وصل — اُس نے چاہا تھا کہ برائے سُودہ بھی نہ ہوا

اے مسیحا ترے بیمار جسے کھاتے ہیں — رنج وغم کیوں ہوا وہ مونگ کی کھچڑی نہ ہوا

داغ کے درہم و دینار بھرے ہیں جس میں — دل وہ کیوں کر ہوا صراف کی تھیلی نہ ہوا

بن کے منجن کسی معشوق کے کام آجاتا — کیوں دل سُوختہ تو نیم کی جھلی نہ ہوا

کبھی نوعمر حسیں منہ تو لگا تے اِس کو ‏ ‏ دلِ ناداں مرا افسوس پیمبر ہی نہ ہوا
رشتہ عمر کے باعث سے ہے جب اُسکا وجود ‏ ‏ پھر تو اِنسان بھی اک طرح کی ککڑی نہ ہوا
میں نے جب شعر میں باندھا تو بنا باندھا ظریفؔ
میرا مضموں کبھی حمّام کی لنگی نہ ہوا

غزل نمبر ۱۳ ‏ ‏ ردیف الف ‏ ‏ تعداد ابیات ۱۲

بحر مضارع مثمّن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف ‏ ‏ ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

کردن کے پیٹ میں تو زرا بھی نہ درد تھا ‏ ‏ کس طرح پھر وہ مادّہ نکلا جو کرد تھا
کب قیس کوہ کَن کا حریفِ نبرد تھا ‏ ‏ اسکے تو ایک چانٹے میں وہ گردبرد تھا
نیرنگِ حسن و عشق میں جوڑا یہ فرد تھا ‏ ‏ لیلیٰ سیاہ فام تھی اور قیس زرد تھا
تھا کس کا عشق اور کہاں اسکے درد تھا ‏ ‏ مجنوں کی طرح ناقہ لیلیٰ جو زرد تھا
اولے پڑے تھے کیا مرے صحرائے قلب میں ‏ ‏ جھونکا ہوائے آہ کا آیا تو سرد تھا
لیلیٰ نے خاک رُدب سمجھ کر نہ رُخ کیا ‏ ‏ مجنوں کے جسمِ زار پہ ملبوسِ گرد تھا
پہلے تمام قصّہ یوسف سُنا گئے ‏ ‏ پھر پوچھتے ہیں زن تھی زلیخا کہ مرد تھا
اس میں کسی کے باپ کا کہئے اجارہ کیا ‏ ‏ نوشیرواں کا پوتا اگر یزدِ جرد تھا
صیّاد نے سمجھ کے بیا کر لیا اسیر ‏ ‏ بلبل کا رنگ فرقتِ گل سے جو زرد تھا
غم کھا چکا تھا شب کو مچائی جو ہائے ہائے ‏ ‏ ظاہر ہوا کہ پیٹ میں عاشق کے درد تھا
ماری تھی لات ناقہ لیلیٰ نے اس لئے ‏ ‏ لنگڑا رہا تھا ٹانگ میں مجنوں کے درد تھا
نزلہ بہا ظریفؔ تو بولے حکیم جی
یہ محترم فقط اثرِ سرد و برد تھا

غزل نمبر ۱۴۱ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۶

بحر مضارع مثمّن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان۔ مفعولُ فاعلات مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

منڈنے ہی صاف گیسوئے جانانہ ہوگیا
پھل اُستریکا اتنا کر اشانہ ہوگیا

اچھا میں راگ لایا کہ دیوانہ ہو گیا
گاتے ہی گاتے ختم سب افسانہ ہوگیا

گزرا سن شباب تو پھر کون پوچھتا
اب ترک اُن سے رسم قدیمانہ ہوگیا

دُہرائیں اُنسے بیٹھ کے کیا سرد مہریاں
چھینک آگئی تو ختم سب افسانہ ہوگیا

افلاس جب سے چھا گیا اُس شاہِ حسن پر
عُشاق کا مذاق رئیسانہ ہوگیا

قاصد کی کوئی بات بھی اب پوچھتا نہیں
محصول خطِ شوق کا آدھ آنہ ہوگیا

تیر نگاہِ ناز چلے آئیں بائیں شائیں
اندھا کوئی ہوا تو کوئی کانا ہوگیا

تیغِ نگاہِ خنجرِ ابرو مژہ کے تیر
چہرہ کسی حسیں کا سِلح خانہ ہوگیا

عُشاق کھا رہے ہیں قلا بازیاں تمام
سرکس کا کھیل جلوۂ جانانہ ہوگیا

ایسا نہ ہو کہ دوڑ کے مجنوں کو کاٹ کھائے
لیلیٰ کا اونٹ نجد میں دیوانہ ہوگیا

عُشاق میں ہے آپ کے اُلّو کی خاصیت
بیٹھے یہ جس جگہ وہیں ویرانہ ہوگیا

مُدّت کے بعد دخترِ رز ہم سے مل گئی
پھر منچلوں سے رشتۂ سالانہ ہوگیا

ضبطِ غمِ فراق سے تھا نفخ پیٹ میں
اچھا ہوا مریض کو پاخانہ ہوگیا

گنج اُن کے ہے تو طائرِ دل کیوں نہ ہوں شکار
زُلفوں کے دام کے لئے یہ دانہ ہوگیا

رحمت ہے میکشوں پہ عجب کارساز کی
کلھیا سا منہ ضعیفی میں پیمانہ ہوگیا

لائے گئے ظریف یہاں ہم کشاں کشاں
گویا مشاعرہ نہ ہوا تھانہ ہوگیا

غزل نمبر ۱۵ ردیف الف تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مثمن اخرب سالم ارکان. مفعولُ مفاعیلن مفعول مفاعیلن

مجنوں کا جو لے لیلیٰ جوتا نہ پھٹا ہوتا پیچھے ترے ناقے کے کیوں برہنہ پا ہوتا
بیفائدہ غُل مچتا کیا جانیئے کیا ہوتا گر اُن کی گلی ہوتی اور میرا گلا ہوتا
کھولے ہوئے آنکھوں کو چپ چاپ پڑا ہوتا میں راہِ محبت میں نقشِ کفِ پا ہوتا
کھجلی سی نہ کیوں اُٹھتی میخوار دنیکے ہاتھوں میں واعظ کا سر اقدس گر خوب گھٹا ہوتا
مکتب میں عجب کیا ہی بیچاری کو ٹپیاتی لیلیٰ سے اگر سن میں مجنوں نہ بڑا ہوتا
وہ بن کے مسیحا بھی اچھا جو نہ کر سکتے بیمار ترے حق میں یہ اور برُا ہوتا
ہوتا اگر آدم کا دُنیا میں کوئی بھائی نسلِ بنی آدم کا واللہ چچا ہوتا
گر قیس کی وحشت کا کچھ اونٹ اثر لیتا لیلیٰ کو گرا دیتا اور بھاگ کھڑا ہوتا
خارِ رہِ غربت جب ٹھینگے اُسے دکھلاتے وحشی ترا صحرا میں انگشت نُما ہوتا
ناحق سگِ جاناں سے اک چھین جھپٹ ہوتی اُلو تھا اگر مائل ہڈی پہ ہُما ہوتا
مُفلس سے زیادہ تر منعم ہی گرسنہ ہیں کیوں روز ہوا کھاتے گر پیٹ بھرا ہوتا

معدوم دہن ہوتا مفقود کمر ہوتی
معشوق ظریف ایسا ہوتا بھی تو کیا ہوتا

غزل نمبر ۱۶ ردیف الف تعداد ابیات ۱۳

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

عاشق بیتاب یوں لوٹا کہ رولر ہو گیا کوچۂ جاناں کا تختہ اب برابر ہو گیا

سبزۂ خط کے نکل آنے سے بدتر ہو گیا — چہرۂ معشوق اب اُدنی سلیپر ہو گیا

جب رواں اچھی طرح دل کا سلنڈر ہو گیا — توسنِ عمرِ رواں تیزی میں موٹر ہو گیا

رنج و غم کی جب دلائی اوڑھ لی عشاق نے — ایک ابرا بن گیا اور ایک استر ہو گیا

خون کا پیاسا ہے یہ وہ نیش زن شرقت کا — یار کھٹمل بن گیا اور غیر مچھر ہو گیا

خط مرا لیتے ہی بیچارے کو مرگی آ گئی — میرا قاصد کیا ہوا لوٹن کبوتر ہو گیا

اُن کی مٹھی میں کبھی سینے کے پنجر میں رہا — دل مرا آدھا بٹیر اور آدھا تیتر ہو گیا

اس تماشا گاہِ عالم میں تماشے کے لئے — عشق بجری بن گیا اور حسن بندر ہو گیا

قیس پاگل تھا علاقہ نجد کا کورٹ ہوا — اور اُس میں آپ کا عاشق منیجر ہو گیا

وہ کسی تکیہ پہ آخر جا کے چُپکے سو رہے — سایۂ دیوار جاناں جن کا بستر ہو گیا

لوگ کہتے ہیں کہ مجنوں گو شریف القوم تھا — عمر صحرا میں بسر کرنے سے کنجر ہو گیا

شُعلہ باری اور بیتابی رہی شام و سحر — اُن کے ہاتھوں سے چھُٹا جب دل چھچھوندر ہو گیا

لکھنؤ سے بُدھ کو چندہ پور تک آئے ظریف
تین دن پہلے سے پیروں میں سنیچر ہو گیا

غزل نمبر ۱۷ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ناقۂ لیلیٰ کی دُم پکڑے یہ کس کو ہوش تھا — تارکِ مجنوں خرابِ ضربتِ پاپوش تھا

کل بخارِ دل کا اتنا اس فضا میں جوش تھا — تھی زمیں دیگِ ابلی اور آسماں سرپوش تھا

جن دنوں دلمیں سیاسی ولولوں کا جوش تھا — بے تکلف ہر حسینِ شوخ کھدر پوش تھا

تار گھر میں کون سنتا عاشقِ نادار کی — ٹیبہ کے کرسی پر ہر بابو سرآسودہ نوش تھا

عشق کے جرمن کو دم بھر میں شکستِ فاش دی | حُسن کے پیرس میں جو غمزہ تھا جنرل فوش تھا
میں یہ سمجھا خانقہ میں ریچھ کا ہوتا ہے ناچ | جمع تھے اطفال رقصاں شیخِ کمّل پوش تھا
تھا وہ "پھوا" جسنے طے کی رفتہ رفتہ راہِ شوق | خوابِ غفلت میں بسر کی جس نے وہ خرگوش تھا
دید کے قابل تھی بزمِ عاشق و معشوق بھی | کوئی تو اِنمیں گراں گوش اور کوئی خاموش تھا
ڈاکیوں میں تھا ملازم آپ کا عاشق مگر | حشر میں جسوقت پہونچا پارسل بردوش تھا
مینے پوچھا کونسی تتھ[ط۱] اِس مہینے کی ہے آج | کہتے ہیں ایکادشی[ط۲] پرسوں تھی کل پردوش[ط۳] تھا
عمر اِس کمبخت کی آوارہ گردی میں کٹی | پیرِ گردوں ابتدا سے طفلِ بازی گوش تھا

اُس طرف ساغر لئے تھا ہاتھ میں ساقی ظریف
اِس طرف کلہیا سا منھ کھولے ہوئے مے نوش تھا

نوٹ ۔ ط۱ بمعنی تاریخ ط۲ ہر پاکھ کی گیارھویں ۔ ط۳ ہر پاکھ کی بارھویں یا تیرھویں ۔

صفیؔ عفی عنہ

غزل نمبر ۱۸ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۲

بحر ۔ ہزج مثمّن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف | ارکان ۔ مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ مفاعیل یا فعولن

تو مرغِ مسیحا جو سرِ شام نہ آیا | شب بھر ترے بیمار کو آرام نہ آیا
گلچیں تو نزاکت کا کبھی ہوگا نہ قائل | گر چونچ میں بُلبُل کی گُلِ اندام نہ آیا
بتلائیے اب کیا اُسے سب لوگ کہیں گے | جو صبح کا بھُولا ہوا تا شام نہ آیا
یہ چار ڈبل آج مرے مُفت گئے مُفت | بیرنگ خط آیا کوئی پیغام نہ آیا
عشاق کہیں کھینچ نہ لیں ٹانگ پکڑ کر | اس خوف سے معشوق لبِ بام نہ آیا
کیا جانئے کیوں دیکھ کے عُشاق کو بھاگا | ہر چند بُلایا کیے آرام نہ آیا

یہ ناقۂ لیلیٰ کا نشترِ غمزہ تو دیکھو
مجنوں کی طرف دوڑ کے دو گام نہ آیا

تیمور نے لنگڑا نہ بنارس سے منگایا
کیوں سامنے ہمنام کے ہمنام نہ آیا

ناکامیٔ اُلفت کی کوئی حد بھی ہے اَے شوخ
قیدی کو ترے جیل میں بھی کام نہ آیا

ثابت ہوا اس سے کہ وہ جلاّد تھا ٹھنگی
گو قتل کیے سیکڑوں الزام نہ آیا

تخئیلِ قدیم اس کو کہے گی کہ غلط ہے
جس شعر میں جَم آ گیا اور جام نہ آیا

پھرتا بقدم زلفِ رسا کیوں نہ ہو پھبتی
جب اُن کے عقیقے میں بھی حجّام نہ آیا

سچ ہے یہ ظریف آپ کے اشعار ہیں مُنڈے
جب کنگھی کا چوٹی کا کہیں نام نہ آیا

غزل نمبر ۱۹ — ردیف الف — تعداد ابیات ۳۵

بحر رمل مثمن مشکول — ارکان فعِلاتُ فاعلاتن فعِلاتُ فاعلاتن

اِک اُن کا گال ہوتا اِک میرا گال ہوتا
یہ زرد زرد ہوتا وہ لال لال ہوتا

موئے کمر تمھارا مجھ کو وبال ہوتا
یہ گرچہ شیخ جی کی ڈاڑھی کا بال ہوتا

دردِ جگر کا سوزِ اُلفت میں جب مزا تھا
اُن کو بخار آتا میرے کر طحال ہوتا

وہ قبر پر کھڑے ہیں لیٹا ہی تو لحد میں
اے اُنیہ مرنے والے کیونکر وصال ہوتا

جا کر مریضِ اُلفت آخر کہیں تو رہتے
اُن کا مکان ہوتا یا اسپتال ہوتا

بندر کی طرح جب وہ اُسکو کریدتے ہیں
زخم جگر کا کیونکر پھر اندمال ہوتا

آئینے میں جو تیری صورت نظر نہ آتی
اُس وقت فی الحقیقت تو بیمثال ہوتا

دو جز تو ہیں مذکر پھر کل ہے کیوں مؤنث
کیوں شیر مال ہوتی یا شیر مال ہوتا؟

ہوتا رقیب بندر معشوق اک بُز نر
یہ پات پات ہوتا وہ ڈال ڈال ہوتا

دندانِ دل میں اٹکا لمبا سا ریشۂ غم — کاہش سے تن نہ کیونکر مثلِ ہلال ہوتا
احکامِ عیدِ قرباں کرتا تھے اُن کو جاری — عاشق اگر نہ ملتا مینڈھا حلال ہوتا
مانا کہ سیمتن ہے لیکن بخیل از حد — عُشاق مانگتے کچھ گر دہ دوال ہوتا
مجنوں پہ لوگ دیتے فرہاد کو فضیلت — شملے پہ کوہ کن کا گرا انتقال ہوتا
مٹھی سے پھر نکل کر دُزدِ حنا نہ جاتا — معشوق تو نہ ہوتا گر کوتوال ہوتا
آموں کی فصل میں وہ کھلواتے آم ہم کو — ٹپکا وہ چاہے ہوتا چاہے وہ پال ہوتا
کیا خوب؟ عہدِ پیری اور جوشِ عشقِ جاناں — باسی کڑھی میں پیدا کیونکر اُبال ہوتا
میں مار بیٹھتا گر وہ تو تکار کرتے — ویسا جواب دیتا جیسا سوال ہوتا
آب و ہوائے فطرت چولا اگر بدلتی — بطّخ حرام ہوتی کوّا حلال ہوتا
سب رند خوب پیتے بارش میں وہ پلاتا — اے کاش دوست اپنا کوئی کلال ہوتا
پڑھے لطیف ادب کے شعراب ظریف صاحب — محفل میں ہر طرف سے ہے یہ سوال ہوتا

ادبِ لطیف

ذرّاتِ دل میں پیدا ذوقِ کمال ہوتا — یعنی حواس میں بھی کچھ اختلال ہوتا
تھا مرکزِ خموشی اُدبُت وجود تیرا — تو کیا جواب دیتا گر کچھ سوال ہوتا
برقِ شباب رَوی کا ہو جذب لغزشوں میں — ساقی وگرنہ تجھ کو چلنا محال ہوتا
چندیا کھجا کے کہتا باناخنِ شکستہ — اے کاش میرے سر میں تیرا خیال ہوتا
اجزائے زندگانی گر منتشر نہ ہوتے — با وصفِ ناتوانی کیوں انتقال ہوتا
ساقی بیادِ بادہ مطرب بفکرِ نغمہ — اِک دوسرے کا پھر کیوں پرسانِ حال ہوتا
موجِ تبسّم اُن کی طوفانِ بدتمیزی — جس سے حباب دل میں جوشِ ملال ہوتا
از خنجرِ شکستہ وہ ذبح کرنے آئے — با گردنِ توانا میں کیوں حلال ہوتا

پھبتے نہیں ہیں تم پر یہ گیسوِ مسلسل — گسترده دام کیوں ہو پیچیدہ جال ہوتا
ہر روز فاقہ مستی پھر اُس پہ گھر گرہستی — از دستِ تنگ دستی جینا مُحال ہوتا
برقِ خرامِ جاناں گرتی جو آشیاں پر — مرغِ شکستہ پَر کو جینا وبال ہوتا
تیغِ جفا میں تیری آہن زبانیاں ہیں — خنجر بکف جو آتا اک انفعال ہوتا
حاجت روائے عالم اتنا مجھے بتا دے — وہ مُنہ کہاں سے لاتا جس سے سوال ہوتا
فطرت کے گر مخالف ہوتا سرورِ حاصل — اے غم کشوں کے داتا دل کو ملال ہوتا

اُن کی زباں میں حالت اپنی اگر نہ کہتا
بیشک ظریفؔ اُن کو سننا وبال ہوتا

غزل نمبر ۲۰ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۴

بحر۔ رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

نجد سے لیلےٰ کو لے بھاگا یہی الزام تھا — اونٹ بےچارہ اسی سے شہر میں بدنام تھا
مُفت کی اُلجھن کسی کی زلف جسکا نام تھا — کون سلجھاتا کہ وہ زنجیر تھی یا دام تھا
میں بُلاتا موت کو تو میرے سر الزام تھا — وہ خود آئی، منع کیوں کرتا، مجھے کیا کام تھا
میں نے پُوچھا وصل کی ترکیب کا کیا نام تھا — ہنس کے بولے صرف دو ہمجنس کا اِدغام تھا
غالبیّت کا جو دعویدار وہ خود کام تھا — شعر بھی اُس کا علی الرّغم مذاقِ عام تھا
کون معلوماتِ علمیّہ میں کرتا ہمسری — اُس کی ماں عَلّامہ تھی اور وہ بڑا علام تھا
دیکھ کر وہ چھاج سی ڈاڑھی جنابِ شیخ کی — مجھ کو یہ دھوکا ہوا گملے کے اندر پام تھا
تھا عِلاجِ دردِ سر اُس شوخ کا آشوبِ چشم — جیپڑ اُن آنکھوں کا تھا یا شیرۂ بادام تھا
اُسترا اِک ہاتھ میں تھا آئینہ اک سامنے — وہ بُتِ خودکام اپنا آپ ہی حجام تھا
ترش باتوں کا بھی دونگا میٹھی باتوں سے جواب — وہ اگر اِملی کہیں گے میں کہوں گا آم تھا

محفلِ جاناں میں اک اِندر سبھا کی شان تھی
راجہ اِندر غیر تھا اور وہ حسیں گلفام تھا

ناقہ جب بھاگا تو بھاگا نجد سے قبلے کی سمت
دُم کے پیچھے قیس تھا آگے خدا کا نام تھا

اِک چراغِ دل کے بجھنے سے ہوا کُل جسم سرد
عاشقِ خوں گرم دلّی کا مگر حمّام تھا

آخر اس بزم ادب میں کیوں چلے آئے ظریفؔ
یہ نہ سمجھے تم ظرافت کا یہاں کیا کام تھا

غزل نمبر ۱۲ ردیف الف تعداد ابیات ۲۸

بحر رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فعِلاتن فعِلاتن فعِلات یا فعِلن

صاحبیت سے زباں بگڑی یہ الزام آیا
مُنہ میں اُنکے سُور آیا کبھی گدھا آیا

شمع کے پاس جو پروانہ سرِ شام آیا
خودکشی کرنے کا بیچارے پر الزام آیا

جب مسلسل ہوا اظہار پریشانیِ زلف
یار کے سر یہ بھی افلاس کا الزام آیا

آگئیں یاد ہمیں یار کی چپڑی آنکھیں
دیکھنے میں جو کبھی شیرۂ بادام آیا

دھجیاں ہو کے اُڑے بندِ قبا اور قبا
جب سے اچکن بنی اور کاج میں تو کام آیا

نامہ بر آپ اجل کے ہیں یہ معلوم ہوا
آپ جب آئے کہ جب موت کا پیغام آیا

عہدِ تیمور میں لنگڑا جو بنارس سے گیا
غل تھا دربارِ شہنشاہ میں ہمنام آیا

آگئی آنکھ جو ساقی کی تو سمجھے میخوار
مے گلرنگ کا لبریز کوئی جام آیا

نغمے بلبل کے نہیں اب ہے کنیری کی صدا
باغ میں پہلے جہاں گل تھے وہاں یام آیا

خانساماں کی ضرورت ہے جوانی میں اُسے
جس کے بچپن میں کھلائی کا کرے کام آیا

ہچکیاں آئیں دمِ نزع تو عقدہ یہ کھلا
موت اب آتی ہے بے تار کا پیغام آیا

بھاگا مقتل سے بچی جان ہزاروں پائے
آج اپنا دلِ ناکام بڑے کام آیا

داہ جو مونڈلے ہوتی ہے اُسی کی عظمت سب کے سر جھکتے ہیں جب سامنے حجام آیا
اُن کے کوچے میں ہو ناکام کی صرف آمدورفت ایک ناکام گیا دوسرا ناکام آیا
شعر میں شوکتِ الفاظ ہو اور کچھ بھی نہ ہو نسخہ اچھا ہے ظریف اور بڑے کام آیا
اب اُسی رنگ کے اشعار سناؤں دو چار میں گنہ گار جو مطلب کا کہیں نام آیا

ادب لطیف

محشرستان جنوں میں دلِ ناکام آیا نالہ ہنگامہ نوازی پہ سرِ شام آیا
پھر از روئے معلی جو لبِ بام آیا دیکھئے دیکھئے اب دھوپ گئی گھام آیا
برق کی شعلہ نوازی سببِ طولِ حیات فطرتِ موت تری زیست کا ہنگام آیا
منتشر ہو گئے جس وقت سب اجزائے حیات قطرہ دریا میں بہ اندازۂ انجام آیا
توسنِ عمرِ گریزاں کی سُبک رفتاری کام دیتی نہیں جب موت کا پیغام آیا
مرکزِ روح یہ ہے کشمکشِ موت و حیات پھر بھی وارفتگیِ شوق پہ الزام آیا
میں وہ آسودۂ سوز خلشِ مژگاں ہوں جس کو راہِ طلبِ شوق میں آرام آیا
طُور سے اک کششِ مشق تھی صورت گرِ شوق تجھ پہ اے وادیِ ایمن عبث الزام آیا
سرد مہری سے کسی کو جو ہوئی حاجتِ غسل گرم جوشی کو بغل میں لئے حمام آیا
زُلف کے جال میں معشوق کا سر ہے خود بھی قیدیو مژدہ کہ صیاد تہِ دام آیا
قبر سے راستہ سیدھا ہے خدا کے گھر کا جو اُدھر جانے لگا باندھ کے احرام آیا
ہے اگر نام اسی کا ادبیاتِ لطیف تو ظریف اُسکو کہیں کیا جسے یہ کام آیا

غزل نمبر ۲۲ ردیف الف تعداد ابیات ۶

بحر ہزج مثمن اشتر
ارکان فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن

جنوری کی چوتھی کو شاعروں نے کیا پایا شاعری کا اعرابی اونٹ پر چڑھا پایا

شرع کا اثر ایسا طرح میں گھسا پایا — جو پڑھا خوش الحاں بھی اُس کو بے سُرا پایا
حق یہ ہے ڈفالی نے گا کے کیا مزا پایا — بول اٹھا ربانہ بھی ہم نے مُدعا پایا
اونٹ پر چڑھے جب ہم اور مُنہ سے کچھ بولے — شعر یوں ہوا موزوں جیسے کچھ پڑا پایا
طرح کیا کہ گھٹیا ہے بحر کیا کہ لقوہ ہے — نظم کے لئے بیٹھے ایک عارضہ پایا
وزن کی لگی ٹھوکر ہو گئی زباں لنگڑی — شعر کہہ کے یہ ہم نے دردِ لادوا پایا
شاعری کے موج آئی اُسپہ بھی ٹرے موزوں — طرح نے طبیعت کو جرأت آزما پایا
اس طرح پہ جب نالہ مُنہ سے بے تکا نکلا — کھا گیا قلا بازی اِس سے نارسا پایا

اے ظریف گو پانی ابھی سال کم برسا
تو بھی مثل مینڈک کے شعر کوُدتا پایا

غزل نمبر ۲۳ — ردیف الف — تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تناسخ ہے جنم لینا اِدھر آنا اُدھر جانا — ہزاروں بار جی اُٹھنا ہزاروں بار مر جانا
خیالی ہجر میں فرضی مریضِ غم کا مر جانا — یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹکے پل سے اُتر جانا
دولتی سے سمندِ ناز کی عاشق کا مر جانا — یہی تو ہے طویلے کی بَلا بندر کے سَر جانا
رخِ روشن کی جھریّ حسن کا گویا ٹھٹھر جانا — قیامت ہے کسی معشوق کا سِن سے اُتر جانا
مری آہ نکی تو یوں کلّ وہ خالی خولی سر ہونا — وہ اُن کا لاٹ صاحب کیطرح غیر فنکے گھر جانا
مجھے تو راستہ چلنے میں بھی اب خوف آتا ہے — سُنا ہے جب سے مرجانیکو کہتے ہیں گذر جانا
وہ ضبطِ آہ سے عاشق کی بے چینی معاذ اللہ — وہ اکثر کروٹیں لینا وہ پیٹ اُسکا پھر جانا
مہذّب چوٹّا پن ہے یہ معشوقِ خیالی کا — کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا

مریضِ ہجر پر فالج کا گرنا سرد مہری ہے | وہ آخر تختۂ مشق اطبّا کا بَر رجانا
بھگانا دیکھ کر بکٹٹ وہ اُسکا اپنے ناقے کو | میاں مجنوں کا چلّانا کہ بی لیلیٰ ٹھہر جانا

جو آنا رہ گئے میں گلگئے مضمون کے لے کر
ظرائف اچھا ہے اردو شاعریکا طاق بھر جانا

غزل نمبر ۲۴ ردیف الف تعداد ابیات ۲۰

بحر مضارع اخرب مکفوف مقصور یا محذوف | ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیل فاعلات یا فاعلن
شادی ہوئی کسی کی تو وہ شاد ہو گیا | سُسرے کی بیٹی بیاہ کے داماد ہو گیا
ہندو نہ کس طرح سے ہوں اس لفظ پر خفا | جب بار بار سب تہیں برباد ہو گیا
جرّاح وہ ہے کرتا ہے زخموں کا جو علاج | جب اُس نے فصد کھولی تو فصّاد ہو گیا
کہتے تھے جس کو لوگ چڑیمار ہند میں | ملکِ عرب میں جاتے ہی صیّاد ہو گیا
شاگرد سے یہ کہتے ہیں مکتب میں مولوی | چھٹّی دی جاؤ گھر جو سبق یاد ہو گیا
مجرم سے کہہ رہے تھے یہ اکدن مجسٹریٹ | دِل تم کو تین ہفتے کا میعاد ہو گیا
شاگرد سے خلیفہ ہوا اُس سے جب بڑھا | مشہور سب میں بس وہی اُستاد ہو گیا
سمجھے گا اب تو شورشِ پنہانِ اہلِ دل | بیداد گر کے خوب ہوا داد ہو گیا
در عشق خاک گشتم و برباد می شدم | میں خاک ہو کے عشق میں برباد ہو گیا

پڑھیے لطیف ادب میں بھی کچھ شعر اب ظرائف
جو فن کے چند روز سے ایجاد ہو گیا

ادبِ لطیف

دل میں خیال شکل پری زاد ہو گیا | ناقوسِ برہمن خطِ حدّاد ہو گیا

نخچیرِ مشکِ نافۂ بہزاد ہو گیا　　داغِ زمینِ باغ کا شمشاد ہو گیا
ممکن تھا حلق صورتِ دنداں نمائے عنبر　　مثلِ گُلِ شجرِ سرِ جلّاد ہو گیا
جسمِ عروسِ نکہتِ باغِ ریاض میں　　تاجِ خروسِ گلشنِ فرہاد ہو گیا
معنیِ رشتۂ خطِ نوخیز سبزہ زار　　گُلدستۂ ہُما دِلِ شدّاد ہو گیا
برگِ حبابِ موج درختِ سوادِ نُور　　مثلِ ضیائے آتشِ فرہاد ہو گیا
یہ پرورش ہے گادِ فلک کی کہ بڑھتے ہی　　آہو کا بچّہ ناقۂ بغداد ہو گیا
حالِ کفِ سمند کا سب خون بہہ گیا　　محوِ جمالِ ناز جو حدّاد ہو گیا
کلکِ قلم مداد دواتِ سیاہ رو　　چاقو سے کٹ کے مالکِ فرہاد ہو گیا

جب سے ہُوا لطیفِ ادب کی جلی ظرافت
اُردو میں جو خزانہ تھا برباد ہو گیا

نوٹ۔ لہ گیا اس جگہ بطور اسم کے استعمال ہوا ہے ہندوؤں کے تیرتھ کا ایک مقام ہے۔
لہ "ادبِ لطیف" وہ صنف کلام ہے جس میں شاندار با معنی لفظین استعمال کی جائیں مگر عبارت کا مفہوم کچھ نہ ہو۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ۲۵　　ردیف الف　　تعداد ابیات ۳۲

بحرِ رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف　　ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

شعر گوئی سے کبھی تم نہ ہراساں ہونا　　ساتھ مشکل کے اگر آئے نہ آساں ہونا
پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہ ماں ہونا　　اور وہ نالۂ و فریاد کا جرڑواں ہونا
پھر ہے جا کے پلٹنا نہ مرے نالوں کا　　دونوں کانوں کا نکا ترے بھول بھلیاں ہونا
مولوی قیس کا وہ یادِ رخِ لیلیٰ میں　　محوِ دیباچۂ گلزار و دبستاں ہونا

گھر تمھارا ہے نہ کچھ باپ کا اُسکے گھر ہے — غیر کے ساتھ مرے گھر میں نہ مہماں ہونا
خانساماں کئی صاحب کے گئے لینے مول — سُن کے اُنکے لبِ خنداں کا نمکداں ہونا
یار تمبا کو کا پنڈا ہے اگر ہو نے دو — تم کو اے آنکھو! مناسب نہیں ٹپیاں ہونا
سب یہ ظاہر ہوا عشّاق کے بہکانے سے — رُخِ روشن کا ترے غولِ بیاباں ہونا
یوں ہی وابستہ ہے عاشق کی خوشی زلفوں سے — جس طرح عید میں تقسیم سوّیاں ہونا
مانگے۔ بھیک تو زلفوں کو نہ دیکھا ہم نے — شعرا باندھتے ہیں اُن کا پریشاں ہونا
کھیل عاشق کے لئے تھا شب تنہائی میں — قلبِ مضطر سے وہ میری مری گویاں ہونا
وہ منڈلائے ہوئے سرِ وصل میں آنا اُن کا — مختصر قصۂ طولِ شبِ ہجراں ہونا
آگ کی طرح دہکنا وہ ترے چہرے کا — اُسپہ عاشق کے کلیجے کا وہ بریاں ہونا
خوب نقدِ دلِ عشّاق کو لوٹا تو نے — شہد تن یہ ہے اِسے کہتے ہیں نیتاں ہونا
چھڑھ کے اک بیل کے منھ پر یہ کہا چھنکے نے — مجھ کو آتا ہے ترے حلق کا دَرباں ہونا
یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دو ہمیں — یا تو باندھا نہ کرو شمع کا عُریاں ہونا
جا کے جنگلے سے رقیبوں کی پکڑ لینا ٹانگ — کبھی دیوانہ جو تو اے سگِ جاناں ہونا
ما مقیمان وہ درِ یار پہ پڑھنا میرا — اُن کے چہرے کا وہ غصّے سے گلستاں ہونا
وہ مجھے خواہشِ وصل اُنسے بہ تخئیل جدید — وہ بہ تخئیلِ قدیم اُن کا گریزاں ہونا
تھامنا قیس کا وہ ناقۂ لیلیٰ کی مہار — نوکدُم بھاگنا وہ اُس کا ہراساں ہونا
میز پر کھول کے رکھدینا وہ ٹائی کالر — وہ بہ تہذیب مرا چاک گریباں ہونا
صاف لفظوں میں کہے ہلتے ہوئے دانتوں کا ثبوت — دہنِ یار کا دُرجِ دُرِ غلطاں ہونا
آئینہ خانے میں اب ایک نیا عالم ہے — آپ ہی آپ ہیں اور آپ کا عُریاں ہونا
بیسوں عشّاق بلا ناغہ پٹا کرتے ہیں — روز ہوتا ہے کسی کوچے میں گریاں ہونا

در و دیوار یہ کیوں کانپ رہے ہیں تھر تھر
کیا مرے گھر میں گھس آیا ہے بیاباں ہونا

حیف اُس مُشتِ پر و بال کی سرسبزیٔ بخت
جسکی قسمت میں کہ ہو یار کا ٹیّاں ہونا

غالبؔ و میرؔ کے پیرو جو ہیں اُردو میں ظریفؔ
اُن کو اس عرس[۵] میں لازم ہے غزلخواں ہونا

دُم[۵] ریز غزل مذکور

شمع کی طرح کسی بزم میں عریاں ہونا
اس سے بہتر ہے چراغِ شبِ ہجراں ہونا

یہ تو انکار نما شکل اک اقرار کی ہے
آپ کی سمت سے ہر بات پہ جی ہاں ہونا

بال پڑنا دلِ عشاق کے آئینے میں
ہے ترا سبزۂ رُخسار نمایاں ہونا

ہے سرِ دست کتابت کی ترقی کا ثبوت
فاؤنٹن پن کا بتدریج قلمداں ہونا

شاعری کا اُسے سیلاب سمجھتا ہوں ظریفؔ
گھاگھرا پار کہیں جا کے غزلخواں ہونا

نوٹ ۔ ۱ تماکو فروش پہلے تماکو کے بنڈے پر کوڑیاں رنگ برنگ اور ٹیّوں کو چپکا کر گل بوٹے بناتے تھے مگر اب یہ رسم باقی نہیں ۲ ستیاں لکھنؤ میں ایک شخص کا نام تھا جو شہدوں کی جماعت کا چودھری تھا ۔ ۳ ہندوؤں کا ایک تہوار ہے جسمیں کپڑے کی چھوٹی چھوٹی گڑیاں بنا کر لڑکے چوراہوں پر لیجا کے جھانکرڈ کی رنگین چھڑیوں سے پیٹتے ہیں اور اکھاڑوں کے پہلوان اسی روز لیزم ہلاتے باجا بجاتے نکلتے ہیں ۔ ۴ معیار کا یہ سالانہ مشاعرہ ۱۱ ستمبر ۱۹۰۹ء کو لکھنؤ میں ہوا تھا ۔ اس میں یہی طرح کی گئی تھی ۔ ۵ دم ریز غزل کے چند شعر گھاگھرا پار کے ایک مشاعرے میں پڑھے گئے تھے

غزل نمبر ۲۶ — ردیف الف — تعداد ابیات ۲۰

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

بے خبر سوئے جو عاشق مُفت الزام آگیا
ساتھ خرّاٹوں کے لب پر آپ کا نام آگیا

کیوں نہ ہو لیکھوں بھری زلفوں میں مُرغ دل اسیر
چاہیئے کیا اور دانہ آگیا دام آگیا

آنکھ کھولے بزم میں تھا ساقیِ گردن بلند
بادہ کش سمجھے صراحی آگئی جام آگیا

قوّت نظارہ سمجھیں یا اِسے تمکینِ حُسن
پھٹ پڑا بھنچّا جہاں وہ بت لبِ بام آگیا

بال سب مکڑی کے جالے میں اُلجھ کر رہ گئے
دامِ صیّادِ جفا جو خود تہِ دام آگیا

جب گریباں کی جگہ تہذیب سے کالر نے لی
ساتھ ہی بندِ قبا کی جا پہ بوتام آگیا

کافرِ عشقِ بتاں کا دیکھئے کیا حشر ہو
جب پکارا رام کو آرام آرام آگیا

رات بھر عشّاق اُلٹے خواب میں لٹکے رہے
دلکا چمگادڑ جو زلفوں پر سرِ شام آگیا

رکھتے ہیں نادار عاشق سر میں پھر سودائے خام
مژدہ بادا ے دِل کہ بیگا لین کا نیلام آگیا

گدگداتا ہے ہر اک پہلو کو اُٹھ کر بار بار
دلگی کرنے لگا جب درد آرام آگیا

سر بسر اصلاح کیسی مونڈنا مقصود تھا
لیکے الٹا اُسترا ہاتھوں میں حجّام آگیا

کہتا تھا صیّاد کر کے روز دانتوں میں خلال
ایک ایک تنکا نشیمن کا مرے کام آگیا

پڑھ کے اشعارِ غزل ہو جاؤں چُپ کیونکر ظریف
قابلیت کچھ تو ظاہر ہو وہ ہنگام آگیا

ادب لطیف

اُن کا ابروئے ہلالی برق صمصام آگیا
آفتابِ جلوہ افروزی لبِ بام آگیا

ہو گئے عاشق نفر"و اللہ اللہ رعبِ حُسن
ہمہمہ کرتا ہوا گویا کہ ضرغام آگیا

حُسن کی تبخالہ ریزی نے دکھایا یہ اثر
شمع رُو کا منہ دمِ جذباتِ دُشنام آگیا

مہرِ عالم تاب جسکا آسماں پر تھا دماغ
قبضۂ ذرّات میں رعشہ بر اندام آگیا

نرگسِ مخمورِ لیلیٰ قیس پر تھی طعنہ زن
لو خمستانِ جنوں کا بادہ آشام آگیا

اشک نے قطرہ زنی کی چشم عاشق سے جہاں
غُل ہوا جلوا فروشِ مغز بادام آگیا

کیا لطیف اُردو ادب ہوتا ہے ایسا ہی ظریفؔ
آئی اُبکائی زباں پر اُسکا جب نام آگیا

نوٹ ۔ سلہ لکھنؤ حضرت گنج سول لین میں ایک انگریزی دُکان اسی نام سے مشہور تھی جہاں لوگ نیلام کے لئے اپنی چیزیں بھیجا کرتے تھے ۔ صؔفی عفی عنہ

غزل نمبر ۲۷ ردیف الف تعدادِ ابیات ۵

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ۔ ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

گو ندانی وقت پر ملتی نہیں ہمپر کُھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

یار نے اُلٹی رُخ روشن سے جالی کی نقاب
اور میں سمجھا دُکانِ حُسن کا شٹر کُھلا

اک سمندِ ناز جب دوڑا دولتّی جھاڑتا
میں یہی سمجھا طویلے سے کوئی خچّر کھُلا

پاسباں کوئی نہ ہو جب کیوں نہ پھر گھس جائیں ہم
مثلِ غالبؔ یار کا دروازہ پائیں گر کھُلا

اسقدر ہے مختصر چادر معیشت کی ظریفؔ
پاؤں پھیلائے فراغت کے لئے تو سر کھُلا

غزل نمبر ۲۸ ردیف الف تعدادِ ابیات ۷

بحر ہزج مثمن سالم ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بگولے ناچتے تھے نجد میں اور قیس عریاں تھا
یہ سب کیا تھا فقط لیلیٰ کی دلچسپی کا ساماں تھا

مرا دل ڈاک بنگلہ اور تصوّر خانساماں تھا — خیالِ یار جنٹلمین کیصورت سے مہماں تھا
جنوں اک شعبدہ تھا میرے خاک اڑتے ہوئے دل کا — کبھی گھر تھا بیاباں میں کبھی گھر میں بیاباں تھا
اجی فرہاد تو تھا بھوٹیا اور قیس تھا کنجڑ — وہ رہتا تھا پہاڑوں پر مکاں اسکا بیاباں تھا
منڈا کر ہو گیا اب فارغ البال اُنکی اُلجھن سے — مرا معشوق زلفوں سے بہت اپنی پریشاں تھا
مُقدّس کیوں نہ جانیں اس کو ہندو مولوی صاحب — گئو مُتر آپ سمجھیں ہیں جسے وہ آبِ حیواں تھا

ظریف اُس کو طلسمِ بحرِ ہستی کیا نظر آتا
جو عاشق اُنکا کچھوے کی طرح سر در گریباں تھا

غزل نمبر ۲۹ — ردیف الف — تعدادِ ابیات ۸

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

حُسن کی دُنیا میں اک اندھیر برپا کر دیا — عشق نے جبدن سے بی لیلیٰ کو بیلی کر دیا
تم کو جھنڈے پر چڑھا کر اور رسوا کر دیا — عشق نے یہ کام بھی لگّے میں لگّا کر دیا
کسقدر زندہ کئے کتنوں کو اچھا کر دیا — تم مسیحا تھے بھی یا تم کو مسیحا کر دیا
کھاتے پھرتے ہیں قلا بازی فراقِ یار میں — عشق کو لوگوں نے سرکس کا تماشا کر دیا
صدقے اس فیشن کے کیا کہنا حسینانِ فرنگ — پٹے رکھ کر حسن کو تم نے لنڈورا کر دیا
تربتِ عُشّاق پر آئے تو ماریں ٹھوکریں — اُلٹے شکوہ کر رہے ہیں وہ کہ لنگڑا کر دیا
اک سمندِ ناز کو تخئیل کے میدان میں — شاعروں نے اتنا دوڑایا کہ لنگڑا کر دیا

ہو گیا بوہارہ دو کوڑی کا اُسدن سے ظریف
بند لینا جب سے ان بنیوں نے دھیلا کر دیا

غزل نمبر ۳۰ — ردیف الف — تعداد ابیات ۲۴

قطعۂ تمہیدی

بحر رجز مثمن مطوی مخبون — ارکان مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

خون کی گردشیں نہ تھیں دورِ شرابِ ناب تھا — مست تھے بے پیئے ہوئے یہ اثرِ شباب تھا
اب نہ وہ دل میں ولولہ اور نہ شوقِ شاعری — دیکھ کے بھول بھی گئے جس کو یہ ایسا خواب تھا
ہو کے خموش بن گئے گوشہ نشینِ عافیت — فکرِ سخن نہ تھی کبھی جان پر اک عذاب تھا
شرکتِ بزمِ شاعری ہے فقط امتثالِ حکم — ورنہ ظریفؔ اب ہمیں اس سے بھی اجتناب تھا
طرح میں شورِ اضطراب ہم میں سکونِ خامشی — کہئے کہیں تو کیا کہیں قلب میں پیچ و تاب تھا
دفعتہً آ گیا خیال کیجئے اُسی کا اتباع — جس کا کلام منتخب اپنا ہی خود جواب تھا
جوش میں آبشارِ فکر جس کی رواں بشکلِ سیل — جسکا ہر ایک شعرِ تر رُو کشِ صد حباب تھا
اُسکے جمالِ فکر کا میری غزل ہے آئینہ — اے کہ مری نظر میں جو شاعرِ لاجواب تھا

غزل در صنعتِ ادب لطیف

در پئے رقصِ متصل زمزمۂ رباب تھا — شکوۂ حریمِ ناز میں شورِ صد اضطراب تھا
مطلع
میکدۂ جنوں میں تھا تارِ نظر رواں دواں — دل کی رگوں میں شعلہ ریز یوں اثرِ شراب تھا
دستِ اجل نے کر دیا ربطِ زندگی خموش — تارِ رگِ گلو ہنوز مائلِ اضطراب تھا
کاہشِ ناخنِ حیات عقدہ کشائے زندگی — موت کے دستِ شوق میں دامنِ انقلاب تھا
جامِ شراب برق ریز اُف تری گرمیِ وجود — قلب برشتہ کباب مرکزِ التہاب تھا
منظرِ آبشارِ حسن ہوش و حواس لے اُڑا — پردے میں مستتر ہنوز جلوۂ بے نقاب تھا

برق کی خندہ ریزیاں ابر کی کالی راتیں — رد ئے تبسم آشنا شرح کنِ حجاب تھا
کشتِ عمل کا سبزہ زار چونک کے لہلہا اُٹھا — وجد میں جھومنے لگا پہلے جو مستِ خواب تھا
شیفتگیِ چشمِ عشق تو نے نہ دیکھنے دیا — جلوۂ حسنِ بے نقاب روکشِ آفتاب تھا
دل کی رگوں کی گتھیاں عشق سے کیا سلجھ سکیں — کاکُلِ عنبریں کا خم حاملِ پیچ و تاب تھا
اے کہ تری سُبک روی درس دہِ نسیمِ صبح — جبکہ حریمِ ناز میں حُسن کو ذوقِ خواب تھا
لرزشِ تارِ بے صدا باعثِ ارتقائے حسن — پھر بھی سکوتِ نغمہ میں نالہ کامیاب تھا
حالِ گذشتہ اس طرح لوگوں سے کیجئے بیاں — پوچھے اگر کوئی ظریف کہئے کہاں جناب تھا
صاف سا ایک قطعہ ہی خیر اسے بھی پڑھ نہ دو — جو کہ تمھاری رائے میں خارج از انتخاب تھا
دِلّی دلکھنؤ میں جب چھڑ گئی بحث جنسیت — ق اِسنے کہا نقاب تھی اُسنے کہا نقاب تھا

پردے نے اُٹھ کے دفعتہً دونوں کا فیصلہ کیا
اب جو نظر پڑی تو صاف اک رُخِ بے حجاب تھا

غزل نمبر ۱۳ — ردیف ت — تعدادِ ابیات ۱۸

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

مصرع طرح

دال دھوئی ماش کی کھاتی ہے نازک خوئے دوست — ”بالش و بستر سے محشر آرہی ہے بوئے دوست“
کی جو کر یا غیر کی، ہیں صاف چار ابروئے دوست — چودھویں کا چاند گویا ہو گیا ابروئے دوست
نیل کا گدنا میں گودوں گا سر بازوئے دوست — ہاتھ سے اپنے کروں گا ایکدن اُتوئے دوست
عاشقانِ زرد رو کے طائرِ دل ہیں مقیم — ڈوبنے کے جھونجھ ہیں اُلجھے ہوئے گیسوئے دوست
دشمنوں کی زد سے بچتا ہوں ہیں اُسکی آڑ میں — عافیت کے قلعے کا دمس ہے مجھے پہلوئے دوست
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں ملتا نہیں — آ گئی چوڑی سڑک میں سب نے مین کوئے دوست

آبداری آئی جب خنجر پہ بھاگے جاں نثار — ہو گئے بیکار پیری میں سفید ابروئے دوست
کھوپڑی عاشق کی پل جاتی ہے دیوالی میں جب — جاگتا ہے مرگھٹے پر رات کو جادوئے دوست
شام تک عشاق کو ہوتا نہیں کھانا نصیب — دیکھ لیتے ہیں سحر کو اٹھ کے جبدن روئے دوست
اُسپہ سر رکھتے ہی عاشق ہو گئے انٹا غفیل — نرم تھا سنبھل کے تکیے سے سوا زانوئے دوست
فرض کیجے اِک طویلہ مجمع عشاق کو — اور بندر اُس طویلے کے لئے ہے خوئے دوست
یاالٰہی اسقدر ہو عمر کی رسّی دراز — دیکھتے ہی دیکھتے ہو جائیں سن گیسوئے دوست

شعر کچھ ہندی قوافی میں بھی پڑھیئے اب ظریف
کر رہی ہے یہ اشارہ نرگس جادوئے دوست

حسن کے دلکش طویلے میں ہو بندر خوئے دوست — ہے سمندِ ناز یا اڑیل کوئی ٹٹوئے دوست
کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے — دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تم نے اگر لسوئے دوست
تالیاں کوٹھے کی چھت پر متصل بجتی رہیں — رات بھر دیتا رہا اسپیچ اک الوئے دوست
ساقیا دے جام تو اوروں کو بزمِ یار میں — میری سیری کے لئے کافی ہے اک چلوئے دوست

جاگ اُٹھے تم صبحدم آواز سے جسکی ظریف
ریل گھر کا تھا وہ بھونپو یا کہ تھا بھونپوئے دوست

غزل نمبر ۳۲ ردیف ر تعداد ابیات

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تصدق ماگھ میلا اس ہجومِ کوئے قاتل پر — وفورِ شوق میں بسمل چڑھا جاتا ہے بسمل پر
صدائے نالۂ مجنوں سے بھڑکا ناقہ لیلیٰ — کبھی ناقے پہ محمل تھی کبھی ناقہ تھا محمل پر
شہیدانِ وفا کا خونِ ناحق رنگ لایا ہے — اُگی ہے لال چولائی زمینِ کوئے قاتل پر

کمر موٹی لنڈورے بال سینہ صاف قد لانبا
ہزاروں ہیجڑے صدقے بتان فیشن ایبل پر

خطا پیشاب ہو جب امتحانگاہِ محبت میں
تو سمجھو دھار رکھدی عاشقوں نے تیغِ قاتل پر

محبت کے اکھاڑے میں ہے حسن و عشق کی کشتی
کبھی بسمل پہ قاتل ہے کبھی بسمل ہے قاتل پر

ظریف اِس کو تو خالی لب کی شیرینی سے مطلب ہے
فضیلت ہے، اِلہ آباد کے امرود کو دل پر

غزل نمبر ۳۲ ردیف ٹ تعداد ابیات ۱۵

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ظلم کا لگّا لگا کر آشیانوں کو نہ چھیڑ
بلبلیں صیّاد چپ ہیں بے زبانوں کو نہ چھیڑ

باغ اگر اجڑا تو پھر بولینگے الّو اس جگہ
ہمصفیر اچھّا نہیں ہے باغبانوں کو نہ چھیڑ

اُن کے عاشق کر نہ دیں ہڑتال اسکا خوف ہے
حُسن کے چلتے چلاتے کارخانوں کو نہ چھیڑ

سو سیانے ایک مت تونے سُنی ہوگی مثل
یہ سراسر بیوقوفی ہے سیانوں کو نہ چھیڑ

دیکھتے ہیں دوست اور دشمن کو جو اک آنکھ سے
دیکھ اندھا ہو نہ ظالم ایسے کانوں کو نہ چھیڑ

مادہ رُدیوں سے نہ لڑ مردانگی کے ہے خلاف
گالیاں دینے لگیں گے اِن زنانوں کو نہ چھیڑ

خاں بہادر جو نہیں لے تیغ تو اُنسے نہ بول
دلّگی میں اِن امیٹیشن پٹھانوں کو نہ چھیڑ

اُنکی گنتی ہے نہ زندوں میں نہ مُردوں میں شمار
پاس ہوں جو بڈل ایسے نیم جانوں کو نہ چھیڑ

تجھ کو آثارِ قدیمہ کی حفاظت چاہیئے
لے نئی تہذیب کے پتلے پرانوں کو نہ چھیڑ

حیثیت سے اُنکی بڑھ کر باندھ دینگے اُنپہ ٹیکس
ڈالکر چھپّر رہا کر اب مکانوں کو نہ چھیڑ

یہ کچل ڈالینگے موٹر اپنا ہاتھی ریل کر
کھدّو شوفر سے ارے تو فیل بانوں کو نہ چھیڑ

چڑھ کے زپلین پر نہ اترا اور نہ ہو اتنا بلند
اَے زمیں کے رہنے والے آسمانوں کو نہ چھیڑ

تانا نانا توم نا - ورنا تنانا توم نا | جب بجے انگلش پیانو اِن ترانوں کو نہ چھیڑ
کہہ گُل وبلبل کا قصہ کیوں کلب میں بیٹھ کر | محفل نو ہیں پُرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

لکھنؤ سے پہونچے منصوری تک آواز ظریف
ہم سے لازم تھی ہمارے مہربانوں کو نہ چھیڑ

نوٹ - بتاریخ ۲۳ راگست ۱۹۲۸ء اس طرح میں مشاعرہ بمقام مونٹ کلیر کوہ منصوری حسب تحریک راجہ نواب علی خان تعلقدار اکبرپور بفرمائش مہاراجہ صاحب بہادر ریاست کلسیا باہتمام امرکیت سنگھ پرائیوٹ سکریٹری منعقد ہوا تھا اور ظریف بذریعہ تار بلائے گئے تھے۔ صفی عفی عنہ

غزل ۳۴ ردیف م تعداد ابیات ۹

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف | ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

مانگ شیریں کی ہے لے فرہاد جوئے شیر غم | ٹانگ مجنوں ناقۂ لیلیٰ کی ہے شہتیر غم
کیوں نہ ہو تانیثِ عشرت حاصل تذکیر غم | بی خوشی زیب النسا ہیں بنت عالمگیر غم
لفظ غم میں میم ہے اور میم ہے کبڑی کی شکل | ہے غلط جو باندھتے ہیں شعر میں شہتیر غم
ایک نر اک مادہ پھر توام جو دونوں میں یہ کیا | یا ہے غم شوہر خوشی کا یا خوشی ہمشیر غم
گر نہ ہو باور چھری سے کاٹ کر تم دیکھ لو | پیاز کی آنڈی کے اندر ہی گھُسی تاثیر غم
اِس سے بہتر مل نہیں سکتا ہے بیضاوی فرم | دِل کے آئینے میں رکھنا چاہیئے تصویر غم
بڑھ گئی چوٹی جب اُس بُت نے کیا کریا کرم | ہو نہ ہو بس ہے یہی لے برہمن زنجیر غم
"بر سر اولادِ آدم ہر چہ آید بگزرد" | خُلد سے آدم اُٹھا کر لائے تھے شہتیر غم

دیکھا ہے اکثر کلام صفیؔ ہم نے بھی ظریف
اس کا ہر مصرع ہے دل کیواسطے اک تیر غم

نوٹ ۔ سلہ ۵ محاورۂ اُردو میں کُبڑی اُس چھڑی کو کہتے ہیں جس کے اوپر کا سر اخمدار ہو۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۳۵ ردیف ن تعداد ابیات ۶

بحر خفیف مُسدس مخبون مسکّن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

میلا پانی بہا جو نالی میں — ہوگا چالان کوتوالی میں
تھا کبُڑے کا میل مالی میں — پھُول بھیجے ہیں اُسنے ڈالی میں
یار تھنوں چنے نہ چبواوٗ — نہ بھرو چھرّے اس دونالی میں
منصف اس شہر کے ہیں گویا قُطب — اِک جنوبی میں اک شمالی میں
قیس بُزدل پہ ناقۂ لیلےٰ — دانت پیسا کیا جگالی میں

گتھ گئے یوں ظریف دو مُلّا
مُرغ لڑتے ہیں جیسے پالی میں

غزل نمبر ۳۶ ردیف ن تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مُثمّن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فعلات یا فعلن

فارسی اُردو کو جب دست و گریباں دیکھوں — بینیم اے جاں رُخِ تو مُنہ ترا اے جاں دیکھوں
ہو اگر سوئے شفا خانۂ شاہی جانا — صورتِ ڈاکٹر و حالِ مریضاں دیکھوں
شبہ کیا ہے میں کہوں گا کہ گلہری ہو ضرور — کسی دیوار پہ گر مُو شکِ پرّاں دیکھوں
آبِ زر ادر کفِ دست و دلِ من رگِ پا — یاد آجائے جو گلزار دلستاں دیکھوں
کس لئے مجھ کو نہ دھوکا ہو بشر کا اُس پر — آدمی کو جو میں ہم صورتِ انساں دیکھوں
روز دریا میں حبابوں سے صدف کہتے ہیں — موتیا بند ہو گر میں تُو نیساں دیکھوں

دلمیں اپنے اُسے سمجھوں گا کہ ہے جو ہے داں — کسی دوکان پہ اگر مجلسِ موشاں دیکھوں
کیا خطا میری کہ ہوں ہند کا رہنے والا — چھپکلی سمجھوں اگر غنچۂ پنہاں دیکھوں
اپنے اشعار میں ہیں نظم کئے جتنے لُغت — اُنکے معنی بھی بتا دوں گا جو برہاں دیکھوں
اہلِ فارس جسے کہتے ہیں کہ آرے بگرم — ترجمہ اُردو میں اُسکا ہوا جی ہاں دیکھوں
مجھ سے فرمانے لگے خواجہ محمد یوسف — کچھ دنوں سیرِ گل وسنبل وریحاں دیکھوں
آئے دن خوب عدالت کے تماشے دیکھے — فصلِ گل آئی ہے اب چلکے گلستاں دیکھوں

مجھ کو رنواس کے معنے نہیں معلوم ظریف
لاؤ برہان ذرا لفظ شبستاں دیکھوں

نوٹ ۔ خواجہ محمد یوسف بھی میرے شاگرد تھے ۔ محلہ باغ شیر جنگ میں رہتے تھے اور ایک ماہانہ مشاعرہ کرتے تھے ۔ عدالت دیوانی میں عرائض نویس تھے لیکن پھر دکن حیدرآباد چلے گئے ۔ اور وہاں قانون پڑھ کر وکالت کا امتحان دیا ۔ یہ غزل اُنھیں کے مشاعرے کی طرح میں ہے ۔ تقریباً پچاس برس ہوئے ہوں گے جب یہ مشاعرہ ہوا تھا ۔ ظفی عفی عنہٗ ۔

غزل نمبر ۳ — ردیف ن — تعداد ابیات ۱۳

بحر مجتث مثمن مخبون مسکن مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

جفاکش اور بڑے بُردبار ہوتے ہیں — کہیں شریفوں سے بہتر کہار ہوتے ہیں
کسی سے چھُٹ کے جو کرتے ہیں شعلہ بار آہیں — تو یہ کہو دلِ عاشق انار ہوتے ہیں
لحد میں جاتے ہیں ہمراہ دیکھئے اعمال — نصیب ایسے کہیں یارِ غار ہوتے ہیں
اُنھیں کو سیر سپاٹے سے کام رہتا ہے — جو لوگ دہر میں بے روزگار ہوتے ہیں
بتوں کے دانت تو کوڑی کو بک نہیں سکتے — اِسی طرح کے دُرِ شاہوار ہوتے ہیں؟

کبھی یقیں نہ جانو یہ جھوٹ ہے بالکل — تمہارے نام پہ عاشق نثار ہوتے ہیں
حسیں جو چاہتے ہیں مرگِ عاشقِ لاغر — اگر یہ ہے تو بڑے ہی چمار ہوتے ہیں
وہ آنکھ پھوٹ نہ جائے یہ جسمیں رہتے ہیں — اگرچہ تیرِ نگہ دل کے پار ہوتے ہیں
جو واقعی نہیں مرتے ہیں دم چراتے ہیں — وہی میانِ لحد بیقرار ہوتے ہیں
دماغ کی بھی رطوبت ہی پھر تو آبِ گہر — اگرچہ اشک دُرِ آبدار ہوتے ہیں
شرابخوار، دغاباز، سنگدل، نازک — اسی قماش کے غزلوں میں یار ہوتے ہیں
سڑی مرا ہوا بھک منگا چیخنے والا — یہ عاشقوں کے لقب تین چار ہوتے ہیں

ظریف جن کی لڑکپن میں تربیت نہ ہوئی
وہ بڑھ کے اک شترِ بے مہار ہوتے ہیں

غزل نمبر ۳۸ ردیف ن تعداد ابیات ۸

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

درِ دلدار پر ہم اس طرح بستر لگاتے ہیں — کبھی اندر لگاتے ہیں کبھی باہر لگاتے ہیں
لحد پر اس لئے عشاق کی پتھر لگاتے ہیں — بچا لنگڑانے لگتے ہیں جہاں ٹھوکر لگاتے ہیں
نئی تکرار اپنے نیم جانوں سے نکالی ہے — کبھی جی جی کبھی بس رٹ ہیں وہ مر مر لگاتے ہیں
پرانے وقت کے معشوق جو ہیں اس زمانے میں — قبا اب تک پہنتے ہیں مگر کالر لگاتے ہیں
نئی تہذیب نے اتنا دماغوں پر اثر ڈالا — جنابِ شیخ اپنے نام میں مسٹر لگاتے ہیں
اڑا دیتا ہے دعووں میں اگر تو انسے بے پر کی — ترے عشاق آہوں میں اب اپنی پر لگاتے ہیں
جنوں ہنس ہنس کے کہتا ہے کہ میں مینڈھے لڑاتا ہوں — درِ دلدار پر عشاق جب ٹکر لگاتے ہیں
ظریف اغیار دیں کیوں دخل میری انکی باتوں میں — کہ وہ اقرار جب کرتے ہیں یہ چکر لگاتے ہیں

غزل نمبر ۳۹ ردیف ن تعداد ابیات ۱۳

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف — ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

نالۂ دل وہ جسے مشہور سب افغاں کریں
کیوں نہ اُس کے واسطے تیّار ہم تنباں کریں

اس طرح سے خانہ آبادی بہت ناداں کریں
بیاہ اپنے گڈّیکا جسدن کہ ہوں گُڑیاں کریں

ہیں قسائی تیز کردہ دشنۂ مژگاں کریں
دِل کوئی مینڈھا نہیں اپنا جو ہم قرباں کریں

گز بنائیں آنت رہ جائے اگر شیطان کی
اس سے پھر پیمائشِ طولِ شبِ ہجراں کریں

گوُل ہوں شفّاف ہوں ڈھلکیں برابر سطح پر
دانت ایسے ہوں تو نظم اُن کو دُرِ غلطاں کریں

عاشق و معشوق کا کیا گھر ہے کوئی اسپتال
جائیں جو بیمار پڑ کر خواہش درماں کریں

ہیں بڑے منحوس معشوق اچھے خاصے چُور ہیں
عاشقوں کا گھر یہ غارت گر اگر ویراں کریں

نالہ کش عُشّاق سے کہہ دو کہ اب تو بین بجائیں
مثلِ افعی بل جو اُن کے گیسوئے پیچاں کریں

لعل و گوہر ہیں تو بیچیں جوہری بازار میں
بند یا صندوقچے میں ولب و دنداں کریں

ڈول رسّی جانتے ہیں اب تو سقّے دیکھ کر
اور ہم دل کو اسیرِ کاکُلِ پیچاں کریں

کیوں سٹھائی ماش کی دال اور کھائیں سیٹھ جی
اب بڑے کھٹیا پہ توڑا رات دن بڑیاں کریں

بولیں اپنی بولیاں چھوٹے بڑے عُشّاق سب
ٹائیں ٹائیں لہبر اور ٹیں ٹیں ترے ٹیّاں کریں

جی چُرانا کام ہے اچھا نہیں کہہ دو ظریف
عاشق اُن کے جیل میں بیٹھے بنا دریاں کریں

غزل نمبر ۴۰ ردیف ن تعداد ابیات ۶

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف — ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

علم میں جھینگر سے بڑھ کر کامراں کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

اپنے ہمسن ہیں کہ جڑواں اُن کو کہنا چاہئیے | پیر ہیں ساتوں فلک انمیں جواں کوئی نہیں
ظلم ہے بادصفِ مہر اسکو کہیں نا مہرباں | آسماں سے بڑھ کے سچّا مہرباں کوئی نہیں
حضرتِ حوّا سے کچھ کم حضرت عیسیٰ نہ تھے | باپ اِنکا بھی نہیں گر اُن کی ماں کوئی نہیں
لکھنؤ دلی ہی نہیں شہروں پہ کیا موقوف ہے | ہر جگہ اہلِ زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

ہے مثل مشہور دستِ خود دہانِ خود ظریف
ہوٹلوں میں میہمان و میزباں کوئی نہیں

غزل نمبر ۱۴۱ — ردیف ن — تعداد ابیات ۱۲

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور یا محذوف | ارکان : مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

علی الصّباح جو مردم بکار و بار نہیں | بلا کشانِ محبّت بہ کوئے یار نہیں
کچھ ایسے رشکِ مسیحا کا اعتبار نہیں | خطا معاف گدھے پر بھی جو سوار نہیں
نہ ہو حضور کا عاشق جو بُردبار نہیں | شریف ہے وہ کوئی قوم کا کہار نہیں
ہمیشہ عاشقِ لاغر کے کوسنے والے | بتا دے کون ہے پھر تو اگر چمار نہیں
رقیب جان کے پھرتے ہیں اسکی دُم کیساتھ | جناب قیس کو ناقے کا اعتبار نہیں
یہ کہہ کے شوخ نے عاشق پہ کر دیا پیشاب | بھلا وہ تیغِ ادا کیا کہ جسمیں دھار نہیں
لگا کے ٹھوکریں کہتے ہیں میرے مرقد پر | ہماری ٹانگ نہیں یا ترا مزار نہیں
ہزار دل عاشقوں کے ہوتے آئے دن چالان | خدا کا شکر کہ معشوق تھانیدار نہیں
چباچبا کے پڑھیں شعر یہ نہیں آتا | پسند مونگ پھلی کی ہمیں ٹنگار نہیں
کیا ہے پیرِ مغاں نے یہ جاری آرڈنینس | گناہگار ہیں وہ سب جو بادہ خوار نہیں
اگرچہ اب وہ بلا ہیں تو کہدو صاف اُنسے | مشاعروں کا کوئی بندہ ٹھیکیدار نہیں

فضول خدمتِ فاضل میں کیوں گئے آخر
ظریف جب تمھیں کھانسی نہیں بُخار نہیں

غزل نمبر ۴۲ ردیف ن تعداد ابیات ۱۱

بحر مضارع اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاع لات مفاعیل فاع لات یا فاعلن

اے تھے کل وہ فاتحہ پڑھنے بخار میں
گرمی ہے آجتک مری خاکِ مزار میں

عُشّاق آپ کے چمنِ روزگار میں
بیٹھے ہوئے ہیں جو تجھ کے اندر بہار میں

پوچھا جو میں نے اُن سے کہ ہو کس شمار میں
ہنسکر کہا کہ ہم تو ہیں دو میں نہ چار میں

آوارہ گردیوں سے رہا کچھ نہ اِمتیاز
مجنوں میں اور اِک شترِ بے مہار میں

ہے واقعی یہ عشق کے موٹر کی بیٹری
بجلی بھری ہوئی ہے دلِ بیقرار میں

لنگڑا رہے ہیں قبر کو ٹھوکر لگا کے وہ
پتھر لگا ہوا تھا کسی کے مزار میں

اندھا اُسے سمجھیے بتائے جو کوئی فرق
میری شبِ فراق میں کالے بُخار میں

لاکھوں کو جھوٹ موٹ جو کرتے ہیں روز قتل
معشوق سب وہ بھیجدیے جائیں دار میں

جو رنج و غم اُٹھانیکے عادی ہیں راتدن
عاشق قُلی بنے ہیں وہ او آر آر میں

ہرچند تھے شریف چڑیمار بن گئے
حاصل ہوا یہ طائرِ دل کے شکار میں

یہ بُزدلی پسند نہیں ہم کو اے ظریف
ہر قافیے کے بعد کہیں بار بار میں

غزل نمبر ۴۳ ردیف ن تعداد ابیات ۱۶

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

یار مصروف رہا زُلف کے سلجھانے میں
دیر اِس وجہ سے اِسکو ہوئی پاخانے میں

آ گیا فیلِ سیہ مست جو میخانے میں — چھپ گیا پیرِ مغاں چپکے سے پیمانے میں
یہ خبر ہو گئی تحقیق ندک خانے میں — سات دِن آج سے ہیں زلزلے کے آنے میں
ماش کی دال برہمن کو ملی کھانے میں — اِس سے ناقوس بجایا گیا پاخانے میں
انقلاب آپ ذرا دیکھئے تو گانے میں — بستی مشہور ہوئی دہر کے ویرانے میں
بہرِ تحقیقِ معانی و لُغاتِ مُغلق — گھُس گیا جھینگرِ ادراک کتب خانے میں
جب کمرِ یار کی معدوم ہے پھر کیا حاصل — سعی کیوں کرتے ہو پاجامے کے پہنانے میں
کاکُلِ مُرغِ حوادث بھی پریشاں ہو جائے — غل ہو زنجیر کا جو وقتِ جلوخانے میں
فیل نے مینیٔ نازک کو دکھا کر اپنی — کر دیا ناقے کو محجوب شتر خانے میں
مجتمع ہو کے ریاحِ بتِ خاموش آخر — نکلے ناقوس برہمن ہی سے بت خانے میں
گورکن خاک میں آخر کو ملا دیتا ہے — سعی غسّال جو کچھ ہوتی ہے نہلانے میں
طائرِ قبلہ نُما بہرِ شکارِ عفریت — چونچ کھولے ہوئے ہنستا ہے جلوخانے میں
دُزدیٔ شب بہ خراباتِ گرفتار شدہ — چور پکڑا گیا کل رات کو میخانے میں
اکتسابِ کمرِ فیل بہت مشکل ہے — یہی ہم سنتے چلے آئے ہیں افسانے میں
خوف سے ڈاکٹروں کے اُسے دست آنے لگے — اب کی طاعون چھپا شہر کے پاخانے میں

آجکل ہے ادبیّت کا یہ معیار ظریفؔ
وہی اُستاد ہے مشّاق جو ہو گانے میں

غزل نمبر ۱۴۴ — ردیف ن — تعداد ابیات ۱۱

بحر مضارع اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

اک روز دیکھا ناقۂ لیلیٰ نے خواب میں — محمل اُلجھ کے رہ گئی شاید رکاب میں

تمساح گوشہ گیر بھی ہے اضطراب میں
دیکھا ہے جب سے زاویہ وسطِ حباب میں

بط اُڑ کے پہونچی جب کہ دکانِ شراب میں
مُرغ برشتہ چھُپ گیا قُرصِ کباب میں

شیریں کی جستجو کے لئے اضطراب میں
فرہاد جاکے کُود پڑا احسنتم راب میں

کافورِ شب سیاہی نصفُ النہار سے
پوشیدہ ہو گیا عمق آفتاب میں

سیماب کے سُکون کے باعث تو اور ہیں
ہر سنگِ کوہ رہتا ہے اک اضطراب میں

تشبیہ تام ہے اُسے بے فائدہ نصیب
اجزائے عنکبوت ہیں چشمِ غراب میں

بہر بیاضِ عارضِ چشمانِ شبپرہ
عصفور نالہ گیر ہے فکرِ گلاب میں

مضراب خامہ بہر صدائے کیتِ گل
گریاں ہے وسطِ دائرہ آفتاب میں

ایذا کو درد ہو گا زمینِ فشار سے
دارِ فنا رہا جو یونہی انقلاب میں

داہم تبکارِ ققنُس و عنقا ہے یہ غزل
آتی نہ کیوں ظریف کے بھر انتخاب میں

غزل نمبر ۴۵ ردیف ن تعداد ابیات ۸

بحرِ رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

خود بخود لکڑی میں یوں سُوراخ ہو جاتا نہیں
جب تلک برمے سے نجار اس کو برماتا نہیں

ایسے سائل کو ملا کب جو کہ چلاتا نہیں
ہے مثل بے مانگے بچہ دودھ بھی پاتا نہیں

فارسی میں کس طرح اُسکو کہیں لائق ہی یہ
ترجمہ جس کو منی آید کا بھی آتا نہیں

اِک نہ اِک دن ہے یقیں ہو گا گرفتارِ بلا
گر سگِ جاناں کی گردن میں کوئی پٹا نہیں

جیتنا ممکن نہیں اُس شخص کو جز ہار کے
جو کبھی گھوڑ دوڑ میں گھوڑے کو دوڑاتا نہیں

المدد اے دست و پائے عنکبوتِ بے خبر
بے ترے اب عقدۂ بالِ مگس کھلتا نہیں

سب کے سب اسکو کریں دیوان جی صاحب خیال — یہ کسی بنیئے مہاجن کا بہی کھاتا نہیں

حالِ دل اپنا اشارہ میں وہ کہتا ہو ظریف
منھ میں گونگے کے زباں ہو اسطرح گویا نہیں

غزل نمبر ۴۶ — ردیف ن — تعداد ابیات ۹

بحر رجز مثمن مطوی مخبون — ارکان مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

قول کسی حسین کا سچ ہے کہ معتبر نہیں — وعدۂ وصلِ یار کیا جسمیں اگر مگر نہیں
ہو گئی عاشقوں کی بھور اسکی انہیں خبر نہیں — میری شبِ فراق کی شام تو ہے سحر نہیں
خون کے آنسوؤں کی چاہ یار کو چشمِ تر نہیں — قدر کوئی کرے تو کیوں لعل نہیں گہر نہیں
بہرِ عیادت آئے کیا حال وہ پوچھے کسطرح — جس کا دہن دہن نہیں جسکی کمر کمر نہیں
رات کو زلف یار کا الجھا سا قصۂ طویل — سب کو سنانے بیٹھ جاؤں راس یہ دردِ سر نہیں
کہنے کو کہیئے ہاں لوں جھوٹ میں سچ بلا ہوا — تیغ بندھے تو کس طرح یار کے جب کمر نہیں
ماتھے پہ کاتبِ ازل لکھتا ہے جب خطِ شکست — کوئی پڑھے تو کیا پڑھے زیر نہیں زبر نہیں

قدرتِ حق کا ہو مذاق خلقتِ آدم اے ظریف
باپ سبھوں کا بن گیا خود وہ مگر پسر نہیں

غزل نمبر ۴۷ — ردیف ن — تعداد ابیات ۷

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ستاتی ہیں جوئیں جب ہم رضائی دیکھ لیتے ہیں — جو کھٹمل کاٹتے ہیں چارپائی دیکھ لیتے ہیں
خریدیں جب کتابیں مصطفائی دیکھ لیتے ہیں — مگر اسوقت جب کاغذ چھپائی دیکھ لیتے ہیں

اطبا جب کبھی دستِ غذائی دیکھ لیتے ہیں — تو پہلے کھول کر وہ اقسرائی دیکھ لیتے ہیں
یہی مشہور ہے ہلیۂ آفسر جس گھر میں آتی ہیں — فقط وہ پائخانوں کی صفائی دیکھ لیتے ہیں
بھڑک اُٹھتی ہے آتش سینۂ سوزانِ خواہش کی — گرسنہ جب تنورِ نان بائی دیکھ لیتے ہیں
وہ افیونی ہیں بھر آتا ہے پانی دم بدم منہ میں — جو بنئے کی دکاں پر بھی کھٹائی دیکھ لیتے ہیں

ظریف آتے ہیں مجلس میں جو حصّے کیلئے مومن
نہیں اُٹھتے جہاں رکھی مٹھائی دیکھ لیتے ہیں

غزل نمبر ۱۴۸ — ردیف ن — تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

قلم ہوتے ہیں سر لوگوں کے وہ تیغ آزماتے ہیں — گلی کو از سرِ نو سر کٹا نالہ بناتے ہیں
درِ جانانہ پہ عاشق اسلئے بستر لگاتے ہیں — کہ اپنے گھر میں سوتے ہیں تو کھٹمل کاٹے کھاتے ہیں
بیاضِ صبح کا منظر غزل میں یوں دکھاتے ہیں — سوادِ مردمک وہ چشمِ عاشق سے بہاتے ہیں
بگولا بنکے اُٹھتے ہیں تو آندھی بنکے آتے ہیں — سڑک پر ساتھ اپنے عاشقوں کو بھی نچاتے ہیں
ترے دیوانگانِ عشق کو یہ بھی نئی سوجھی — جب ان پر انگلیاں اُٹھتی ہیں وہ ٹھینگا دکھاتے ہیں
جنابِ عشق فرماتے ہیں سر ٹکرانے والوں سے — تماشا دیکھو ہم بیٹھے ہوئے مینڈھے لڑاتے ہیں
مچلتا ہی جو طفلانہ یہ آغوشِ تمنا میں — دلِ بیتاب کو ہم رات بھر جھنجھنو جھلاتے ہیں
بوقتِ نزع عقدہ کھل گیا سب رونیوالوں کا — یہ ہچکی آرہی ہے موت سے یا ہچکچاتے ہیں
خدا کے بعد اس دنیا میں جو کچھ ہو وہ نائی ہو — بلا تفریق جس کے سامنے سب سر جھکاتے ہیں
بجا کر تالیاں تقریر پر تحسین کے پردے میں — مہذب لوگ اسپیکر کو کیا اُلو بناتے ہیں
خدا جانے یہ کس اُردو ادب کی ہو سڑی ہستی — کہ جس سے آجکل بدمست پیمانہ بناتے ہیں

نئی اُردو ہے گھوڑی کی تبسم پاش فطرت نے
دکھایا ہے وہ منظر جس سے گھوڑے ہنہناتے ہیں

کہیں صحرائے تنہا میں کوئی مست مناظر ہے
جسے دو شیزۂ فطرت کے نغمے گدگداتے ہیں

کہیں ہو صرف یعنی لفظ لایعنی کا ہم معنی
غرض یہ ہے کہ خشکے سے گنڈیری خوب کھاتے ہیں

ہو جب سے کوچۂ جاناں میں کرفیو آرڈر جاری
تو شب کو دس بجے سے قبل عاشق بھاگ جاتے ہیں

بُرا ہو دل کا لیلیٰ پردۂ محمل میں نکلی ہے
میاں مجنوں لنگوٹی باندھے پیچھے دوڑے جاتے ہیں

ظریف ان بے تکوں سے اب مچلکا کیوں نہیں لیتے
یہ نظم و نثر لکھتے ہیں کہ ظالم منہ چڑاتے ہیں

غزل نمبر ۴۹ ردیف ن تعداد ابیات ۲۶

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کریں گے سب یہ دعویٰ نقدِ دل جو ہار بیٹھے ہیں
خفیفہ میں تمہارے عاشقِ نادار بیٹھے ہیں

اُنھیں جب ہم سرِ محفل کبھی چمکار بیٹھے ہیں
تو وہ کس کس ادا سے بنکے چیتے یار بیٹھے ہیں

اِدھر منھیار بیٹھے ہیں اُدھر منھیار بیٹھے ہیں
گھٹنا پیچ میں پہنے وہ چوڑی دار بیٹھے ہیں

نہ لینا اُن سے عمرے کی جو خد منگار بیٹھے ہیں
لئے ہاتھوں میں پہلے ہی سے وہ پیزار بیٹھے ہیں

اگر گلگشت ہو منظور آؤ عیش باغ آؤ
چڑھے پیڑوں پہ دیکھو طالب دیدار بیٹھے ہیں

حقیقت میں کہیں کچھ بھی نہیں باتیں ہی باتیں ہیں
مسیحا وہ ہمارے ہیں نہ ہم بیمار بیٹھے ہیں

کوئی کہدے کہ جھوٹے موتیوں کی قدر کیا ہوگی
وہ سیپی کی طرح مُنہ کھولکر بیکار بیٹھے ہیں

کسی قفلِ دہن کا کھولنا منظور ہے شاید
درِ دلدار پر عاشق لئے اوزار بیٹھے ہیں

تمہارا گھر شفاخانہ ہے تم ہو ڈاکٹر صاحب
لئے قارورۂ دل سیکڑوں بیمار بیٹھے ہیں

عجب کیا عاشقوں کو دل میں یہ معشوق کہتے ہوں
یہ کیوں گھر گھیر کر میرا خدا کی مار بیٹھے ہیں

حسینوں کی کمر جب شاعرو معدوم ہی بالکل
تو پھر کس چیز میں وہ باندھ کر تلوار بیٹھے ہیں

لب بام آگے اُنپر کھینچ مار اک اینٹ اے ظالم
ترے عاشق جو زیر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

بھلا معشوق تو کاہکو وہ ضحاک ہیں گویا
کہ دو شانوں پہ اُنکے زلف کے دو مار بیٹھے ہیں

مجھے اندیشہ اس کا ہے تمھیں لونی نہ لگ جائے
بنانے چند لُنیے آپ کی دیوار بیٹھے ہیں

تری ترچھی نظر ہونے سے تیری قدر دونی ہے
جو دو عاشق بھی ہوں تو جانتا ہے چار بیٹھے ہیں

شب فرقت کا اک دریائے غم ہے بیچ میں حائل
جو میں اس پار بیٹھا ہوں تو وہ اُس پار بیٹھے ہیں

نرالی ہے ادا حسن طلب کی دیکھ لے ساقی
خیال مئے میں مُنہ کھولے ہوئے میخوار بیٹھے ہیں

تمھاری بے تکلف بزم کیا ہے چانڈو خانہ ہے
ادھر دو منہ بیس لیٹے ہیں اُدھر دو چار بیٹھے ہیں

گئے ہم پیر سے اک روز ملنے جب تو کیا دیکھا
کچہری بند دفتر میں میاں آدار بیٹھے ہیں

تمنائے شہادت ہے وہ نزک آنیکو ہے آغا
جھکائے سر کو عاشق اسلیئے بسیار بیٹھے ہیں

کوئی ہو اطلاع اسوقت کردے جا کے تھانے پر
وہ میرے قتل پر کھینچے ہوئے تلوار بیٹھے ہیں

سفیدی خانۂ دل میں یہ کارونکے پھیر ہیں گئے
نہیں ممبر پہ واعظ پاڑ پر معمار بیٹھے ہیں

پکڑ کر کان اپنا درسگاہ عشق میں عاشق
ہزاروں بار اُٹھے ہیں ہزاروں بار بیٹھے ہیں

جہاں پر ابر ہوں کہتی ہے تخئیل قدیم اکثر
ارے بھاگو یہاں تو حضرت معیار بیٹھے ہیں

کہا کرتے تھے والد قیس کے فرط محبت میں
نہیں معلوم کس جنگل میں برخوردار بیٹھے ہیں

ظریف اب فائدہ کیا شاعرونکو سڑی کہیے
غزل ہم پڑھ چکے گھر جائیں کیوں بیکار بیٹھے ہیں

غزل نمبر ۵ ردیف ن تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ترے کپڑوں کی لادی لادنا جب یاد کرتے ہیں
تو اکثر شب کو دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

کہو اُن سے جو اکثر شکوۂ بیداد کرتے ہیں
جب اُن کے داد ہو جاتا ہے کیوں فریاد کرتے ہیں

بتوں کو بھول جاتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں
برہمن جب سفر سوئے آلہ آباد کرتے ہیں

نہ گردن مارتے ہیں وہ نہ دیتے ہیں کبھی پھانسی
حسینوں کو یہ سب مشہور کیوں جلاد کرتے ہیں

یہ مجنوں کوہ کن تو جس زمین شعر کو دیکھو
وہاں گھس پل کے اک عاشق پوز آباد کرتے ہیں

حسینوں سے کریں یوں گفتگو ہم کو غرض کیا ہے
کہ ہم ہیں عرض کرتے آپ کیا ارشاد کرتے ہیں

ستم ایجاد کہتے ہیں یہ کیوں معشوق کو شاعر
ستم بھی کیا کوئی کل ہے جسے ایجاد کرتے ہیں

بگولا ہیں کوئی معشوق آندھی ہیں کہ جھکڑ ہیں
جو چلکر عاشقوں کی خاک کو برباد کرتے ہیں

ہمیں بتلا نہ دیں عاشق جو ہیں روئے کتابی پر
سبق ہے کیا کوئی معشوق جس کو یاد کرتے ہیں

یہ مستوں کی شادی دختِ رز کیا ٹھہری ہے
مبارک حضرتِ پیرِ مغاں داماد کرتے ہیں

چڑیمار اُنکو کہیے شوق سے کیا ہرج ہوا ہمیں
شکارِ طائرِ دل روز جو صیاد کرتے ہیں

یہ وائرلس کا ٹیلیفون کیا دلمیں لگایا ہے
کہ ہم کو ہچکیاں آتی ہیں جب وہ یاد کرتے ہیں

تمہارا مصحفِ رخ یاد کرنے والے اندھے ہیں
کہ قرآں حفظ اکثر کورِ مادر زاد کرتے ہیں

ارے بھائی یہ تخئیلِ قدیم ایسا تماشا ہے
کبھی شاگرد کرتے ہیں کبھی اُستاد کرتے ہیں

حسینو کیا تمہارے باپ کے ہیں ہم غلام آخر
جو کہتے ہو ظریف اب ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں

غزل نمبر ۵۱ ردیف ن تعداد ابیات ۱۳

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

حِلۂ آئینہ رد بھی صورت حجام لیتے ہیں
سر اُلٹے اُسترے سے مونڈ کر انعام لیتے ہیں

دُمِ ناقہ میاں مجنوں اُچک کر تھام لیتے ہیں
شترِ غمزوں کا چڈا اپنے سر الزام لیتے ہیں

تمھیں وہ عارضہ ہو لوگ جس کو درد کہتے ہیں
تمھارا نام لیتے ہیں کلیجہ تھام لیتے ہیں

تری دکھتی ہوئی آنکھوں کا دھیان آتا ہے اے ساقی
مئے گلرنگ کا جب ہاتھ میں ہم جام لیتے ہیں

قفس میں بند کر دیتا ہے کیوں صیّاد جھنجھلا کر
اسیر دام اپنے جھو بجھ کا جب نام لیتے ہیں

کمر معدوم ہے چلنے میں بل کھاتی ہے پھر کیا شے
نزاکت سے تمھیں کیا چیز آخر تھام لیتے ہیں

دل عاشق نہیں ملتا تو اب معشوق بیچارے
کبھی امرود یا منڈی میں جا کر آم لیتے ہیں

نہیں معلوم جی کس نے چرایا کون مجرم ہے
میں اُن کا نام لیتا ہوں وہ میرا نام لیتے ہیں

گرانی کے سبب معشوق اتنے ہو گئے مفلس
پُرانے دل جو بیکالن کرے نیلام لیتے ہیں

تماشا رقص کا کیوں دیکھنے جاتے ہو مقتل میں
جو بسمل نٹنیوں کی طرح دامن تھام لیتے ہیں

ادھر تو دیکھئے قربان دزدیدہ نگاہوں کے
جہاں چوری ہوئی سب آپ ہی کا نام لیتے ہیں

ہر اک عاشق کو مرجاتے ہی دیکھا ناتواں ہو کر
نہیں معلوم کیا معشوق اُن سے کام لیتے ہیں

ظریف ایسے شریفِ کعبہ ہیں فیشن کے دلدادہ
کہ اب ڈِی ڈَن برائے جامۂ احرام لیتے ہیں

غزل نمبر ۵۲ ردیف ن تعداد ابیات ۱۷

بحر رجز مثمن مطوی مخبون
ارکان۔ مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

آہ ستارے ٹانک کر حسن کی پیشواز میں
ناچ دکھائے عشق کو بارگہِ نیاز میں

اینٹھ بَرر غضب کی ہے کلکِ سخن طراز میں
جب سے ہوا ہے مبتلا عارضۂ کزاز میں

اتنی لگائیں ٹکریں پیشِ خدا نماز میں
برق سی اِک چمک گئی آج سرِ نیاز میں

بیٹھے تھے اُس مقام پر جس میں ہوا نہ جا سکے
میرا خیال گھس گیا اُن کے حریمِ ناز میں

اُن کو جو عاشقوں کے گھر جانے میں عذر لنگ ہے
پیر مُڑک گیا نہ ہو مشقِ خرام ناز میں

ہو ہی گیا وضو شکست نہر کی بزدلی تو دیکھ
جب کہ خیالِ رعبِ حسن کود پڑا نماز میں

اُسکی کرشمہ سازیاں دیکھیے اور رہ دیجیے
غم کے اثر کو تہ بہ تہ بند کیا پیاز میں

گونگے ہوئے ہیں جمع دو ہوتی ہی چپکے چپکے بحث
زخمِ دہن دریدہ اور تیغِ زباں دراز ہیں

قُلزمِ رنگ و بو کو چھوڑ چاہِ ذقن میں پھاند پڑ
شوقِ فنائیت میں ڈوب بیٹھ نہ تو جہاز میں

عشق دِل لہولہان حسن کی آنکھ صید گیر
جیسے کوئی بٹیر ہو چنگلِ شاہ باز میں

طرح یہ ہے کہ معجزہ پھیریگا جب قلم چھری
بکری کی طرح دیکھنا بول اُٹھیگی قاز میں

چار ہی ٹانگیں اونٹ کی اور وہ پھنسی ہیں دو جگہ
اکطرف عراق میں ایک طرف حجاز میں

پردۂ رنگ و بو میں آج غنچہ کا دل ہو باغ باغ
موجِ نسیمِ صبح ہے محوِ کشودِ راز میں

آدمی کیوں کہوں اُنھیں وہ ہیں چرند یا پرند
دانہ جو دیکھ کر پھنسیں دامِ گہ مجاز میں

دل ہو جو اُنکے ہاتھ میں اور وہ دل ہو نالہ کش
تو نہی سمجھیے دِل نہیں پنجۂ نے نواز میں

بوسے تہا جنوں کو تو اَدبِ سیمتن نہ دے
ورنہ وہ درج ہونگے سب اصل نہیں بیاز میں

دی تپ شعلہ زا نے آگ ہولی میں جاکے جب ظریفؔ
عشق نے دھول جھونک دی دیدۂ امتیاز میں

غزل نمبر ۵۳ ردیف ن تعداد ابیات ۱۱

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

اچھی خاصی یار کی بیمار آنکھیں ہو گئیں
شاعروں کے جھوٹ کی طومار آنکھیں ہو گئیں

حسن کی دوکاں کھلی منہیار آنکھیں ہو گئیں
حلقے پڑ جانے سے چوڑیدار آنکھیں ہو گئیں

آپ کی فرقت میں رونے سے ہوئی موٹی نگاہ
ہمتو دُبلے ہو گئے تیار آنکھیں ہو گئیں

شیخ جی کا عہدِ پیری دوسرے ماہِ صیام
جھریاں پڑنے سے لچھے دار آنکھیں ہو گئیں

آم کی پھانکوں سے جب دینے لگے تشبیہ لوگ
حسن کا پایا ثمر دلدار آنکھیں ہو گئیں

دیکھ کر رندوں کو آنکھوں میں اُتر آتا ہے خوں
شیخ جی کی بے پیے گلنار آنکھیں ہو گئیں

آپ آئے نزع میں اللہ رے تمکینِ حسن
پتلیاں پتھرا گئیں کہسار آنکھیں ہو گئیں

دیکھتے کچھ بھی نہیں سننے پہ ہے دارومدار
آپ کے تو کان اے سرکار آنکھیں ہو گئیں

دعوئ انسانیت اور سرمۂ دنبالہ دار
دیکھیے تو آپ کی دُم دار آنکھیں ہو گئیں

آپ کے دُزدِ حنا کا یہ لگاتی ہیں سراغ
دیکھنے والوں کی تھانے دار آنکھیں ہو گئیں

ہجر کے شکووں کا دفتر سُن کے کر لیتا ہے بند
اُس بتِ بے پیر کی اتوار آنکھیں ہو گئیں

اسکو اُلفت نے کیا اندھا جوانی نے اُسے
عاشق و معشوق کی بیکار آنکھیں ہو گئیں

دیکھیے عینک لگانے کا نتیجہ اے ظریف
لوگ کہتے ہیں کمانی دار آنکھیں ہو گئیں

غزل نمبر ۵۴ ردیف ن تعداد ابیات ۱۱

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

قبر کی محمل میں بی لیلیٰ جو پنہاں ہو گئیں
آرزوئیں قیس کی غولِ بیاباں ہو گئیں

باعثِ آبادیٔ گورِ غریباں ہو گئیں
بستیوں میں جب پلیگ آیا تو ویراں ہو گئیں

آہ کی ضربیں مری راحت کا ساماں ہو گئیں
مشکلیں اتنی پڑیں آخر کہ آساں ہو گئیں

شہد پن کرنے لگیں دُنیائے حسن و عشق میں
حسرتوں کو مل گیا موقع تو سیاں ہو گئیں

عشق کا جادو بنا دیتا ہے مادائوں کو نر
دل میں جتنی آرزوئیں تھیں سب ارماں ہو گئیں

جوشِ وحشت میں بہت تنبیہ کرتی ہیں اُسے
اب تو لیلیٰ کی ادائیں قیس کی ماں ہو گئیں

اب وہ ہرگز کھا نہیں سکتا زمانے کی ہوا
ہچکیاں حلقِ مریضِ غم کی درباں ہو گئیں

اسقدر پھیلی پریشانی کہ دامن بن گئی
سختیوں نے یوں گلا گھونٹا گریباں ہو گئیں

قحط کا سارا اثر معشوق ہی کے سر گیا
کال کی ماری ہوئی زلفیں پریشاں ہو گئیں

اِسقدر پھیلا دہن تیرا کہ گھونگھا بن گیا   اسقدر سمٹیں تری آنکھیں کہ ٹیاں ہو گئیں

یاد آتا ہے کہ اُن زلفوں میں اُلجھے تھے ظریف
اب جو تارِ عنکبوتِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

غزل نمبر ۵۵   ردیف ن   تعداد ابیات ۲۵

بحر ہزج مثمن سالم   ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

شرارے آہ سے اُڑتے ہیں جب آنسو نکلتے ہیں   اِدھر برسات ہوتی ہے اُدھر جگنو نکلتے ہیں
بہت آنسو نکلتے ہیں نہ کم آنسو نکلتے ہیں   یہاں حاضر ہیں بھی غائب ہی کے پہلو نکلتے ہیں
کبھی گاندھی نکلتے ہیں کبھی نہرو نکلتے ہیں   مسلمانو! فدائے قوم اب ہندو نکلتے ہیں
اسیرانِ قفس نے تیلیوں میں کھڑکیاں کرلیں   ارے صیاد کیا رد کے گا ان کو تو نکلتے ہیں
اگر معشوق کے نقشِ قدم پر چل نہیں سکتے   تو عاشق بن کے پھر کیوں اُنکے پچھلگو نکلتے ہیں
بھروسہ دست و بازو پر جنھیں اپنے نہیں ہوتا   نبی جی بھیجو کہتے وہ میاں مٹھو نکلتے ہیں
اذاں سُنکر کریں مسجد کا رُخ یہ ہو نہیں سکتا   گھروں سے اپنے سُنکر ریل کا بھونپو نکلتے ہیں
اِسے سمجھو نہ عُذرِ لنگ یہ بھی ایک صنعت ہے   وہ فرشِ خاک پر کرتے ہوئے اُتو نکلتے ہیں
بجاؤ تالیاں ہم سے نئی تہذیب کہتی ہے   جہاں اسٹیج دینے رات کو اُلّو نکلتے ہیں
شبِ فرقت رفاقت کو کسی کے خفتہ بختو نکی   کبھی کھٹمل نکلتے ہیں کبھی پسّو نکلتے ہیں
حسینو دورِ آزادی میں تم نے رکھ لئے پٹے   ارے بھاگو اسیرِ حلقۂ گیسو نکلتے ہیں
زمینِ لکھنؤ تو آسماں ہے وہ ستارے ہیں   تری سڑکوں پہ جو مہتر لئے جھاڑو نکلتے ہیں

بڑی مشکل سے مطلب قافیے کا ذہن میں آیا
وہ شُسیاتے ہیں جو کرتے ہوئے سُو سُو نکلتے ہیں

اشعار بصنعت اردوئے لطیف

انا الحق کی صدا اٹھی اک نشیدِ سازِ منصوری
مرے ذرّاتِ دِل سے نغمۂ یا ہو نکلتے ہیں

نہایت تنگدل ہے دائرہ ذرّاتِ ہستی کا
شعاعی مرکزِ جذبات کے پہلو نکلتے ہیں

بُرا ہو میرے اعمالوں کا اے برجبینِ ناکامی
نشاطِ زہرہ بنکر آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں

صحیفے میں سوادِ دہر کے معدوم ہے عشرت
بیاضِ چشم کے اجزا ہیں جو آنسو نکلتے ہیں

نظامِ ذوقِ یکجائی سے وابستہ ہے دِل میرا
برنگِ جزبۂ تصویرِ غم پہلو نکلتے ہیں

غریقِ بحرِ نورانی مری روح مُدّلل ہے
فضائے قلزمِ ناسوت میں ٹاپو نکلتے ہیں

مرے آئینہ ادراک کا مرکز ہے نورانی
ضیائے خانۂ ہستی میں بھی جگنو نکلتے ہیں

مری تخئیل کی حیرت سر و سامانِ آزادی
بخارِ دُودِ ہستی سوزِ عنبر بُو نکلتے ہیں

نفیر خوابِ ہستی طرفہ عبرت خیز منظر ہے
بظاہر اختلافِ باطنی ہر سُو نکلتے ہیں

مجھے اب سعیِ کارِ زندگانی کی کہاں ہمت
مُعلّم درس عبرت کے بہت خوشخو نکلتے ہیں

میں ہوں نظارۂ ویرانۂ دل کا تماشائی
بہت اوصاف جسمیں چشمِ عبرت جو نکلتے ہیں

ظریف ایسی زمیں جب ہو غزل کیونکر پھلے پھولے
بجائے بامزہ اشعار کے کدّو نکلتے ہیں

غزل نمبر ۵۶ — ردیف ن — تعداد ابیات ۸

بحر رجز مثمّن مطوی مخبون — ارکان۔ مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

اور اضافہ ہو گیا قیس کے خلفشار میں
نجد میں جب اُلجھ گئی ناقے کی دُم مہار میں

اتنا تحمل اب نہیں عاشقِ بُردبار میں
جیسا کہ اک قلی میں ہو یا ہو کسی کہار میں

ڈر نہ یہاں رقیب کا اور نہ غیر کا گزر
چپکے سے آ کے لیٹ جاؤ پاس مرے مزار میں

کونسلوں نے دونوں کو آنرایبل بنا دیا — تھی جو صفت شریف کی اب ہے وہی چار میں
یہ تو بڑا غضب ہوا آتے ہی ڈھول جھونکدی — اپکی چال ڈھال نے دیدۂ انتظار میں
منزلِ قبر کی طرف عمر کا کارواں رواں — موت کی دُم بندھی ہوئی زیست کی مہار میں
ہجوِ ملیح و بزدلی دونوں کا ہو مظاہرہ — آپ کہیں کہ واہ واہ میں کہوں بار بار میں

وحشتِ عشق سے ظریف کچھ بھی رہا نہ امتیاز
قیس رواں دواں میں اور اُشترِ بے مہار میں

غزل نمبر ۵۷ — ردیف ن — تعداد ابیات ۵

بحر کامل مُثمن سالم — ارکان متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن

وہ جہاں میں وصف ہوں غمزدہ کہ خوشی کا دِل میں گزر نہیں
مجھے سمجھو شمع تُنک ضیا سرِ شام ہوں تو سحر نہیں
کرے موت ریشہ دوانیاں مرے دِل کو اس کی خبر نہیں
مری روح ہے وہ نہال غم کہیں جس میں برگ و ثمر نہیں
وہ دہن بھی تنگ ہے اسقدر کہ ہوا کا جس میں گزر نہیں
ہے ردیف بعد کمر نہیں نہ کہو کہ وصف کمر نہیں
یہ سُنا ہے گریۂ وصف پہ ہوا خندہ زن بُتِ فتنہ گر
کہ بیاضِ چشم بہا چکا مگر اُس کو ضعف بصر نہیں
کہو تم یہ ظریف و صفؔ سے وہ حسین کب ہو حسین ہی
سر دوش کل ہے دہن نہیں نہ ناف سب ہے کمر نہیں

ع‍ ۵ نواب وصی علی خاں وصفؔ مرحوم کو میرزا محمد ہادی عزیزؔ کی طرح پہلے نواب بننے صاحب مشّاق

مرحوم سے تلمّذ تھا پھر دولہا صاحب مجھ سے اصلاح لینے لگے۔ بعض بند اشعار کہنے کا وصف مرحوم کو بھی بہت شوق تھا۔ فارسی ترکیبوں اور شوکتِ الفاظ کے دلدادہ تھے۔ ظریف مرحوم کے ان شعروں میں روئے سخن اُنھیں کی طرف ہے۔ صفی عفی عنہٗ۔

نوٹ۔ جناب ومق کو جو بہت کمسن صاحبزادے تھے اُن کے چچا نواب مجن صاحب جوؔیا مرحوم لیکر ایک روز میرے پاس آئے اور فرمایا کہ ان صاحبزادے نے ایک مشاعرہ کیا ہے لہذا آپسے شرکت کا وعدہ لینے آئے ہیں میں نے وعدہ کرلیا اُنھوں نے ایک مطبوعہ رقعہ دیا اُسے میں نے فرش پر بغیر پڑھے رکھدیا اثنائے گفتگو میں اُنھوں نے اِس رقعہ کی جانب مجھے متوجہ کیا اُسوقت اُسے اُٹھاکر میں نے پڑھا واقعی عجیب وغریب انشا پردازی تھی نگارندۂ رقعہ کے دماغ کی اصلاح مقصود تھی اسلئے رقعہ ظریف مرحوم کو دیکر یہ نسخہ تجویز ہوا مشاعرے کے دن ایک بہنگی میں میرے کتب خانہ کے کل کتب بہت لادکے اپنے ملازم ولی محمد کو (جو عجیب الہیئت سا آدمی بہار کیطرف کا رہنے والا تھا) ظریف مرحوم دیے اور اسکے سر پر ایک بڑی چاندنی لیکر ایک بڑا سا پگڑ باندھکر کہا کہ یہ بہنگی لیکر ہمارے ساتھ چلو اور مشاعرے کے باہر بیٹھے رہنا جب ہم زور سے پکاریں تو اِسی ہیئت کذائی کے ساتھ ہمارے پاس چلے آنا چنانچہ ایسا ہی ہوا جب سنجیدہ غزلیں میری غزل پر ختم ہوئیں اور ظریف مرحوم کی باری آئی تو اُنھوں نے بآوازِ بلند پکارا "ابو القوامیس" اور ملازم بہنگی لئے پہونچ گیا محفل میں وقت ایک قہقہہ پڑا اور غزل کے ہر شعر پر تو ہر شخص کا ہنسی کے مارے بُرا حال تھا۔ صفی عفی

نقل مُنشاتِ ائے تقریض

سنہ ۱۹۰۴

دولتکدۂ عالیجناب گردوں قباب نواب باقرعلیخاں بہادر اَدام اللہ اقبالہ و اجلالہٗ

در مسلک و غیر سلک تاریخ ببیں
معیار قرائح است ایں بزم جفنج

ذوقِ سلیم را بدرِ فطرت لبیائے سخن متّوم ساخت چہ آسمانِ غالبِ سجود فرشتگان بتربیع اجزائے مؤلّفہ در باعیات متوالیہ متحاذیہ انتاد دبیت حاجبین بمناظر قرعہ اندازانِ حُسن از مقلِ ظبا، دُجبرہ گوئے سباق در ربودہ لاجرم اُنچہ مُخمرِ ازل را ابجد اعتبار رسید در سلاکِ رگہا دعُروقِ مخلوق ہمچو کمیّت در تجادیفِ اجسام مخمورہ دوید و داعی ہوسِ کہ تہی از مساوئی سادست حلیفان زدایائے شوق را برموائد فوائد عوائد صلامیزند کہ حیثیت جز، اثنا عشری سنین عربی را بہ ۲۴ ہر شہر اگست ۱۹۰۴ء مسیحی انطباق افتد و ساعت لیلیہ بدار اُنہ رسد محاریب بیوت را برائے حواجب شاہدانِ ابیات ترک گفتہ قصرِ تمنائے نکاہت شوبہ را البطول باع عرض سخن بنوازند۔ والسّلامُ

(صوری و معنوی) شائقاچوں پئے تاریخ خیالش آمد۔ یک ہزار و سہ صد و بست دو سالش آمد

سنہ ۱۳۲۲ھ

مضمار سخن

قیدِ سُخن	دعا عبث ہے اثر جب مری زباں ہی نہیں	تالی قید
زبان	صلا زن	یں نہیں

خاور جاہ امتیاز قدر مرزا محمد حمید علی المتخلص بہ واثق

غزل نمبر ۵۸ | ردیف ن | تعداد ابیات ۳۵

قطعہ تمہیدی

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

اس اعتراف سے میں معرضِ زیاں میں نہیں — کہ مجھ سا شاعرِ کم علم اس جہاں میں نہیں
دیا جو حضرتِ داغؔ نے منتدلے قریض — میں کچھ نہ سمجھا ملائی بہت سی ہاں میں نہیں
چلا نہ زور کہا تب کروں الٰہی کیا — زرا بھی لوچ لچاپ اِس کڑی کماں میں نہیں
میں اسکے مغزِ سخن تک کہاں پہونچ سکتا — وہ اُن لغات میں سختی جو استخواں میں نہیں
یہ فکر تھی کہ کروں اس کا ترجمہ کس طرح — صُراح بھی نہیں قاموس بھی یکاں میں نہیں
مدد بہار عجم سے جو لوں تو کیونکر لوں — کہ یہ لغاتِ عرب فارسی زباں میں نہیں
وہ رقعہ جسکو دکھایا دیا جواب اُس نے — جناب بندہ میں داخل کے خانداں میں نہیں
صلا زن اسکے جو ہوں اُنسے جاکے پڑھ لیجئے — ہے لکھنؤ میں وطن میرا نہرواں میں نہیں
تمام رقعے میں ہم تو اِسی قدر سمجھے — مصرع طرح "دُعا عبث ہے اثر جب مری زباں میں نہیں"
کہا یہ میں نے غلط ہے جنابِ من یہ خیال — انگشت کیا انہیں سطروں کے درمیاں میں نہیں
کہا اُنھوں نے کہ یہ نام ہے مہینے کا — شمار اِس کا ستور قعے کی زباں میں نہیں
کرو نہ فکر معانی سمجھنے کی اِس کے — لیاقت اِتنی کسی خُرد اور کلاں میں نہیں
کہاں سے لاؤ گے اَیام زندگانیِ خضر — تمہارا حصہ میاں عمرِ جاوداں میں نہیں
بتائے دیتے ہیں اِک سہل سی تمھیں تدبیر — جو دہم میں بھی تمہارے نہیں گماں میں نہیں
کرو تمام یہ الفاظِ بے معانی یاد — نہ سمجھو نفع کچھ اس سعی رائگاں میں نہیں

انھیں کو نظم کے قالب میں ڈھال کے پڑھ دو | وہ ضو دکھائیں گے جو شمع کی زباں میں نہیں
کہی یہ سُن کے اُسی طرح پر غزل میں نے | پڑھوں تو مجمع احباب نکتہ داں میں نہیں

مطلع

لِمَا اللّٰہ ءاءُ اثر جب مری زباں میں نہیں | کہ طولِ باع بعرضِ سخن بیاں میں نہیں
یہ واقعات کہیں ابن خلکاں میں نہیں | محاوراتِ جنیں خوانِ لنگراں میں نہیں
جلاخ جفنخ بہ جلواخ نمتد لائے قریض | قرنچیہ برزم جفنخ صلا زنا ں میں نہیں
رباعیات چہار آخشیج میں ہے یہ فرد | فکاہتِ بشریہ فرشتگاں میں نہیں
عروض میں ہیں تجادلیف جسقدر لائے حجر | ہے خود شاہد کہ رلیسماں میں نہیں
جو مُصرعارتِ محاریب حاجبین میں ہے | بہ ارعوجاج بحینِ کششِ کماں میں نہیں
نحول کا متلطخ ہو ذُہن سے یا نوخ | تو بیم تُطع کا بُلع ثقیف دناں میں نہیں
تفاخ صورتِ قُرمود کیوں اُچھلتی ہے | تمطط اتنا مناسب اسے حضاں میں نہیں

۳۶ ۳۷ ۳۸ ۴۰ ۴۱ ۴۲
کلابِ حین تبصبص کرینگے استلقا ۔۔۔ اَقول حینئذٍ غطہم وہاں میں نہیں

۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰
رَائیت اِمراۃً کیف بغتۃً فی السّوق ۔۔۔ فَتَعرُ ھاعَبَقات ایسے ضیمراں میں نہیں

۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴
عمائد آمین فوائد سکے یاں موائد ہیں ۔۔۔ وہ ایک جز میں زوائد جو کل جہاں میں نہیں

۵۵
غزل ظرایف حلیف اپنے رنگ میں پڑہیئے ۔۔۔ لغت کے صَرف سے خوبی کوئی بیاں میں نہیں

سلام کیجئے اِس اُردوِ مُعَرّب کو ۔۔۔ خدانخواستہ موج آپ کی زباں میں نہیں

مطلع

جو حسن اُنمیں پَری کیا پَری کی ماں میں نہیں ۔۔۔ وہ عشق ہم میں وہ جن کیا فرشتے خاں میں نہیں

زمین نام ہے مٹی کے ٹھس گولے کا ۔۔۔ ہوا بھری ہوئی ہو کچھ بھی آسماں میں نہیں

وہ شوخ پوچھ رہا تھا کل اپنے بنیئے سے ۔۔۔ یہ کیا کہ جنس معانی تری دُکاں میں نہیں

کماں گردوں نے جو دیکھا کسی کے ابرو کو ۔۔۔ کہا کماں وہ کیا تانت جس کماں میں نہیں

غلط ہے یار کو عیسٰی سے دیں اگر تشبیہ ۔۔۔ صفاتِ حضرتِ مریم جب اُسکی ماں میں نہیں

حلِ لغات

۱؎ دعا برائے چہ ۲؎ مقدار دراز کردن ہر دو دست ۳؎ نام کتاب ۴؎ نام کتاب ۵؎ سیل ۶؎ تکبّر و ناز ۷؎ وادی فراخ پُر آب ۸؎ اعلان ۹؎ شعر ۱۰؎ طبیعتِ انسانی ۱۱؎ نازاں ۱۲؎ آوازہ دہندگان ۱۳؎ جمع رباعی ۱۴؎ عناصر اربعہ ۱۵؎ خوش طبعی ۱۶؎ انسانی ۱۷؎ رگہائے بدن ۱۸؎ جونہا ۱۹؎ دانشمند ۲۰؎ جمع مصرع ۲۱؎ جمع محراب ۲۲؎ ہر دو ابرو ۲۳؎ کجی ۲۴؎ بوقت ۲۵؎ ذکور ۲۶؎ آلودہ ۲۷؎ روغن ۲۸؎ زمۂ سر یعنی تالو ۲۹؎ زکام ۳۰؎ فرو بردن در گلو یعنی نگلنا ۳۱؎ سرکہ تند و تیز ۳۲؎ زنِ خوبرو ۳۳؎ بچہ بُزِ کوہی ۳۴؎ واداشتن خود را یعنی کھینچنا ۳۵؎ بزرگ بودن یک پستان از پستانِ دیگر ۳۶؎ جمع کلب ۳۷؎ بوقت ۳۸؎ دم جنبانیدن سگ ۳۹؎ بر پشت غلطیدن ۴۰؎ بیگویا ۴۱؎ ہرگاہ ۴۲؎ استخواں در دہانِ شاں ۴۳؎ دیدم ۴۴؎ نزنے را ۴۵؎ چہ طور ۴۶؎ ناگہاں ۴۷؎ در بازہ ۴۸؎ پس ہوائے او ۴۹؎ خوشبوہا ۵۰؎ ریحانِ دشتی ۵۱؎ جمع عمید یعنی پیشوائے قوم ۵۲؎ جمع فائدہ ۵۳؎ جمع مائدہ ۵۴؎ جمع زائد ۵۵؎ تیز زباں۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۵۹ ردیف و تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمن سالم ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جو ہے شوقِ تماشا یہ چھچھوندر دیکھتے جاؤ
شرر بارئ آہِ قلبِ مضطر دیکھتے جاؤ

زمانہ ہو رہا ہے نیچے اوپر دیکھتے جاؤ
ہنڈولا گھومتا ہے دل کا کیونکر دیکھتے جاؤ

عجائب گھر ہے باغِ حُسن بھی اک قسم کا گویا
کہ دو ڈانگوں کا ہے جسمیں صنوبر دیکھتے جاؤ

پڑے ہیں چین سے مرقد میں عاشق پاؤں پھیلائے
انھیں دیکھو گے تم کیا خاک پتھر دیکھتے جاؤ

صراحی وار گردن کا تمھاری مدح خواں جو ہو
بنا تا ہے تمھیں در پردہ لگر دیکھتے جاؤ

تمھارا گول عاشق ہے نہیں فٹ بال سے کچھ کم | ذرا چلنے میں جھٹ کر اس کو ٹھوکر دیکھتے جاؤ
زمین و آسماں کے نیلے بھُوریکا یہ ٹھٹھا ہے | ذرا شام و سحر کا چپ کبوتر دیکھتے جاؤ
کیا ہے قتل جس کو تم نے بھتنا بن کے کہتا ہے | کہ مجھ کو سر کٹے ناٹے کے اندر دیکھتے جاؤ
وہی جس نے کہ تم پر جان دی اُسکی نشانی ہے | لگی ہے جسپہ لوحِ سنگِ مرمر دیکھتے جاؤ
مرے جاتے ہیں جو بیکار تم اُن سب کو مرنے دو | فقط رفتار میں جوتے کی چرمر دیکھتے جاؤ
تمھارا ناتواں عاشق ہلاتا ہے بآسانی | ادا و ناز کے ہر روز مُگدر دیکھتے جاؤ
دلِ عاشق غمِ دنیا کا کتنا بوجھ لادے ہے | اِدھر آؤ اِدھر آؤ یہ خچر دیکھتے جاؤ
سودیشی جنس کے خواہاں جو عاشق ہوں تو انہیں | کہو اُن سے ہمارے لب کی شکر دیکھتے جاؤ
کسی کے چونچلوں پر عاشقِ بزدل یہ کہتا ہے | یہ بکری دیکھتے جاؤ وہ بندر دیکھتے جاؤ

سوا نیزے پہ شاید آفتابِ حسن آئے گا
ظریف اب جمع ہیں سب اہلِ محشر[۲۲] دیکھتے جاؤ

نوٹ ۔ ۲۱ کسگر مخفف کاسہ گر مسلمان کمہار کہلاتے ہیں ۲۲ اس طرح میں محشر صاحب لکھنوی کے مکان پر مشاعرہ ہوا تھا۔ صفی عفی عنہٗ

غزل نمبر ۶ — ردیف و — تعداد ابیات ۲۳

قطعۂ تمہیدی

بحر ہزج مثمن سالم | ارکان ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کروں کیوں اختیار اُسکو جب ایسا شعر کا فن ہو | کہ محسودِ جہاں ہوں اِک زمانہ اپنا دشمن ہو
بھلا اُس راہِ ناہموار میں چلنے سے کیا حاصل | دمِ لغزش جہاں پر خندۂ یارانِ ہم فن ہو

بمثال شمع گر سر کا پسینا پاؤں تک پہونچے
یقیں ہے جب بھی محفل میں نہ اپنا نام روشن ہو

ہوائے شوق اگر مجھ کو یوہیں مجبور کرتی ہے
وہاں چلکر کروں گلگشت جو بے خار گلشن ہو

نہاؤں فکر کو اس حسن سے جامہ ظرافت کا
کشادہ ہر طرف تہذیب کا جیبیں کہ دامن ہو

گرہ ہو گتھیاں میں پیچ و خم سے جسکے الجھن ہو
یہی مضمون جو ٹھنا ہے تو زلفیں کیوں ہوں پھرن ہو

تمنا ہے کسی کی تیغ ہو اور اپنی گردن ہو
پھر اُس کے بعد یارب سر کٹے نالے میں دفن ہو

ہجوم عام ہو اور مجمع گوروں کی پلٹن ہو
سمجھ لو لاٹ آئے ہیں جو اسٹیشن پہ دن دن ہو

کہو معشوق کو غنچہ دہن جب اسکے بھو تھن ہو
لکھو تم شوخ کج رفتار جب ٹیڑھی کا ٹھانگن ہو

کہیں قاتل کو ہم محبوب اگر ہے عین نادانی
حذر لازم ہے ایسے شخص سے جو اپنا دشمن ہو

لب شیریں اگر معشوق کا قند مکرر ہے
جبھی جانیں کہ بیٹھیں مکھیاں اور اُسپہ بھن بھن ہو

نہ تربت کی جگہ کوچے میں پائی تو شکایت کیا
گلی اُنکی کوئی تکیہ ہے جس میں اپنا مدفن ہو

یہ سب لکڑی کے تختے خاک میں ملجائیں جل بھنکر
غضب ہو جائے گر سچ مچ لحد میں داغ روشن ہو

جو دیکھیں آ گیا مہتاب آنکھیں بند ابھی کرلیں
مگر خواہش یہ ہے پیش نظر وادی ایمن ہو

یہی دہشت اگر دست جنوں کی ہو تو اے بھائی
دوپٹا اوڑھ لو جس میں گریباں ہو نہ دامن ہو

نگاہ شوق کیا ٹھہری وہ گویا بلیچہ ٹھہری
مکان یار کی دیوار میں جس سے کہ روزن ہو

اگر تم جنگجو ہو سیکڑوں کو قتل کرتے ہو
تو پھر یہ جھوٹ ہے نازک بدن کیوں ہو تہمتن ہو

نہ بجھتا ہے یہ پھونکے سے نہ جلتا ہو یہ ڈیوٹ پر
چراغ اُن کا کہو کس طرح سے پھر رڈے روشن ہو

دہن گلھیا سا ہو چہرہ طباق اور پیٹ مٹکی سا
قباحت پھر نہیں کچھ گر صراحی دار گردن ہو

مچائے شور و غل آہ شرر افشاں کرے ہر دم
یہی اوصاف لازم ہیں تو عاشق کیوں ہو انجن ہو

ہمارا جھونجھ پھلواری میں ہو کوئی نہیں کہتا
یہی کہتے ہیں یارب باغ میں اپنا نشیمن ہو

حسینِ شوخ وہ صحرائے محشر جس کا دامن ہو
ازل سے تا ابد لمبی یقیناً ہڑتانگ بھی ہوگی

ظریفؔ انصاف سے کہہ دو وہ عاشق ہے کہ چوہا ہے
زمینِ قصرِ جاناں میں جو یہ چاہے کہ مسکن ہو

نوٹ۔ اس طرح میں ایک مشاعرہ سنہ ۱۸۸۹ء مطابق سنہ ۱۳ ھ لکھنؤ میں ہوا تھا۔ اُسمیں ظریفؔ مرحوم مزاحیہ غزل کہکر میرے ساتھ گئے تھے چونکہ پہلی مرتبہ ایک عظیم الشان مشاعرے میں غزل پڑھنا تھی اس لئے بذریعہ قطعہ تمہیدی اسکا اظہار ضروری تھا کہ ظرافت کا رنگ کیوں اختیار کیا گیا ہے۔ ۵ سر کٹا نالہ لکھنؤ میں چوک کے قریب وہ مقام ہے جہاں عہدِ شاہی میں مجرمین کی گردن زدنی ہوتی تھی۔ اب وہاں ایک محلہ اسی نام سے مشہور ہے۔ (صفیؔ عفی عنہ)

غزل نمبر ۱۶ ردیف و تعداد ابیات ۲۱

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

دہنِ یار نہ فقرہ ہے اگر ہونے دو
ٹینٹ سے اُن کے اگر گم ہی کمر ہونے دو

تاک مادہ کی ابھی کون ہے نر ہونے دو
دخترِ رز کی جو خواہش ہے پسر ہونے دو

نہ اِدھر ہونے دو مجھ کو نہ اُدھر ہونے دو
آ چکی رات اسی طرح بسر ہونے دو

آپ ہی دیکھ کے سب اُس کو کھیں گے بھنگا
اگر اس شوخ کی ترچھی ہے نظر ہونے دو

عاشقو دل ہے مداری کا یہ لٹّو تو نہیں
رسن زلف میں زیر اور زبر ہونے دو

جب نہ دو کوڑی کو پوچھے کوئی تو کیا حاصل
دانۂ اشک جو ہے مثلِ گہر ہونے دو

چشم دلدار کو پھر سا عزمے کہہ دینا
حلقہ پڑ جانے دو اور اُسمیں اگر ہونے دو

حرکتیں تو ہیں سنیچر کی مگر ظاہر میں
ہیں وہ مشہور اگر رشکِ قمر ہونے دو

خود قبولیں گے کہ ہاں ہم نے چرایا ہے دل
کوتوالی میں ذرا اس کی خبر ہونے دو

اس کو دلدار تو کیا کچھ نہ دکھائی دے گا
غیر کو عارضۂ ضُعفِ بصر ہوتے دو

کج ادائی کا اُسی حال میں دعویٰ کرنا
جسم کو اینٹھنے دو قد میں بَر ہونے دو

لوگ سمجھیں گے یہاں سیندھ لگی تھی شب کو
خانۂ یار کی دیوار میں دَر ہونے دو

ایک عالم کے قضیے سے ہمیں کیا مطلب
تھا جُنوں قیس کو لیلےٰ کا اگر ہونے دو

جا کے مینے جو رقیبوں میں کیا بیچ بچاؤ
ایک آغا نے کہا ہنس کے بکر[له] ہونے دو

نقدِ دل لے کے یہ کہنا کہ ملی ہے تمھیں جک
اپنے عُشّاق کے تم دردِ کمر ہونے دو

طفلِ اشک انکا جو دیکھو تو کرو دوڑ کے پیار
نام مشہور زمانے میں پدَر ہونے دو

بال سر کے جو مُنڈاتے ہیں منڈانے دو انھیں
رات کٹنے دو کہیں وقتِ سحر ہونے دو

تم اگر ناز سے چلتے ہو چلو جوں کی طرح
خُوں نزاکت کا صَنم غیر کے سر ہونے دو

اُڑ کے جا کوچۂ جاناں میں کہا جب مینے
نامہ بر بیٹھ رہا گھر میں کہ پَر ہونے دو

تو سہی غیر قلا بازیاں کھاتا نہ پھرے
بیچ میں ٹانگوں کے تم ضعف سے سَر ہونے دو

ہم جگا دینگے اُنھیں آنکھ لگے گی جو ظریفؔ
کھٹ کھٹائیں گے ذرا بند تو دَر ہونے دُو

نوٹ۔ له افغانی و ایرانی لوگ آغا کہلاتے ہیں۔ اُن کے مُنہ سے رائے ہندی یعنی ڑ کا تلفظ ادا نہیں ہوتا۔ بکڑ کو بکر کہتے ہیں۔ لہذا مزاحًا یہ قافیہ نظم کیا گیا ہے۔ بکڑ یعنی کُشتی۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶۲ — ردیف د — تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مسدس مقصور یا محذوف
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل یا فعولن

جو وہ باتیں کریں مجھ کو خبر ہو
الٰہی خانۂ دل تار گھر ہو

نہ لو کروٹ جو بستر تر بتر ہو
اجی تم انتہا کے بے خبر ہو

جسے منظور کسبِ مال و زر ہو　　وکالت وہ کرے یا ڈاکٹر ہو
کہیں ہم نیک کو انسان کیونکر　　بشر وہ ہے کہ جس کے ساتھ شر ہو
حسیں وہ ہے عجائب گھر کے قابل　　دہن غائب ندارد جب کمر ہو
نہیں معشوق ہرگز چور ہے چور　　حسیں جس کی کہ دُزدیدہ نظر ہو
رقیب زشت رو ہو گر تہِ تیغ　　مناسب ہے کہ گینڈے کی سپر ہو
درِ دلدار سے ہم کو اُٹھا دیں　　رقیبوں کے اگر باوا کا گھر ہو
کہا جب نرگسِ آنکھیں گوش ہیں گُل　　یہی پھر کیوں نہ کہہ دو کور و کر ہو
نہ ہو کیوں خلقتِ آدم پہ حیرت　　بنے سب کا پدر جو بے پدر ہو
صفت یہ کیا مذمت ہے سراپا　ق　کہ جس سے آدمی بھی جانور ہو

ظریف اچھا ہے وہ معشوق جس کی
ہرن کی آنکھ چیتے کی کمر ہو

نوٹ۔ ۵ "اچھا ہے وہ معشوق" یہ فقرہ اس مقام پر طنزیہ طور پر استعمال ہوا ہے
صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶۳　　ردیف و　　تعداد ابیات ۲۱

بحر مضارع مثمن اخرب سالم یا مسبّغ　　ارکان: مفعولُ فاع لاتن مفعولُ فاع لاتن یا فاعلیان

جب ہیں شریر سب وہ آخر ہیں جنگلے باں ہو　　اِس "کٹّیے" میں داخل تم بھی تو مہرباں ہو
اصطبلِ زندگی میں نر ہو کہ مادّیاں ہو　　کس طرح پیٹ پالے ہر چیز جب گراں ہو
عاشق کی یہ صفت ہے دُبلا ہو ناتواں ہو　　بالکل مرا ہوا ہو یا صرف نیم جاں ہو
جب اِک گنوار کا لٹھ لیلیٰ کا ساربان ہو　　مجنوں کو کیوں نہ ڈانٹے ٹھہرے رہو میاں ہو

عاشق نہ ہوتے پیدا ہرگز جو تم نہ ہوتے
فی الواقعی حسینو تم عاشقوں کی ماں ہو

شکوہ فضول جب ہے، دونوں کی ایک حالت
میں تم سے بدگماں ہوں تم مجھ سے بدگماں ہو

اُس ترک کے ہمارے ہوگا نباہ کیونکر
جب ہم کہیں چنیں ہو اور وہ کہے چناں ہو

پہونچیں گے ہم یہ کہتے کمرے میں امتحاں کے
حاضر ہیں امتحاں کو گر قصد امتحاں ہو

میونیسپلٹی جب سے گھسنے لگی گھروں میں
دونوں ہیں پھر تو یکساں رستہ ہو یا مکاں ہو

کیا کیا طلا ہیں کیسے کیسے خضاب بکتے
مُردہ ہو زندہ جھنبے بوڑھا بھی جواں ہو

ایسے دہن سے حاصل ایسی کمر سے مطلب
جو ہو فقط معمّا جو صرف چیستاں ہو

باتیں یہ اُلٹی سیدھی سب ہیں خوشامدانہ
چاہے چُناں چنیں ہو چاہے چنیں چناں ہو

بے چٹ لنگوٹ باندھے کرتے ہیں زیر سب کو
نازک بدن حسینو تم ایسے پہلواں ہو

عُشاق بکتے بکتے خاموش ہو گئے خود
معشوق بے دہن ہے کیونکر نہیں سے ہاں ہو

ٹھوڑی میں اُن کی کنویاں ہو نیک نیک دیکھو
چاہِ ذقن کا مطلب بھاشا میں یوں بیاں ہو

لیلیٰ کے پاس کُتا ہے اک بڑا شکاری
مجنوں سمجھ کے جانا تم مشتِ اُستخواں ہو

کھدر کی اک لنگوٹی باندھے ہوئے ہے مجنوں
لیلیٰ کی ہے یہ خواہش محمل پہ دھوپ چھاں ہو

عصرِ جدید ہم کو تعلیم دے رہا ہے
یعنی میاں ہو بی بی، بی بی ہر اک میاں ہو

موت و حیات دونوں میں یہ رہے تناسب
معشوق کا ہو دسواں عاشق کا بیسواں ہو

معشوق بھی ہے انگریز یکلچر کا اک نمونہ
رُخسار پر ہو سبزہ ٹھوڑی میں اک کنواں ہو

شکوہ ظریف کیوں ہے قسمت میں یہ لکھا تھا
عُشاق گاڈدی ہوں معشوق کائیاں ہو

غزل نمبر ۶۴ ردیف و تعداد ابیات

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تمھیں دلدار بھی ہو اور تمھیں مشہور دلبر ہو
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیونکر ہو وہ کیونکر ہو

اُنھیں کے مرقدوں پر نصب لوحِ سنگِ مرمر ہو — جنھیں منظور تیرے عشق میں مرنا مکرّر ہو
مُنڈا کر داڑھی مونچھیں مادہ رو ہونے پہ مُصِر ہو — مؤنث دیکھنے میں ہو حقیقت میں مُذکّر ہو
بنے مادہ جُنوں کی شعبدہ بازی سے جو نر ہو — پہنائے بیڑیاں لیلیٰ تو وہ مجنوں کا زیور ہو
اُسی کے تخت میں بھی ناک اس پر کیا گزر جاتی — کسی کا ابروے خمدار خنجر ہو تو کیونکر ہو
کبھی میری طرف ہے اور کبھی ہے آپ کی جانب — مزہ پھر کیا ہے جب تھالی کا بینگن قلب مضطر ہو

وہ چاہے کل گھروں کو بیچ لے یا رہن کر ڈالے
ظریف آقا وہی ہے ہر محلّے کا جو مہتر ہو

غزل نمبر ۶۵ — ردیف و — تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ سُوجھی دل لگی دستِ جُنونِ فتنہ ساماں کو — میانی تک بڑھا کر لے گیا چاکِ گریباں کو
اگر پیچش ہوئی تیرے مریضِ زُلفِ پیچاں کو — تو بیچارہ فقط پھانکا کرے گا تخمِ ریحاں کو
مُبارکباد دیں سب اہلِ وحشت قیس کی ماں کو — بسائے جس کا بچہ نجد سے چٹیل بیاباں کو
جُنوں جب زور کرتا ہے گلے ملتے ہیں آپس میں — لڑاتے ہیں ترے وحشی گریباں سے گریباں کو
سُوالِ وصل پر انکار ہے اقرار ہے کیا ہے — کچھ اس انداز سے کہتے ہیں سمجھے کون جی ہاں کو
وفورِ بیخودی میں یار کو دیدے ٹپکتا ہوں — خدا غارت کرے ایسے جُنونِ فتنہ ساماں کو
اُسے محفل میں رندوں کی جو لانا ہو تو یوں لاؤ — کسی فانوس کا لہنگا پہنا دو شمعِ عُریاں کو
غضب یہ ہے کہ عادت پڑ گئی ہے بھانگ کھانے کی — گرانی کے زمانے میں تری زُلفِ پریشاں کو
جُنوں گھس جائیگا سب وحشیوں کے خانۂ دل میں — کُھلا دیکھا اگر دروازۂ چاکِ گریباں کو
کرو یوں چار آنکھیں اے حسینو ملنے والوں سے — کبھی دیکھو کبھی گھورو کبھی تاکو کبھی جھانکو

اے بیداد گر کچھ اس اشارے کو سمجھتا ہے
شہیدوں نے سرِ مقتل کسی کی آبرو رکھ لی
مسی مالیدہ لب کا قفلِ زنگ آلود کھلتا ہے
سحر تک اے شبِ فرقت میں تنہا جاگنے والے

کھجا کر داد ظاہر کر رہا ہوں سوزِ پنہاں کو
اڑھا کر خون کی اک سرخ چادر تیغِ عریاں کو
عجب کیا گر ملے حکم رہائی اہلِ زنداں کو
بجھا کر لیٹ رہ چپکے چراغِ شامِ ہجراں کو

دیا ہے حکم جو کڑ[۱] نے ظریف اچھا تو ہے شب بھر
مفاعیلن کے چو بردھے پہ مضموں لاد کر ہانکو

نوٹ۔ [۱] جوکڑ یعنی دلگی باز اس لفظ سے اس مقام پر مشتاق صاحب خلفِ مشتاق مرحوم مراد ہیں جنھوں نے اپنے مشاعرے کی طرح بحر ہزج مثمن سالم میں کی تھی اور یہ مشاعرہ معالیخاں کی سرا میں ہوا تھا مشتاق صاحب بھی انجمن معیارِ ادب کے ایک رکن تھے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶۶ **ردیف و** **تعداد ابیات ۴۰**

غزل چوزنگی

ادبِ ضعیف

بحر متدارک[۲] مخبون تشانزدہ رکنی

ارکان فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

میرے تیرِ ہمت دو کو یاراں اسکی اُدھر کو جانے دو
دلکی بات رہے کیوں دل میں دلبر سے کہہ آنے دو
بن کے دِوانہ اسکی گلی میں سو سو پھیرے کرتا ہوں
دلکی لگی کو وہ کیا سمجھے ناصح کو سمجھانے دو
مقتل میں ندی لو ہو کی آج بہے گی سنتا ہوں
جوشِ جنوں ہے بار بار بڑھ یہ ہمدم مت روکو اب جانے دو

نوٹ۔ [۲] اس وزن میں مخبون اور مسکن کا اجتماع ہر جگہ جائز ہے۔ صفی عفی عنہ

پھاڑ کے نامہ پھینک دیا یہ کہہ کے قاصد سے اُن نے
عاشق کاغذ کے گھوڑے دوڑاتے ہیں دوڑانے دو

رفتنِ رنگیں گلرویاں سے گلشن میں ٹھہراؤ نہیں
جاؤ اگر ہو کرنے تماشا اُسکے کنے تک جانے دو

کیا دیکھو ہو آ گا پیچھا مقتل کے گلزار میں جا
یکدم اُس بے چشم و رو کی تیغ تلے پھل کھانے دو

دل کی کلی مرجھائی ہوئی ہے جس کی گرہ میں دام نہیں
اس کے تئیں کیا فصلِ بہار آئی ہے چمن میں آنے دو

اَدَبِ کثیف

رشکِ قمر کو آبِ چاہِ باغ سے تم نہلانے دو
پیڑ اُسی سے سینچو ہر پھل مہتابی بن جانے دو

عاشق دامن میں صحرا کے جاکے گریباں پھاڑینگے
چولی مسکے گی انگیا کی اُن کی جوانی آنے دو

پیرِ مُغاں کے سر پر سایہ لال پری کا رہتا ہے
اس کی گواہی دینے آئے مُلّا اور سیانے دو

زلفوں کی ہر ناگن اُسکے جوبن پر لہرائے گی
باندھ کے جوڑی کی تو بنی محفل میں اُسکو آنے دو

آبِ رواں کا ہم نہ دوپٹا اُس کے لیے بنوائیں گے
مثلِ حباب اُس بجرادا کو ہم سے آنکھ چرانے دو

زلف بنانے وہ بیٹھے مشاطہ سے کیا کیا بگڑے
ٹوٹ گئے گھونگھر میں پھنسکر کنگھی کے دندانے دو

لیٹا رہا تارا سی آنکھیں کھولے وہ مہ وش شب بھر
ایک نہ سنی اُس نے نہ میری گو میں نے کہے افسانے دو

اَدَبِ لطیف

جوشِ شبابیات سے پُر ہیں آنکھوں کے پیمانے دو
سیمابی ساغر میں بوندیں شبنم کو ٹپکانے دو

دیکھ کے شبنم کی عُریانی غنچے تبسّم پاش ہوئے
صحنِ چمن میں بیچ کی انگلی کانٹوں کو مٹکانے دو

جوشِ تبسّم بجلی کا وہ شورِ تخیّل بادل کا
غور سے دیکھو ابر میں تو آتے ہیں نظر دیوانے دو

اُنکے لبوں پہ عُریاں ہو کر جبکہ تبسّم رقص کرے
ہرج نہیں کانوں کے پردے پھٹ جائیں پھٹ جانے دو

مائن کی دوشیزہ لڑکی بھورے بھورے بال لئے
رقص کرے گی صحنِ چمن میں فصلِ بہاری آنے دو

دیکھ کے سنسانیت بن کی شیر ترنم خیز ہوئے
آہو لرزاں کہہ کے بھاگے ہم کو جان بچانے دو

کیفِ بقا سے مستغنی ہے جوشِ فنائیت میں غرق
قلزمِ رنگ نے بو میں مسلسل دل کو غوطے کھانے دو

سانس جو لی مستانہ ہوا نے بحر میں اک طوفان اٹھا
جوشِ جنوں موجوں کو ہوا ساحل سے سر ٹکرانے دو

اس پیمانے کی مے اردو مہوے کی ہے تلخ شراب
اُسکو پی کے ساعت کا جی تلملائے تلملانے دو

ادب ظریف

ہم کو اُڑانے دو کنکوے بدکر پینچ لڑانے دو
سر پہ فلاکت منڈلاتی ہے ہرج نہیں منڈلانے دو

فیشن کا یہ حکم ہے عورت مرد بنے پٹے رکھ لے
مرد زنانی شکل بنائیں ڈاڑھی مونچھ منڈانے دو

غیر کی دیکھا دیکھی تم سے چار آنکھیں کیا خاک کریں
چاہے اس میں اک اندھا عاشق ہو چاہے کانے دو

قیس میں اور فرہاد میں آخر کونسا تھا اُن کا پار
گھس پل کر ہر ایک غزل میں آتے ہیں دیوانے دو

کھنچے کھنچے پھرنا گردن باندھ کے بزدلِ عاشق کی
مفت کی بن جائیگی رسی زلفو نکو بل کھانے دو

مرد کی صورت ایک یہ ہے اور ایک ہے عورت کا چہرہ
ہر اسٹیشن پر ہیں دیکھو جلوہ نما پاخانے دو

تنگدلی کی حد ہے کوئی مُردوں پر غصہ کیسا
مار کے ٹھوکر سنگِ لحد پر لنگڑا ہیں لنگڑانے دو

کوئی سمجھا اذن دیا اور کوئی یہ سمجھا منع کیا
حکم دیا دربان کو اُسنے روکو نہ اُنکو آنے دو

آگ بھڑک کر شعلہ رخوں کی کھینچ کے کہنا ٹھہر تو
ہے یہ چراغِ حُسن کی بتی اس کو ذرا اُکسانے دو

صدہا دل لیکھوں کی صورت اُن کی لٹوں میں چمٹے ہیں
دل کا چھوٹنا بچ جائیگا زلفوں کو سلجھانے دو

میل کی صورت ہند میں کیا ہو بحث جب یہ کہیے
ٹیسو ہمارا جھگڑا کرے گا اب کی دسہرا آنے دو

ہاتھی گھوڑا منگتے نہیں ہم شال دوشالہ منگتے نہیں
مال خزانہ منگتے نہیں اک آنہ یا دو آنے دو

دینگے صدا مشتاق کہ انٹے بچے والی چیل جھوٹ
اپنی نظر کی چیل کو دل کی بوٹی پر منڈلانے دو

یار کے کوچے کی ہے رونق ایک فقط اُسکے دم سے
بھیڑ دل ناچیگا مقتل میں بسمل کر مرجانے دو

گگری چھوکھی بیل پیاسا کالے پینگھا پانی دے | لوٹ کے سب میخوار کہیں گے جام و سبو تو آنے دو
مقتل بھر میں صدہا بسمل تا تھئی تا تھئی ناچ گئے | ناچ کھلاڑی دھنک دھنا قاتل کو فرمانے دو

خالی خولی واہ جو کی کیا حاصل اُس سے بھائی ظریفؔ
جس کا شعر پسند آئے فی شعر اُسے دو آنے دو

نوٹ ۔ ۲۰ فروری ۱۹۲۶ء کو اس طرح میں ایک مشاعرہ بمقام لکھنؤ یونیورسٹی ہوا تھا۔ وہیں یہ غزل پڑھی گئی تھی ۔ صفی عُفی عنہٗ

غزل نمبر ۶ — ردیف ہ — تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مثمن اخرب سالم — ارکان۔ مفعولُ مفاعیلن مفعولُ مفاعیلن۔

سرکس کا تماشا ہے بدمستوں کا میخانہ | اک اور قلابازی اے لغزشِ مستانہ
لیلیٰ تری محمل میں گھس پڑتا ہے دیوانہ | مجنوں کی شکایت کیا دیوانہ تو دیوانہ
مغرب کے مُقلّد کا گردش میں ہے پیمانہ | دونوں سے رفو چکر کعبہ ہو کہ بتخانہ
اے شیخ مبارک ہو طوفِ درِ میخانہ | یہ جُبّہ و عمّامہ یہ سجدۂ صد دانہ
تا صبح سُناتا میں اشعار ظریفانہ | فی شعر اگر دیتا کوئی مجھے اِک آنہ
پھوٹی ہوئی قسمت میں میخواروں کی لکھا ہے | اِک بال پڑا شیشہ درکا ہوا پیمانہ
گر چشم قناعت سے دیکھو تو برابر ہے | نادار کا اِک چھپّر زردار کا خس خانہ
فیشن کی محبّت میں ہرگز نہ گوارا کر | تقلید زنانوں کی اے ہمّتِ مردانہ
اے دُزدِ حنا تیری بندھواؤں کہاں مشکیں | نزدیک یہاں جو کی کوئی نہ کوئی تھانہ
ہر چند وہی ڈھونڈا صورت میں نہیں بھونڈا | ہر موج تبسّم ہے اک سین کا دندانہ
اِنسان ظریفؔ اچھا خاصہ بھی اگر ہوتا | دیوان ترا پڑھ کر ہو جاتا وہ دیوانہ

غزل نمبر ٦٨ ردیف ہ تعداد ابیات ٢١

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور یا محذوف (قطعہ بند) ارکان ۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

سمجھیے آپ اُسے فیشن کا ایک دیوانہ ہو جس کی شکل زنانی لباس مردانہ
ہے احترامِ بزرگی منافیِ تہذیب اسی کا نام ہے آزادیٔ بہیمانہ
یہ انقلابِ زمانہ سے ہو گئی حالت ہوئے ہیں مذہب و ملّت سے لوگ بیگانہ
جو مادّے کی اُلٹ پھیر کو خدا سمجھے وہ اِس زمانے کا عاقل ہے اور فرزانہ
خیالِ پیرس و لندن نے کر دیا مدہوش کہ اَب نظر میں نہ کعبہ ہے اور نہ بُت خانہ
گناہ ہے حج و تیرتھ بحکمِ دورِ جدید طوافِ شملہ و لندن ہے فرضِ سالانہ
وہاں یہ دیکھو گے کیا خاک پتھر آنکھوں سے یہاں ہے حُسنِ فرنگ اور ادائے مستانہ
کہیں مفید ہے سب سے زیادہ فلمی فیر جہاں دکھائی تو دیتا ہے روئے جانانہ
انھیں نہ کام ہے گیتا سے اور نہ قرآں سے جو لوگ پڑھتے ہیں اسٹیٹسمین روزانہ
خود اشتہار حسین اپنا دے کے کہتے ہیں متاعِ حُسن جو لینا ہو بھیجو بیعانہ
یہ فیضِ عام نئی روشنی کا صدقہ ہے بدل گیا رُخِ تصویرِ شمع و پروانہ
قصائدِ فلم اسٹارس وہ بھی با تصویر یہ کیا ہے گر نہیں دیوٹی ادیبانہ
جُوا۔ کلب۔ سینما۔ ریس کورس۔ دورِ شراب مہذّبوں کے یہ اشغال ہیں حکیمانہ
جناب شیخ گئے اسپتال بہرِ علاج ملاحظہ ہو ذرا یہ ادائے رندانہ
بیان کرتے ہیں یوں ڈاکٹر سے حال اپنا بصد سُرور بہ اندازِ بے حجابانہ
شراب خواری سے ہاتھ تو نہیں ہو گیا رعشہ (مصرعِ طرح) "چھلک گیا مرے ہونٹوں تک آ کے پیمانہ"
سُن اپنے بچّوں کی حالت بغور مادرِ ہند نہیں سُنانے کے قابل ہے گو یہ افسانہ

خدا کی شان وہ آزادیوں کے طالب ہیں — کہ جن کی ذہنیتیں ہو چکیں غلامانہ
ہوئے مقلّدِ یورپ تو صرف فیشن میں — اُنھوں نے غیر کی تقلید کی تو کورانہ
بیٹھیں گے جا کر ٹیرین[۱] کی شاپ میں آپ — نہ چاہے بیوی کے کھانے کو گھر میں ہو دانہ
پھٹی پُرانی لنگوٹی میں پھاگ کھیلیں گے — اور اُس پہ ضد ہے کہ سمجھو نہ اِنکو دیوانہ
بہار[۲] میں ہے قیامت بپا تو ان کو کیا — جو شام کو سینما دیکھتے ہیں روزانہ
نہ قومیت ہے نہ غیرت نہ اُن میں استقلال — مدّبری کا ہے دعویٰ مزاج طفلانہ
ہے جوش سوڈے کی بوتل کی طرح کا وقتی — پھر اُس پہ شوقِ حکومت بطرزِ شاہانہ
کہیں اذاں کی صدا باعثِ اذیّتِ قلب — مگر ہے چرچ کا گھنٹہ صدائے جانانہ
یہ سُورما ہیں مگر محض خانہ جنگی میں — خطا ہو غیر کی گھُرکی سے جن کا پاخانہ
خلل نماز میں پڑنے لگا ہے باجے سے — رجوع قلب کا اب رہ گیا یہ پیمانہ
ہے خانقاہ میں جانا گناہ اِس کے لئے — ہے اُس کے واسطے تکلیف دہ عزاخانہ
زباں سے ہیں ابھی وحدانیت کے کچھ قائل — مگر خدا ہے ہر اک شخص کا جُداگانہ
ہے اتّحاد فقط ایک لفظِ بے معنی — زمانہ جبکہ ہو روحانیت سے بیگانہ

ظریفؔ ختم کرو داستانِ عہدِ جدید
سُنے گا کون بہت تلخ ہے یہ افسانہ

نوٹ ۔ [۱] لکھنؤ کے محلہ حضرت گنج میں ایک انگریزی دکان تھی۔ جہاں انگریز اور مغرب زدہ ہندستانی جاکر چائے پیتے تھے۔ [۲] جس زمانہ میں شدید زلزلہ صوبۂ بہار میں آیا تھا بہارِ ادب کے مشاعرے میں یہ طرح ہوئی تھی۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶۹ ردیف یائے معروف تعداد ابیات ۱۶

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف ارکان مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ و مفاعیل یا فعولن

کوئی دلِ بیتاب کو ڈانٹے کہ ٹھہر بھی
اُدتھالی کے بیگن تو اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

دریا میں تلاطم بھی ہے موجیں بھی بھنور بھی
گھڑیال بھی کچھوا بھی ہے مچھلی بھی مگر بھی

کہتے ہیں گدھا لوگ جسے ہے وہی خر بھی
انساں ہے وہی سب جسے کہتے ہیں بشر بھی

اڑیل ہیں جو گھاس اُنکے لئے خشک بھی تر بھی مصرع طرح ڈالے خانہ برانداز چمن کچھ تو اِدھر بھی

جھالر نہ ہو جس میں تو وہ اِقرار ہے لنڈا
وعدہ ہے وہی جس میں اگر بھی ہو مگر بھی

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
دلّال زباں ہے جو اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

گھڑیالیوں کو دیکھئے گھڑیال بجا کر
چار آٹھ پہ بارہ پہ بجاتے ہیں گجر بھی

مشہور مثل ہے غلط العام فصیح
اس وجہ سے سب صدر کو کہتے ہیں صَدر بھی

گہہ رخ پہ نقاب اُس کے کبھی ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو مادہ بھی ہو نر بھی

سُن لیجئے تشبیہہ بغیر اِسکے ہے ناقص
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اِک پالئے خر بھی

کھتی ہے سدا صاحبِ مقدور کی اولاد
ترکہ ملے ہم کو اَبے جلدی کہیں مر بھی

اِک ڈول مرے دِل کا ہے تجھ میں وہ نکل آئے
اُد چاہِ ذقن جلد کسی رُوز اُبھر بھی

تحریر کا عنوان بھی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب میں ہے مائی ڈیر بھی

دِن رات یہی ہجر میں کھانا ہے تو صاحب
غم اپنا بریک فاسٹ بھی ہے اور ڈنر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ دو عضو ندارد
معشوق وہ ہے جس کے دہن بھی ہو کمر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
اِک چونچ بھی جن کے ہو ظرآئف اور ہوں پر بھی

غزل نمبر ۷ — ردیف ی — تعداد ابیات ۸

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جسے کہتے ہیں کژدم ہے اُسی کا نام بچھّو بھی — ہرن کہتے ہیں جس کو ہے وہی مشہور آہو بھی

سگِ جاناں کو گر دراصل تم کُتا سمجھتے ہو — بلا دُ امتحاناً ایک دن پھر کہہ کے تُو تُو بھی

یہ دیکھا ہے جہاں برسات میں دنکو پڑا پانی — اندھیری رات میں اکثر اُڑا کرتے ہیں جُگنو بھی

کوئی گھبرا کے گر پانی پئے تو ہم نے دیکھا ہے — اِسی جلدی میں اکثر اُس کو ہو جاتا ہے اُچھّو بھی

اُنہیں دیکھو زمانے میں کبوتر باز ہیں جتنے — کبھی سیٹی بجاتے ہیں کبھی کرتے ہیں کُو کُو بھی

جو انگریزی میں لکھتے ہیں الف بے قاعدہ یہ ہے — کہ اوّل اکس وائی زیڈ کے لکھ دیتے ہیں ڈبلو بھی

کیا ہے زرد اِس کالی بلا نے وائے بیدردی — اُنھیں کو حُسن کے جو اکثر پیا کرتے ہیں جاڑو بھی

ظریف اُردو کے لٹریچر میں ہم یہ کہہ نہیں سکتے
مذاقِ اہلِ یورپ میں تو سنجیدہ ہے اُلّو بھی

غزل نمبر ۱ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ مفاعیل یا فعولن

تعریف دَہن کی ہمیں آئی نہ کمر کی — کچھ دھیان اِدھر کا ہے نہ کچھ فکر اُدھر کی

اُس شوخ کو سُنتا ہوں ضرورت ہے چنور کی — دُم نوچوں گا اِک روز کسی مرغِ سحَر کی

نازک ہے کلائی تری تیغ اُٹھ نہ سکے گی — عاشق نے یہ کہہ کہہ کے بلا ٹال دی سَر کی

بھیجوں گا کلیجی کے کباب اُن کو کسی دِن — لذّت جنھیں معلوم نہیں سوزِ جگر کی

تھکے سوئیاں یہ پاؤں کسی جیب گھڑی کی — گردش ہی میں دن رات جو اوقات بسر کی

شاید کہ یہ مسٹر ہے کوئی اور وہ لیڈی — کُتّے یہ مرے شیر ہے کُتیا ترے در کی
عشّاق سمجھتے ہیں حضور آپ ہیں بھنگی — سچّی یہی تعریف ہے بس ترچھی نظر کی
چہرہ تو نہ اُن کا کبھی گھٹتا ہے نہ بڑھتا — تشبیہہ غلط ہے رُخِ روشن سے قمر کی
تم جس میں ہو ناسور اُسی دل کے ہیں رستے — لو کچھ تو خبر اپنے ٹپکتے ہوئے گھر کی
چُپ چاپ چُھپا بیٹھا ہے وہ عرش کے نیچے — اے دستِ دعا ٹانگ تو لے بڑھ کے اثر کی
جس شخص کا جی چاہتا ہو بننے کو پاگل — گتھی وہی سلجھائے ترے موئے کمر کی

انگریزی کا یہ زور ہے، بستے ہیں جہاں ترک
کہتے ہیں مسلمان، ظریف اب اُسے ٹرکی

غزل نمبر ۲۷ — ردیف ی — تعداد ابیات ۲۷

بحر خفیف مُسدّس مخبون مقصور یا محذوف۔ — ارکان۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

رات کٹنے پہ صبح گر نہ ہوئی — دل لگی ہو گئی سحر نہ ہوئی
وہ خوشی جس کو لوگ کہتے ہیں عید — ایک دن ہو کے سال بھر نہ ہوئی
شبِ فرقت کچھ اسطرح روئی — رات بھیگی پر آنکھ تر نہ ہوئی
آہ نے توڑ دی کمر لیکن — فلکِ پیر کو خبر نہ ہوئی
میرے اُن کے ہوئی لڑائی یوں — آئی ڈی ٹی کو بھی خبر نہ ہوئی
ڈر تھا عادت خراب ہو جاتی — آہ ہم صحبتِ اثر نہ ہوئی
جب کہا میں نے اُس سے الفت ہے — ہنس کے کہنے لگا اگر نہ ہوئی
گو پریشاں بہت ہوئی لیکن — زلف اُس کی تتر بتر نہ ہوئی
باندھ کر تیغ گھومتے وہ ضرور — بہت اچھا ہوا کمر نہ ہوئی

کہتی ہے یہ ادائے یار کہ ہیں　　حُسن کے بحر میں مگر نہ ہوئی
بیدِ مجنوں کی ایک شاخ ہوئی　　وہ لچکتی ہوئی کمر نہ ہوئی
وہ بھی گونگے بنے رہے ہم بھی　　گفتگو قصّہ مختصر نہ ہوئی
سر بھی ہے ہاتھ پیر بھی موجود　　یار ٹیسوُ ہے جب کمر نہ ہوئی
شاعرِ یار کی نشیلی آنکھ　　کیوں ہرن ہے یہ گورخر نہ ہوئی
اُس نے بیمار کا گلا گھونٹا　　جب دوا کوئی کارگر نہ ہوئی
ایسی الفت کا اعتبار رہی کیا　　جو نیر سے جو سینیر نہ ہوئی
جنگلوں میں جو زندگی گزری　　پھر بسیرا ہوا البَر نہ ہوئی
قحط سے عاشقوں کو کیا مطلب　　فاقہ مستوں کو کچھ خبر نہ ہوئی
طائرِ دل کا جو شکار کرے　　وہ تو شکرا ہوا نظر نہ ہوئی
دخترِ رز کو لے گئے سب رند　　پیرِ میخانہ کو خبر نہ ہوئی
اِس کو آیا کبھی نہ غرّانا　　لومڑی دل کی شیرِ نر نہ ہوئی

آدبِ لطیف

طبع مائل مگر اِدھر نہ ہوئی　　مشق لافِ جنوں اثر نہ ہوئی
عرضِ خمیازۂ قدح پیما　　نقلِ خم خانۂ نظر نہ ہوئی
سازِ محشر پہ جنبشِ مضراب　　دل شکستن سے نغمہ در نہ ہوئی
وضعِ تمکینِ شاہد طنّاز　　آتش افروزِ خشک و تر نہ ہوئی
اللہ اللہ نفس گدازیِ شوق　　شمع کاشانۂ سحر نہ ہوئی
پھر کہیں گے ظرؔیف کوئی غزل　　طرح گر یوں کٹر پٹر نہ ہوئی

نوٹ لہ ایک انگریزی اخبار کا نام ہے ےلہ دسہرے کے زمانے میں کمہار ایک کھلونا بناتے تھے۔ جس کا چہرہ گردن تک اور دونوں ہاتھ گٹے تک علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے ہندوؤں کے لڑکے انھیں مول لیکر تین لکڑیوں پر جو ہاتھ ہاتھ بھر کی ہوتی تھیں نصب کرکے لکڑیوں کو بیچ سے باندھ دیتے تھے۔ اِن لکڑیوں کا نام تگڑا یا تھا بیچ والی لکڑی کے سرے پر سر ہوتا تھا۔ اور دونوں طرف کی لکڑیوں میں ہاتھ اور اُسے ٹیسو کہتے تھے سر شام اِس ٹیسو کو لے کر ہر دروازے پر جاتے تھے اِس غول میں ایک لیڈر ہوتا تھا اور وہ کہتا تھا۔

ٹیسو جی تم ہم سے راجی : سدا دُوارے نوبت باجی ۔ باقی لڑکے اسی کو دہراتے تھے اس کو ٹیسو انگنا کہتے تھے لوگ اُنھیں پیسہ دو پیسے دے دیا کرتے تھے۔ دسویں روز یہ ٹیسو دریا میں سرا دیا جاتا تھا اور جو رقم جمع ہوتی تھی۔ اُس کے ریوڑی چُرڑ دے خرید کر لڑکے باہم تقسیم کر لیتے تھے لکھنؤ میں پہلے یہ رسم جاری تھی۔ لیکن اب موقوف ہوگئی۔ صفی عفی عنہ

غزل ۷۳ ردیف ی تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مثمن سالم

ارکان ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بنے جب عشق مشاطہ تو کیا ہو شاد ماں کوئی
ملی مجنوں کو بیوی اور نہ لیلےٰ کو میاں کوئی

گرے یارب اُسی ہنگام میں بجلی نشیمن پر
چمن میں جب اُجاڑے آکے میرا آشیاں کوئی

بیانِ عشق میں پہلے اُنھیں کا نام آتا ہے
زمانے بھر کے ٹھیکیدار تھے مجنوں میاں کوئی

جنابِ واعظ اس قرأت نما تقریر کے صدقے
بجز حضرت کے یوں کیونکر لڑائے بلیاں کوئی

بندھی حجت سٹا اچ اب وہ گھڑی بھی آنے والی ہے
کلائی میں خوشی سے اپنے پہنے چوڑیاں کوئی

صفایا داڑھی مونچھوں کا اِدھر زلفیں اُدھر غائب
میاں بیوی بنا کوئی بنی بیوی میاں کوئی

محبت متصل ہوتی ہے اس تہذیب سے سب میں
کوئی انعام پائے اور بجائے تالیاں کوئی

بھلا فیشن کا ہو، بلیرڈ کھیلے تو مہذّب ہے
مگر وہ نا مہذّب ہے جو کھیلے گولیاں کوئی

نہیں معلوم اُردو میں اُسے کہیئے تو کیا کہیئے
مہذب پولٹری شو میں جو بھیجے مرغیاں کوئی

نہایت سہل ہے افسوس سے الفاظ واپس لے
جسے جی چاہے پہلے شوق سے دے گالیاں کوئی

مہذّب یہ طریقہ خوب ہے، اُلّو بنانے کا
کہ جب اسپیچ سے خوش ہو بجاوے تالیاں کوئی

الہ آباد میں اسکول کالج ہر جگہ پہونچے
ظریف اب وِدّیا مندر میں دوگے امتحاں کوئی

غزل ۸۷ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مُثمّن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

ضرورت اُن کو مشاطہ کی ہوگی اب نہ شانے کی
قسم کھائی ہے اس گرمی میں سارا سر منڈانے کی

یا نا بامزہ تخئیل ہے اگلے زمانے کی
مگر شیرینیٔ لب کیا نہ پینے کی نہ کھانے کی

پریشانی سے ہے محتاج کنگھی دانے دانے کی
تری زلفوں کو ہوگی اب ضرورت ناگ کھانے کی

جوانی جوش پر آئی مُہاسوں کی یہ کثرت ہے
بُت کافر کا چہرہ ہے کہ لیّا رام دانے کی

اثر مشقِ تصوّر کا ہوا مرنے پہ بھی ظاہر
ضرورت ہو گئی عاشق کی میّت کو نہانے کی

اِدھر عشاق کو دیکھا اور ان کی گردنیں پکڑیں
ہوئی ہے اُن کو عادت اسقدر ڈنبل ہلانے کی

حقیقت میں شبِ وصل و رہی مون ایک ہی شے ہے
نئی تہذیب میں تخئیل ہے اگلے زمانے کی

محبت کے اکھاڑے میں بہت کمزور ہوں لیکن
مجھے عادت ہے خالی ہاتھ ہی مُگدر ہلانے کی

بچانے اتنی محنت کی چھٹی کا دودھ یاد آیا
یہ کیا فرہاد کو سُوجھی تھی جوئے شیر لانے کی

ارادہ ہے کہ اپنے خانۂ دل میں نہ رہنے دوں
کہیں عادت نہ پڑ جائے اُنھیں گھر بیٹھ جانے کی

سُنو صاحب تمہارے حسن کی میونسپلٹی میں
ہے عاشق اک کراچی رنج کا کوڑا اُٹھانے کی

یہ عاشق اپنے معشوقوں کو کیا شہد اسمجھتے ہیں
تمنّا اُس سے کرتے ہیں جو میّت کے اُٹھانے کی

ابھی جوہر تمھارے خنجرِ ابرو کے کھُل جائیں — جو مقتل میں اجازت دو ذرا سلّی جتانے کی
وہ غمگیں ہوں کہ بی شادیؔ سمجھ کر رو دیا فوراً — سُنی آواز جب طفلی میں میں نے شادیانے کی
نہ اِس میں درد کا کھٹکا نہ اسمیں عشق کا جھگڑا
ظریفؔ اپنی غزل اک چیز ہے ہنسنے ہنسانے کی

نوٹ ۔ لہ بی شادی ایک فرضی نام ہے ۔ عورتیں یہ نام لیکر چھوٹے بچّوں کو جب وہ روتے ہیں ڈراتی ہیں ۔ ظفی عفی عنہ

غزل نمبر ۵ — ردیف ی — تعداد ابیات ۲۴

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

اُس نے مضمون پڑھا اور نہ عبارت دیکھی — خط مرا پھاڑ کے پھینکا یہ جہالت دیکھی؟
نبض ہی دیکھی نہ بیمار کی حالت دیکھی — تھرمامیٹر سے مسیحا نے حرارت دیکھی
اِن کو مَریل نہ سمجھئے یہ بڑے دہادت ہیں — جیتے جی مر گئے عشاق کی عُجلت دیکھی؟
خطِ دلدار کی حجّام نے کردی اصلاح — کوئی اعراب نہ دیکھا نہ اضافت دیکھی
اس مصیبت میں کٹا دن کہ الٰہی توبہ — صبح کو آپ کی عاشق نے جو صورت دیکھی
ناک کان آنکھ تو موجود مگر مُنہ غائب — اس پہ کچھ آئینے کی آپ نے حیرت دیکھی؟
اُس پہ عاشق ہوئے احباب تو پاگل پن ہے — نام جس شخص کا معلوم نہ صورت دیکھی
اُٹھ کے اک بار کبڈّی جو لگائی اُس نے — چلتی پھرتی ہوئی لوگوں نے قیامت دیکھی
سر منڈاتے کبھی دیکھا کبھی کاکُل چھوڑے — شامِ غربت کبھی صبحِ شبِ وصلت دیکھی
یہ بھلا فاتحہ خوانی کا طریقہ ہے کوئی — جڑ دی اک لات جہاں آپنے تربت دیکھی
غیر نے بیچ میں جھنجھلا کے الف کھونس دیا — آپ نے اس کی حمیت کی حمایت دیکھی؟

ہوئی اس حال[1] سے بیمارِ محبّت کی خبر — چادرِ بسترِ غم اُس نے جو لَت پَت دیکھی
دھیمی دھیمی جو ہوا میں ہوئی وحشت پیدا — بدلی رُت وحشیوں کی اور حماقت دیکھی
ہوگیا دائرہ عشق سے بالکل باہر — آپ نے غیر کی چوکورِ محبّت دیکھی
آئے تھے فاتحہ خوانی کو خفا ہو کے چلے — اپنے عاشق کی جو ٹوٹی ہوئی تربت دیکھی
اے پھُدکتے ہوئے دِل تیرے پھُدکنے کے نثار — تُنبہ مینڈک کا ہوا جب تری صورت دیکھی
طفلِ اشک اپنے گراتا ہوں ترے دامن پر — تو نے ظالم یہ ہُمکتی ہوئی ہمّت دیکھی
انکھڑیاں پھاڑ کے رہ رہ گیا وہ شوخ نظر — میرے اشعار پہ جب صاد کی کثرت دیکھی
چھاؤں تاروں کی وہ سمجھا کیا دھوکا کھایا — ہائے جب دھوپ سہانی سرِ تربت دیکھی
یہ اسیری کی مشقت سے گری جاتی ہے — آپ سب نے مری کمزور طبیعت دیکھی؟
سندیں دے کے بناتے ہیں مجھے سب شاعر — لکھنؤ والوں کی سنجیدہ ظرافت دیکھی؟
شاعروں[2] نے نہ لیا کیا اُسے ذلیل سمجھے — میرے دیوان کی آدھ آنہ جو قیمت دیکھی
ناچتے بھاگے عیادت کیلئے آئے تھے گو — اپنے بیمار کی تم نے جو بُری گت دیکھی

ہے مرے منہ میں زباں اہلِ زباں ہوں میں ظریف
آپ نے میرا تصرّف مری جدّت دیکھی؟

نوٹ۔ [1] اِس حال اور اسہال میں ایہام تجنیسی ہے۔ اسی بنا پر یہ شعر نظم ہوا ہے [2] اس شعر میں کلیم کے دیوان کی طرف اشارہ ہے۔ کلیم ایک شاعر تھے اور اُن سے بہت لوگ مزاح کرتے تھے جب اُن کا دیوان چھپا۔ تو یار لوگوں نے اُسے ٹکے سیر بیچنا شروع کر دیا اور اُنھوں نے بگڑ بگڑ کے گالیاں دینا شروع کیں۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶ — ردیف ی — تعداد ابیات ۵

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان. مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جب اسٹیشن کے باہر ریل گاڑی ہمنشیں نکلی — سوا انجن کے کس کے منہ سے آہِ آتشیں نکلی
خدا کی شان ہو دیکھے موٹاپا کوئی اُس بت کا — نہ نکلا آستیں سے ہاتھ آخر آستیں نکلی
ہوا ہوں غرق اتنا شاعری کے استعاروں میں — فلک پہ چاند نکلا میں پکارا لو جبیں نکلی
ہوئی کل ہاتھا پائی یار اور اغیار میں ایسی — کسی کا پائینچا نکلا کسی کی آستیں نکلی
سُنا جب اِس کُرّے کے نیچے امریکن کے تلوے ہیں
کہوں کیا میں ظریف اُس وقت پیروں سے زمیں نکلی

غزل نمبر ۷ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۴

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فعلن

کج ادائی آپ کے تیر نگاہِ ناز کی — دیدہ و دانستہ عاشق نے نظر انداز کی
مٹتے مٹتے جان نکلی عاشقِ جانباز کی — مار ڈالا تیرے غمزوں نے دہائی ناز کی
تجھ کو دیکھوں کس طرح الفت نے اندھا کر دیا — میرے کانوں کو تمنا ہے تری آواز کی
شمع ساں گھلنے پہ بھی پھولے ہیں نقارہ سے گال — آدھی صورت سوز کی ہے آدھی صورت ساز کی
آہِ آتش بار ہے فرقت کی شب دیپک کا راگ — روشنی پھیلی ہے لَو دیتی ہوئی آواز کی
آئی پیری اُڑ گیا چہرے کا سب کندن سا رنگ — دیکھ لی صنعت ترے حُسنِ ملمع ساز کی
گھوم کر تم نے جو دیکھا روح نکلی جسم سے — ایک نے تاڑا لگایا ایک نے پرواز کی
حُسن کے سر پر چڑھا یوں خونِ ناحق عشق کا — لال پگڑی ہوتی ہے جس طرح برقنداز کی

بات کرنا تجھ سے او گندہ دہن دشوار ہے — ناک میں دم کر رہی ہے بُو تری آواز کی
نزع میں بکڑے ہوئے تھے اپنی داڑھی شیخ جی — رہ گئی دُم اور مُرغِ روح نے پرواز کی
بعد مرنے کے بلا دو گز کفن دو گز زمیں — یہ عنایت گورکن کی وہ میاں بزّاز کی
نزع کے ہنگام ہے آواز بھرّائی ہوئی — اب تو نالے سے صدا آتی ہے بگڑے ساز کی
تیر تو گھٹنے پہ مارا پھوڑ دی عاشق کی آنکھ — کج ادائی دیکھ لی تیرِ نگاہِ ناز کی

ہوگئی نٹ کا تماشا اُن کی محفل میں ظریف
صورتِ زار اِک قلابازی سے دل کے راز کی

غزل نمبر ۷۸ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۵

بحر رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

گالیوں کی انھیں پروا ہے نہ بیزاروں کی — کیا حمیّت ہے محبت کے گرفتاروں کی
تھوک دیتا ہے جو وہ مست کبھی پان کی پیک — دیکھ کر رال ٹپک پڑتی ہے میخواروں کی
نہ غذا کھاتے ہیں مطلق نہ دوا پیتے ہیں — ایسی تیسی مرضِ عشق کے بیماروں کی
طائرِ دل کو جو زلفوں میں پھنسا لیتے ہیں — یہ حسینوں کی ہے خصلت کہ چڑیماروں کی
رہنے والے تو مُسافر عدم آباد کے ہیں — پھر یہ دُنیا ہے سرا کون سے بھٹیاروں کی
گنجی چندیا پہ چھڑک لی ہے اُنھوں نے افشاں — چاند کی ہم کو ضرورت ہے نہ اب تاروں کی
جان دی ہو لبِ شیریں پہ جنھوں نے اپنی — اُنکے سوئم کی ہو مجلس تو شکر پاروں کی
دمِ آخر ملک الموت کی وہ شکلِ مہیب — دیکھ کر آنکھ بھی جاتی رہے بیماروں کی
سُنکے ہوتی ہے ہر اک اہلِ زباں کو وحشت — سنسنی خیز ہے اُردو مگر اخباروں کی
دیکھ کر حُسنِ حقیقی کا بتوں میں جلوہ — جذبِ باطن سے رگیں کھنچ گئیں زنّاروں کی

محو ذرّاتِ جہاں تاب ہیں اُن کی آنکھیں
کوچۂ حُسن میں ہے چھاؤں اِنھیں تاروں کی

چشمِ عاشق کی سفیدی کو جو بہتے دیکھا
آنکھیں پتھرا گئیں اُس قصر کے معماروں کی

ساقیا رنگِ زمانہ ہے تری مٹھّی میں
عالم آشوب ہے چِتون ترے میخواروں کی

دشتِ وحشت کی طرف دل نے جو پھیلائے پاؤں
تلوے سہلانے لگی بڑھ کے خلش خاروں کی

سبزۂ خط رُخِ جاناں پہ جو نکلا ہے ظریفؔ
نظریں للچائی ہوئی پڑتی ہیں گھسیاروں کی

غزل نمبر ۷۹ ردیف ی تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمّن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جو غیرت مندِ طبعِ زاہدِ مسند نشیں ہوتی
تو یوں مُرغی کے چُگنے کی طرح کیوں ریزہ چیں ہوتی

جو فکرِ شعر ایسی طرح میں میرے تئیں ہوتی
تو اُسکا سر کہیں ہوتا اور اُسکی دُم کہیں ہوتی

نہ ہوتا کچھ بھی صرف اُس گول چہرے میں جبیں ہوتی
حسینو! چاند سی صورت تمھاری جب کہیں ہوتی

اُنھیں نادان عاشق مثلِ ٹیسو کے سمجھتے ہیں
حسینانِ جہاں ایسے کمر جن کی نہیں ہوتی

غضب ہوتا اُسی کے تحت میں تھی ناک کٹ جاتی
اگر خنجر کہیں ظالم تری چینِ جبیں ہوتی

بڑی قیمت سے بکتی فائدے میں یہ حسیں رہتے
اگر دکّانِ پیکالن پہ زُلفِ عنبریں ہوتی

وہ تُرک آ آ کے مقتل میں یہی باتیں بناتا ہے
مرا خنجر چُناں ہوتا تری گردن چنیں ہوتی

سراسر اہلِ عالم گاؤدی ہی گاؤدی ہوتے
اُٹھائے سینگ پر دنیا اگر گاوِ زمیں ہوتی

ہزاروں چیونٹیاں اور مکھیاں آکر لپٹ جاتیں
لبِ شیریں میں اُس بُت کے جو شانِ انگبیں ہوتی

سُنا ہے ناقۂ لیلےٰ کی ٹانگیں تھیں بہت لانبی
جو ایسا تھا تو دستِ قیس میں اک دوربیں ہوتی

لنڈورے پن کی اے مشّاطہ کچھ اصلاح ہو جاتی
سمندِ ناز کی دُم میں جو زلفِ عنبریں ہوتی

محبّت میں جو دونوں ست پاچہ ہو کے رہ جاتے
نہ اُن کا پائینچہ ہوتا نہ میری آستیں ہوتی

جبھی یہ قافیہ قالب میں ڈھلتا روز مرّہ کے
جو مصرع میں چُنّاں کی دُم کے پیچھے اک چُنیں ہوتی

زمیں چلتی ہے ہیئت داں مگر کچھ اور کہتے ہیں
نہ یہ کہتے جو گول اُن کی نہ عقلِ دُور بیں ہوتی

پھلے پھولے ظریف اپنی غزل اس میں تر وہ ہے
قلم کا ہل چلاتے گر نہ یہ اوسر زمیں ہوتی

نوٹ۔ سلہ پیکان کے نام کا ایک انگریزی دواخانہ حضرت گنج میں تھا۔ جہاں خالص مُشک و عنبر مل سکتا تھا۔ اور اسی کی ایک دوسری دکان تھی۔ جس میں لوگوں کا اسباب نیلام ہونے آتا تھا۔
صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۸ ردیف ی تعداد ابیات ۹

بحر رمل مثمّن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

نالہ کش بھی وقفِ لطفِ ناخنِ بیداد بھی
غالباً عُشّاق کے خارشت بھی ہے داد بھی

اُن کو بھاتی ہے کتھا بھی محفل میلاد بھی
جو تبرک بھی لیا کرتے ہیں اور پرشاد بھی

سائے کی صورت رقیب روسیہ ہیں ساتھ ساتھ
ہے اُنھیں کی دُم کے پیچھے یہ سگِ ہمزاد بھی

کرتے ہیں گلزار کو آگ آگ کو گلزار یہ
حُسن والے ہیں مگر نمرود بھی شدّاد بھی

دُخترِ رز کے ساتھ ان سب کا تعلّق ہے ضرور
مغبچے پیرِ مُغاں تیرے ہیں گھر داماد بھی

دیکھ کر تصویر میں اُن کا دہن اُن کی کمر
دیکھیے مانی بھی چپت ہو گیا بہزاد بھی

کاٹ کر نلیا نکالی دودھ پینے کی سبیل
جیسے بی شیریں کی انّا تھے میاں فرہاد بھی

ہو وہ شادی یا غمی شہد ولے کا آنا فرض ہے
تعزیت بھی آکے یہ دیں گے مبارکباد بھی

شعر گوئی نے بنایا ہے ظریف آوارہ گرد
کانپور آئے تو اب جائیں الہ آباد بھی

نوٹ۔ ؁ آزاد منش گداؤں کا ایک گروہ لکھنؤ میں شہدوں کے نام سے مشہور ہے جن کے افراد ہر تقریب میں خواہ غمی کی ہو یا شادی کی لوگوں کے مکان پر پہونچ کر کچھ رقم حاصل کرتے ہیں اور جبتک پا نہ جائیں غل مچاتے رہتے ہیں۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۸۱ ردیف ی تعداد ابیات ۷

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف ارکان مفعولُ فاع لات مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

یہ بھی ہے کوئی بات جہاں میں نے آہ کی
فوراً ہی وہ لگاتے ہیں رٹ واہ واہ کی

پیشی ہے اُس جگہ پہ تمے داد خواہ کی
حاجت وکیل کی نہ جہاں پر گواہ کی

کھُرپے سے اپنا سبزۂ رخسار چھیلئے
گر ہے سمندِ ناز کو حاجت گیاہ کی

عُشّاق جانتے ہیں کہ ہے آنکھ میں فتور
ناحق حضور آپ نے ترچھی نگاہ کی

جوتری بنے گی خوب اگر دستیاب ہو
ڈارھی جنابِ شیخ مشیخت پناہ کی

دیوانہ ہو گیا ہے سگِ کوئے یار تو
لیتا ہے ٹانگ بڑھ کے ہر اک خیر خواہ کی

کیا خاک جاؤں کوچۂ دلدار میں ظریفؔ
اُٹھ اُٹھ کے روکتی ہے مجھے گرد راہ کی

غزل نمبر ۸۲ ردیف ی تعداد ابیات ۱۲

بحر مجتث مثمن مخبون مسکن مقصور یا محذوف ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

بُریدہ حلق صدائیں بلند خرٗ خرٗ کی
گلی میں اُن کی یہ کثرت ہے خون خنجر کی

جواب خط میں سراسر اُڑائی بے پَرکی
سُنی جب اُس نے غٹر غوں مرے کبوتر کی

تمھارا موئے کمر آئے گا نظر اُن کو
اندھیرے میں جو پکڑتے ہیں ٹانگ مچھّر کی

ہمیشہ ناقۂ لیلیٰ کی دُم کے ساتھ رہے
جناب قیس کو کچھ سُدھ نہیں تھی گھر در کی

خرام ناز سے عُشاق کیوں ہلاک نہ ہوں
صدا نکلتی ہو جوتے سے جسکے چرَ مَر کی

کسے حسینوں کے تیر نگاہ نے مارا
اُڑاتے رہتے ہیں عُشّاق یونہی بے پَر کی

جہاں میں جس قدر انسان ہیں شریر النفس
ضرور نسل سے ہیں ڈاردن کے بندر کی

شب فراق جو نالاں ہے ناتواں عاشق
صدائیں کان میں آتی ہیں اُسکے جھینگر کی

یہ لوگ کہتے ہیں پھر کیا سمجھ کے سخت اسے
زمین شعر نہ کنکر کی ہے نہ پتھر کی

شراب حُسن سے اُتنا غفیل ہے ساقی
خبر اُسے نہ صراحی کی اور نہ ساغر کی

قریب شعلۂ رُخ زلف عنبریں آئی
سُنو سُنو وہ صدا آ رہی ہے بھَربھَر کی

وہ شوخ قبر کو ٹھکرانے پھر نہیں آیا
لحد پہ لوح لگائی جو سنگ مرمر کی

ظریف طبع رواں کام دے تو کیونکر دے
مشین بگڑی ہوئی آجکل ہے موٹر کی

غزل نمبر ۸۳ — ردیف ی — تعداد ابیات ۱۵

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

بُردباری دیکھ لی جب اُشتر بغدادی کی
اونٹ گاڑی حضرت انسان نے ایجاد کی

میں نے دیکھا خواب جیسے آپنے بیداد کی
جب تو خرّاٹوں سے آتی ہے صدا فریاد کی

آبرو نالے کی ہو عزت رہے فریاد کی
تولیت دیدو جو عاشق کو حسینؔ آباد کی

ڈاردن صاحب نے اِک تھیوری نئی ایجاد کی
حضرت آدم خبر اب لیجئے اولاد کی

عُمر جوئے شیر لانے میں عبث برباد کی
اِس خطا پر بخشی کیا دودھ ماں فرہاد کی

عہد شاہی سے کسی کے کشتۂ بیداد کی
سر کٹے نالے سے آتی ہے صدا فریاد کی

منہ لگاتا قیس کو کس طرح پھر لیلیٰ کا باپ
کون سسرا قدر کرتا ہے کسی داماد کی

چیختا بھاگا کوئی عاشق سے انجن بن گیا
رفتہ رفتہ اس قدر نے بڑھ گئی فریاد کی

یار سے سائے کی صورت وہ جدا ہوتا نہیں
ہے رقیب روسیہ میں خاصیت ہمزاد کی

سوزشِ پنہاں سے رہتا ہے غرض دونوں کو کام
ملتی جلتی خاصیت ہے عشق کی اورداد کی

میری ٹھنڈی سانس پر گھورا نگاہِ گرم سے
قہقہہ اُس نے لگایا میں نے جب فریاد کی

ہر ادا پیٹنٹ کروا لے تو لاکھوں ہاتھ آئیں
قدر یورپ میں بہت کچھ ہو ستم ایجاد کی

آپ کا بچہ بھن کنجر ہے میرا بھوٹیا
مادرِ مجنوں سے کہتی تھی یہ ماں فرہاد کی

دلگی میں نامۂ اعمال سب اُڑ جائے گا
مل گئی پر گت فرشتوں سے جو آدم زاد کی

ہے کمر خم ظلم اوٹھے کیا ضعیفی میں ظریفؔ
ہو گئی یہ شکل جیسے دال ہو فریاد کی

نوٹ - ۱ لکھنؤ میں وقف حسین آباد امجد علیشاہ بادشاہ نے قائم کیا تھا۔ اسکی بہت کافی آمدنی امورِ خیر میں صرف ہوتی ہے۔ ۲ ڈارون صاحب انگریز تھے جن کا نظریہ یہ تھا کہ آدمی بندر کی ارتقائی شکل ہے۔ اور اُسی کی نسل سے پیدا ہوا ہے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۹۳ — ردیف ی — تعداد ابیات ۶

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

مرامز دور اگر جھکتا بڑی تقصیر ہو جاتی
لئے تھا خوانچہ فرنی کا ٹیڑھی[1] کھیر ہو جاتی

زمینِ کوئے دلبر کو گڑھیا سب بنا دیتے
اگر خاکِ درِ جاناں کہیں اکسیر ہو جاتی

قیامت تک نہ پیتا دودھ کوئی گائے ماما کا
جو بچھیا اُس کی پنڈت جی کہیں ہمشیر ہو جاتی

اگر مُنہ میں کسی گونگے کے ہکلے کی زباں ہوتی
بیاں شاید ہمارے خواب کی تعبیر ہو جاتی

کسی مسجد میں پھر کوئی مؤذن کیوں جگہ پاتا — انھیں مرغوں کی ککڑوں کوں اگر تکبیر ہو جاتی

ظریف اِس عہد میں زندہ اگر ہوتے میاں مجنوں
یقیناً پھر تو کورٹ نجد کی جاگیر ہو جاتی

نوٹ۔ ۱؎ ٹیڑھی کھیر کی ایک مثل مشہور ہے۔ کسی شخص نے ایک اندھے سے پوچھا۔ کہ بھائی کھیر کھاؤ گے اُس نے کہا کھیر کیسی ہوتی ہے۔ اس شخص نے کہا سفید۔ اندھے نے پوچھا سفید کیا۔ اُس نے کہا جیسے بگلا اندھے نے پوچھا بگلا کیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ ٹیڑھا کر کے اُس پر اندھے کا ہاتھ پھیر کے بتایا کہ ایسا ہوتا ہے۔ اندھا گھبرا کر کہنے لگا کہ یہ ٹیڑھی کھیر ہے میں نہ کھاؤں گا اُسوقت سے یہ مثل مشہور ہے۔ مشکل کے مقام پر بولی جاتی ہے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۸۵ — ردیف ی — تعداد ابیات ۲۱

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

قبر کے اوپر سہری خالی خولی نام کی — بھائیو! مُردوں سے ایسی دل لگی کس کام کی
نر ہے یا مادہ عجب ترکیب ہے اِس نام کی — کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے سیتارام کی
کوئی تو حسرت نکل جاتی دلِ بدنام کی — خالی خولی آپ کی اُلفت مرے کس کام کی
آنکھ کے ڈھیلے پھرا کر حُسن کی بازار میں — وہ حسینوں کی صدائیں لے گری بادام کی
بادۂ نخوت بھرا رہتا ہے اس میں کس طرح — کھوپڑی اِنسان کی ہے شکل اوندھے جام کی
غیر کا قبضہ نہ ہو اس گھر پہ گریہ خوف ہے — دِل پہ اک تختی لگا دوں گا تمھارے نام کی
اپنے بھنگی پر خفا ہوتا ہے وہ جلاد کیوں — کچھ تو غیرت چاہیئے ہمنام کو ہمنام کی
میرے جیلر خوف تیرا دل سے شاید مٹ چلا — نیند ہستی میں جو سوجھی ہے مجھے آرام کی
تم ہو بہتر عاشقوں کے ہاتھ میں رہتی ہے جونک — جب تو شہرت ہے تمھاری تیغِ خوں آشام کی

بہ چیخ کر سر پہ اُٹھائے گا یہ ساتوں آسماں
فصد دیوانے کی کھولی جائے ہفت اندام کی

عاشقِ زلفِ رسا لے لے اگر موقع ملے
آپ کے سر کی بلائیں تیغ سے حجّام کی

لے گئے وہ داغ کا اک لیمپ بولی بول کر
خانۂ دل کی گرستی میں نے جب نیلام کی

ضبطِ گریہ سے نہ اُس کے دل کا جب نکلا بخار
آپ کے عاشق کو نوبت آ گئی سرسام کی

ذبح تو کرنے چلے ہو، کچھ تمھیں معلوم ہے
کیا سزا قانون میں ہے قتل کے اقدام کی

ایسا میکش اپنا مُنہ کُلھیا سا جو کھولے رہے
سچ بتا ساقی اُسے پھر کیا ضرورت جام کی

گرم جوشی حبس کی سُن لے ساتھ ہی کچھ دیر تک
وہ حسینِ بیوفا لنگی ہے اک حمام کی

دُہرا حصّہ تو ملا کرتا جو پڑھتے مرثیہ
سب ہنسیں جس پر بھلا ایسی غزل کس کام کی

پھُوٹ نکلا خونِ دل فکرِ مے دمعشوق میں
ایسی تیسی عاشقو اس گردشِ ایّام کی

توسنِ عمرِ گریزاں کی ہے یہ اک یادگار
بال کھچڑی دُم میں ہیں جو ابلقِ ایّام کی

وقتِ پیری قبر کی ظلمت کا یوں ہے انتظار
فکر جمگادڑ کو جیسے دن رہے سے شام کی

کیا یہ خواہش بھی خلافِ وضعِ فطری ہے ظریفؔ
قلبِ اشہرؔ اور تمنّا اس بُتِ خودکام کی

نوٹ۔ لہ اشہرؔ صاحب بھی اِس انجمن معین الادب کے ایک رکن تھے جبکے سکریٹری بہارؔ تھے اور یہ مشاعرہ اشہرؔ صاحب ہی کی طرف سے ہوا تھا اور مصرع طرح بھی اُنھیں کا مجوّزہ ہے

ے قلبِ اشہرؔ اور تمنّا اس بُتِ خودکام کی ۔ اسی پر مقطع میں مصرع لگایا گیا ہے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۶۸ ردیف ی تعداد ابیات ۱۵

بحر ہزج مثمّن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

نہاتے وقت کرتا تیس کو یہ تھی دعا ماں کی
الٰہی خیر کرنا میرے بچّے کے گریباں کی

مجھے منظور پیمائش ہے طولِ شامِ ہجراں کی
بنالوں گز کہیں سے آنت ملجائے جو شیطاں کی

پُرانے وقت کے عاشق یونہی غم کھاتے رہتے ہیں
چُھری کانٹے کی حاجت ہے نہ اُنکو خانساماں کی

مژہ تیر ایک ابرو تیغ ہے تو دوسرا خنجر
سِلَح خانے کی ہے فہرست یا تصویرِ جاناں کی

ورق پتّوں کی صورت ہر گلی کوچہ میں اُڑتے ہیں
خزاں ہے بلبلِ شیراز سے کہہ دو گلستاں کی

گلی میں آپ کی یوں درس خوانِ عشق بیٹھے ہیں
دبائے ہیں بغل میں جلد ایک اک ما مقیماں کی

کسی دن جاکے پاگل خانہ تھوڑی دیر دیکھ آئے
نہ جسنے سیر دیکھی ہو کبھی بزمِ حسیناں کی

نئی قاتل نے سقّے کے لئے لنگی بنائی ہے
عوض میں کھاروے کے چادرِ خاکِ شہیداں کی

دلِ عاشق کے کنکر اس لئے منگوائے جاتے ہیں
بنائے گی سڑک میونسپلٹی کوئے جاناں کی

جو مانگے بھیک تو کنگھی کا دانہ بھی نہیں ملتا
یہ حالت قحط سے پہونچی ہوا اب زلفِ پریشاں کی

بلا کی طرح سب عاشق جھپٹ جائینگے معشوقو
سوالِ وصل پر بھولے سے بھی تم نے اگر ہاں کی

مؤذن کی صدا سُن کر جو مستِ ناز چونک اٹھا
تو یہ سمجھا کسی بلّی نے پکڑی ٹانگ ٹُیّاں کی

تم اُن کو ذبح کرتے ہو وہ چُپکے ذبح ہوتے ہیں
یہ سب عُشّاق ہیں یا بھیڑیاں ہیں عیدِ قرباں کی

دلِ عاشق کا ڈول اس میں پہونچنا سخت مشکل ہے
جگت سینے سے ہے اونچی ترے چاہِ زنخداں کی

کوئی لڑھیا سمجھتا ہے کوئی چھکڑا ظریف اُس کو
مضامیں کے جو چوبردے کی گاڑی آپنے ہانکی

غزل نمبر ۸ — ردیف یائے مجہول — تعدادِ ابیات ۳۲

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان مفعولُ فاعِ لاتُ مفاعیلُ فاعِ لات یا فاعلن

آئی یہ فصل گردشِ لیل و نہار سے
گورے ہزاروں مر گئے کالے بخار سے

ممکن نہیں ہے روکنا اُسکا مہار سے
اُشتر نکل کے بھاگے جو کوئی قطار سے

باہر ہے یُوں زباں دہنِ تنگِ یار سے
جس طرح اژدہا نکل آتا ہے غار سے

دلخستہ ہو گیا ہے بہت کار و بار سے
باور نہ ہو تو پوچھ لو جا کر چمار سے

ہیجیش بڑھی جو جان بچی کچھ بخار سے
باز آئے ایسی مونگ پھلی کی ٹنگار سے

گنوا لو لاکھ مرتبہ چاہے ہزار سے
دو ایک سے زیادہ ہیں اور آٹھ چار سے

جھنڈے پہ بال کھولے ہوئے اپنے سر بسر
فریاد کرتے جاتے ہیں سیّد سلار سے

مہنگی نے کر دیا ہے اُسے اس قدر نحیف
خود اپنا بوجھ اُٹھ نہیں سکتا کہار سے

فاقوں سے زرد رو ہیں حسینانِ سبز فام
ظاہر خزاں کا رنگ ہے فصلِ بہار سے

بُولے کی ٹھیکی خاک میں جل بھُن کے بل گئی
تحقیق یہ خبر ہمیں آئی ہے یار سے

لیلیٰ نے قیس سے یہ مزاحاً کیا سوال
جاتے ہو کس طرف شترِ بے مہار سے

بیوی کی روٹی کھاتے ہی نواب ہو گیا
شادی ہوئی کسی کی اگر مالدار سے

کیا انقلاب ہے کہ سمجھ کر اُسے جوان
بُڑھیاں ہزاروں لپٹی ہیں نخلِ مدار سے

اِس درجہ نازکی ہے کہ اُٹھنا وبال ہے
عاجز ہے یار کثرتِ موئے زہار سے

کیا اس لیے لگاتے ہیں پڑے میانِ قبر
مُردہ نکل کے بھاگ نہ جائے مزار سے

دیکھو سحر کو پھرتے ہیں جھاڑو لیے ہوئے
بہتر سڑک پہ اخترِ دُنبالہ دار سے

بے اُو بغیر اُس کے نُومَنَ مری طرف
بایار ساتھ یار کے از یار یا رسے

ہاں اب قصیدہ رنگِ غزل کے بھی چند شعر
لکھیے ظریفِ کلکِ ظرافت نگار سے

اب تازگیِ موسمِ فصلِ بہار سے
اُگتے ہیں کرگدن شجرِ میوہ دار سے

امداد زورِ خامۂ رُو بہ شکار سے
شیروں کو میں لڑاتا ہوں اب سوسمار سے

تمساح تشنہ کام ہو صحرا میں جا گڑیں
بھاگے جو رعبِ فیلِ ذوی الاقتدار سے

معشوق سنگ پشت ہے یہ دست رس کہاں کھجلاؤں اُس کی پشت کو میں پشت خار سے
دارِ فنا رہا جو یہ نہی انقلاب میں ایذا کو مُردہ ہوگا زمین فشار سے

اب دوسری غزل میں پڑھوں اور رنگ کی
اتنی اجازت چاہتا ہوں شعرائے نامدار سے

نظمِ نثر نُما

جب لڑائی ہونے لگی اغیار اور یار سے آخر کو رقیب بھاگا مار سے
بُلبل جو آشیانے کے اندر چھپکی بیٹھی ہوئی ہے کیا خفا ہو گئی ہے فصلِ بہار سے
عاشق کے قتل کرنے کو جب مقتل میں پہونچا تلوار گر پڑی کمر یار سے
جس کا جی چاہے فاتحہ پڑھ دے مُردے کا نشان باقی ہے مزار سے
بڑی گرمی ہے موسم گرما شروع ہو گیا بہار سے
کس قدر آنکھوں میں خنکی پہونچتی ہے سبزہ زار سے
ایک مرتبہ مزدور گر پڑا جمعہ مسجد کے مینار سے

ظریف ہم نے تو کتابوں میں لکھا دیکھا ہے
کہ حضرت علی علیہ السلام لڑتے تھے ذوالفقار سے

نوٹ - سید سالار مسعود غازی کا مقبرہ بہرائچ میں ہے۔ عرس کے زمانے میں قافلے کے قافلے زیارت کو جاتے ہیں ڈفالیوں کا گروہ جھنڈے طرح طرح کے لیکر گانا بجاتا وہاں پہونچتا ہے۔ اس شعر میں ایک مقامی واقعہ کی تلمیح ہے۔ جس زمانے میں یہ غزل کہی گئی تھی۔ اُسی زمانے میں گومتی پار پولے بٹادر کی ٹھیکی میں آگ لگ گئی تھی۔

صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۸۸ ردیف ے تعداد ابیات ۲۳

بحر ہزج مثمن سالم ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ وصفِ ناتوانی سنیئے اک موہوم لاغر سے
لپٹ کر رہ گیا طفلی میں اکثر چین بستر سے

ابھی سے لوٹتے ہیں عاشق بیتاب ولر سے
پڑے ہیں سیکڑوں دل کوچہ جاناں میں کنکر سے

اسے بھی کام ٹھوکر سے اُسے بھی کام ٹھوکر سے
مشابہ کس قدر زلف بال ہے عشاق کے سر سے

یہیں پر تھے حسینوں کے مکاں اگلے زمانے میں
صدا آتی ہے ابتک سر کٹے نالے کے اندر سے

حسینو! ہو گئی لیسنس سے تلوار مستثنےٰ
کہو عُشّاق سے ہشیار ہو جائیں زرا بر سے

جہاں ہو سایۂ دیوارِ جاناں لیٹ جاتے ہیں
غرض عُشّاق کو تکیے سے ہوتی ہے نہ بستر سے

جناب قیس کے والد شکایت کرتے پھرتے ہیں
میاں مجنوں خدا جانے نکل بھاگے کہاں گھر سے

بس اِتنا شعلۂ حسنِ رخِ جاناں سے کھٹکا ہے
کہیں زلفِ معنبر جل نہ جائے ایک دن بھر سے

جنوں کے زور میں مرنے پہ بھی پنجہ لڑاتی ہے
مرے دل کی حرارت آفتابِ صبح محشر سے

بھرا ہے اُس میں جذبِ شوق کی قوت کا سب جوہر
اب اُن کے در کا پتھر ٹوٹتا ہے میری ٹکر سے

اِسی کو ارتباطِ عاشق و معشوق کہتے ہیں
ہمارے دل کا طوطی بولے اُن کے لب کی شکر سے

وہ محوِ بیخودی ہوں حال کچھ میرا نہ تم پوچھو
شب وصلت میں اکثر ترتبر اٹھتا ہوں بستر سے

اُنھیں جب ارتباطِ عہدِ طفلی یاد آتا ہے
سمجھ کر ماں لپٹ جاتے ہیں وہ آغوش بستر سے

ہمارے دل میں تو مدت سے ہے اک درد کا کھٹکا
مسیحا چارہ سازی کو اُترتا ہی نہیں خر سے

لطیف! اردو ادب کے بھی ظرافت شعر پڑھ ڈالو
یہی آواز آتی ہے دہانِ ہر سخن ور سے

اشعارِ ادب لطیف

خلافِ وضعِ فطری فطرت خاموش کرتی ہے
صدائے مرغ آتی ہے مگر رنگ مرغ سے

نموئے بستر مرگِ جوانی نوحہ خواں ہوگی
مریضِ عشق کا تکیہ سرک جائے اگر سر سے

بہ اندازِ رگِ سودا شمیمِ زلف کہتی ہے
یہ تابِ کفِ قاتل رواں جاتا ہے خنجر سے

حریرِ عارضِ جاناں کے رنگِ شوخ کا عالم
میانِ عالمِ ایجاد افزوں ہے چقندر سے

سفیدیِ صبحِ وصلت کی اگر خمیازہ کش ہوتی
ٹپکتا خون کا قطرہ نہ ہرگز چشمِ جوہر سے

نمک پاشِ جراحت ہائے قلبِ ناتواں ہوگی
صباحت پھوٹ نکلے گی اگر وصلت کی چادر سے

چمک کر جلوہ دکھلایا جو ہیں برقِ تجلی نے
کلیم اللہ ٹکرانے لگے سر اپنا پتھر سے

لطیف اُردو ادب ہے جو نہ ہو شرمندہ معنے
سُنی ہے اے ظریف اُس کی یہی تعریف اکثر سے

غزل نمبر ۸۹ ردیف ے تعداد ابیات ۱۰

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان. فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

سُن کے اُلجھن ہو جسے یہ وہی افسانہ ہے
نہ کہیں زلف تری ہے نہ کہیں شانہ ہے

ایک حقنے میں پلا دیتا ہے میلے بھر کو
کیا ہی ساقی ترا چلتا ہوا میخانہ ہے

دلِ عاشق کے جہاں بول رہے ہیں اُلو
یہ تری زلفِ پریشاں ہے کہ ویرانہ ہے

آتے ہیں ہو کے گرفتار جہاں مجرمِ عشق
بزمِ معشوق نہیں ہے یہ کوئی تھانہ ہے

مے طلب کرنے پر افلاس سے رو دیتا ہے
آنکھ ساقی کی چھلکتا ہوا پیمانہ ہے

فاقہ مست اُسکے جو چلنے میں گرے پڑتے ہیں
قحط کہتا ہے یہی لغزشِ مستانہ ہے

اسے لے جا کے دکھائے میڈیکل کالج میں
میرا دل ہے کہ ہتھیلی میں تری دانہ ہے

آتشِ حسن سے ہو جاتے ہیں عاشق بیہوش
پھر تو مرگی کا مرض جلوۂ جانانہ ہے

لیئے قارورۂ دل بیٹھے ہیں صدہا بیمار
کوچۂ یار ہے یا شاہی شفاخانہ ہے

پاسبانِ درِ دلدار سے پوچھو تو ظریفؔ
کیوں جی اِس گھر میں زنانہ ہے کہ مردانہ ہے

غزل نمبر ۹۰ ردیف ے تعدادِ ابیات ۹

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف ارکان مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

گم صورتِ کمر دہن یار کر چکے
شاعر سب اپنے یار کو بیکار کر چکے

بھونپو کی طرح زور سے نالہ کرینگے ہم
انجن کی طرح آہ شرر بار کر چکے

سنئے لطیف ادب کے بھی اب ہم سے چند شعر
اپنی غزل اسی میں ہیں تیار کر چکے

اشعارِ ادبِ لطیف

یہ تو حکیم آ کے کئی بار کر چکے
اندازِ نبضِ ناقۂ بیمار کر چکے

آہوئے دشت وجد میں اکثر رہا کیئے
تقریر جب کہ فیلِ سیہ کار کر چکے

لازم ہے دفن میتِ مہماں کفن سمیت
جب قبر اس کی کھود کے تیار کر چکے

ہیں جو عمق میں چاہِ ذقن کے اسیر ظلم
پیمائش بلندیِ رخسار کر چکے

یعنی دماغ گربۂ رنگیں خرام سے
بحثِ توی جنابِ سگِ یار کر چکے

باز آئے اِس لطیف ادب سے ہم اے ظریفؔ
قے جس کو سن کے لوگ کئی بار کر چکے

غزل نمبر ۹۱ ردیف ے تعدادِ ابیات ۱۶

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف ارکان مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

وہ بیٹھنے کی چیز ہے مونڈھا کہیں جسے
وہ لیٹنے کی شئے ہے کھٹولا کہیں جسے

کالا سا اک پرند ہے کوّا کہیں جسے — وہ دوسرا سفید ہے بگلا کہیں جسے
دو دیکھتا ہے ایک کو بھنگا کہیں جسے — کچھ سوجھتا نہیں اُسے اندھا کہیں جسے
ڈانگرا اُسی کو کہتے ہیں دُبلا کہیں جسے — سنڈ اُسی کا نام ہے مُوٹا کہیں جسے
بچّہ اُسے کھٹکتا ہے انڈا کہیں جسے — انڈے سے وہ نکلتا ہے بچّا کہیں جسے
میٹھا ہے ایک قسم کا حلوا کہیں جسے — روٹی ہے ایک طرح کی مانڈا کہیں جسے
وہ مرد ماں کا باپ ہے نانا کہیں جسے — ماں کی بہن وہ زن ہو کہ خالا کہیں جسے
غنچہ دہن وہی ہے کہ گونگا کہیں جسے — ہے سروقد وہ اصل میں لنگڑا کہیں جسے
معشوق چاہیئے کہ ہو ایسا سیاہ فام — مجنوں میاں بھی دیکھ کے لیلیٰ کہیں جسے
کہتے ہو گرچہ دید کے قابل ہے روئے یار — ایسا تو ہو کہ لوگ تماشا کہیں جسے
مے کو جو اصطلاح میں کہتے ہیں دختِ رز — وہ مغبچہ ہے رندوں کا سالا کہیں جسے
سب اُنگلیاں جھکا کے انگوٹھا اُٹھایئے — بنجائے گی وہ شکل کہ ٹھینگا کہیں جسے
آتا ہے دوپہر میں بنارس سے لکھنؤ — کیا تیز رو وہ آم ہے لنگڑا کہیں جسے
سب جانور نہ حضرتِ انساں سے کیوں ڈریں — پیدا ہیں اُس کے پیٹ سے حوّا کہیں جسے
پوچھا جو میں نے گھر تو الٹ کر دیا جواب — رہتا وہاں ہوں بادِ امینا کہیں جسے
کیا خوب[1] کے علاوہ بتا دُ تو اب ظریف — ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

نوٹ ۔ [1] کیا خوب۔ ایک مشہور بھانڈ کا نام ہے جو لکھنؤ میں رہتا تھا۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۹۲ — ردیف ے — تعداد ابیات ۲۶

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاعِ لاتُ مفاعیلُ فاعِ لات یا فاعلن

کُلھیا سا مُنہ کُھلا ترے در پہ لیئے ہوئے — ساقی میں گھر سے آیا ہوں ساغر لیئے ہوئے

طالب ہیں خوابِ مرگ کے آوارگانِ عشق — تکیے کی سمت جاتے ہیں بستر لیے ہوئے
دیوانہ ان کا روگی ہے کھلوائے گا نہ فصد — کیوں چارہ ساز بیٹھے ہیں نشتر لیے ہوئے
خمدار ناک ڈالوں کا نتھنوں میں دم ہے آج — نکلا ہے کوئی ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے
بندر کے ہاتھ آیا ہے کیا ناریل کوئی — کیوں آپ اُچک رہے ہیں کٹا سر لیے ہوئے
سرکی کی پال ساتھ ہے مجنوں کے دشت میں — کنجر کی طرح گھومتا ہے گھر لیے ہوئے
آئے گا یاد آج بچا کو چھٹی کا دودھ — فرہاد آ رہا ہے وہ پتھر لیے ہوئے
مجنوں میاں نے جب سے گھٹایا ہے اپنا سر — لیلیٰ کا سار باں ہے سلیپر لیے ہوئے
ناصح کو دیکھیے کہ بڑا منطقی ہے جو — آیا ہے مجھ سے بحث کو کیونکر لیے ہوئے
تھمب امپریشن اب نہ بناؤ تو ٹھینگے سے — آیا ہوں اپنے قتل کا محضر لیے ہوئے
روتے کٹی ہے عمر جو عاشق کی دیکھنا — بیٹھی ہے آنکھ شکووں کا دفتر لیے ہوئے
معیار کہہ رہا ہے کہ نکلوں گا روزِ حشر — ہاتھوں میں اپنے دامنِ محشر لیے ہوئے
مر کر ہوں راما مورتی کی زندہ یادگار — لیٹا ہوا ہوں سینہ پہ پتھر لیے ہوئے
گو بال ہیں سفید مگر دل تو ہے غنی — پھرتا ہوں سر پہ چاندی کا پتّر لیے ہوئے
وصلت کی شرح یہ ہے کہ لپٹا کے لیٹنا — معشوق کو مکان کے اندر لیے ہوئے
مُنہ کھول کے پوچھتا ہوں یہ ساقی سے بار بار — کُلّی لیے ہوئے ہے کہ ساغر لیے ہوئے

اب ایسے چند شعر سناؤں جو ہوں ظریف
اُردو میں رنگِ میرِ سخنور لیے ہوئے

برنگ میر مرحوم

جاتا ہے دل مرا مجھے کیدھر لیے ہوئے — ادھر لیے ہوئے کبھی اُدھر لیے ہوئے

دامن پسارے پھرتے ہیں خوباں چمن کے بیچ
اٹھکھیلیاں کرے ہیں گُلِ تر لیئے ہوئے

میں پنجۂ مژہ سے سمندر بلو چکا
بیٹھے رہیں وہ گانٹھ میں گوہر لیئے ہوئے

آیا جو محتسب تو سمجھ لو کہ راہ میں
واعظ پلٹ ہی جائیگا ساغر لیئے ہوئے

رکھ ہاتھ اُن نے دل پہ ٹک اک اپنے رو دیا
بھاگا جو تیغ زن کو مرا سر لیئے ہوئے

اُس صید گاہِ عشق میں یاروں کا جی گیا
ایدھر پڑا جو تیغ ستمگر لیئے ہوئے

بسمل تڑپ کے ٹھنڈا ابھی ہو جا چکا ولے
بیٹھا ہے اب تئیں کوئی خنجر لیئے ہوئے

اُس کُو میں میں دیوانہ ہوں اور میرے ساتھ ساتھ
لڑکے ہزاروں جھولی میں پتھر لیئے ہوئے

اگلے محاورات کو چھوڑو نہ اَے ظریف
لیکن مذاقِ حال کے اندر لیئے ہوئے

نوٹ۔ اودھ انجمن معیار کے ممبروں میں محشر لکھنوی بھی تھے۔ مزاحًا اسی طرف اشارہ ہے۔
صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۹۳ ردیف ے تعداد ابیات ۱۷

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کبوتر کیا لیئے میرے اگر بلی وہ پالینگے
یہ خط اسطرح پھر بھیجیں گے ہم ڈبے میں ڈالینگے

پولس اُنکو عدالت سے سزا دلوا کے چھوڑے گی
حسیں دزدیدہ نظروں سے جو نقدِ دل چُرالینگے

تری دیوار میں ہمکو جو اک روزن ہی کرنا ہے
نگاہِ شوق ہے بیکار پھر ہم بیلچا لینگے

تہ و بالا کرینگے دل کے لٹو کو جو زلفوں میں
مداری نکلے یہ معشوق بھی پھر کچھ کما لینگے

یقیں ہے سوزشِ پنہاں سے تنگ آ کے بیچارے
مریضِ عشق جا کر اسپتالوں میں دوا لینگے

اگر مدِ نظر اُس کو یونہی پر آب رکھنا ہے
ہم ایسی آنکھ لیکر کیا بنا لینگے گھڑا لینگے

نئی ضد عاشقوں سے اپنے یہ معشوق کرتے ہیں
وہ کل ایک کابلی سے کہتے تھے ہم تو گدھا لینگے

دہن غائب کمر معدوم ہے جن جن حسینوں کی
اکٹھا ہو کے یہ آخر عجائب گھر بنا لینگے

مثل مشہور ہے گر غم نداری بز بخر پھر کیا
شب فرقت سے تنگ آئے ہوئے بجری نہ پالینگے

تنگ آئے ہیں اتنا پیچ و خم سے اپنی زلفوں کے
وہ کل حجام سے کہتے تھے ہم تو سر منڈا لینگے

بہت کثرت سے جن کے عاشق ناشاد مرتے ہیں
وہ سونا پور کے نزدیک اپنا گھر بنا لینگے

قدِ بالا تک اُن کے گر رسائی ہو نہیں سکتی
ہمیں کیا خوف بوسے کے لئے سیڑھی لگا لینگے

بھلا عاشق میں اتنا دم کہاں وہ مرتی خود ہے
چلے ہیں باندھ کر جو تیغ اُس کا کیا بنا لینگے

حسینو! سبزۂ رُخ کی کرو اپنے نگہبانی
تمھارے ہی غزال چشم اک دن اسکو کھا لینگے

ہمارے دل کے آئینے میں گنجائش کہاں اتنی
تری تصویر کا اِک قدِ آدم چوکھٹا لینگے

اُنھیں سمجھو کہ یہ گاوِ زمیں کے سینگ ہیں گویا
مرے نالے شب فرقت زمیں سر پہ اُٹھا لینگے

سخن دانوں کی محفل ہے ظریف آنے سے کیا حاصل
تمھارے شعر سُن کر تم کو سب شاعر بنا لینگے

غزل نمبر ۹۴ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۵

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف
ارکان: مفعول فاع لاتُ مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

اے قحط کچھ دنوں جو ابھی اور تو رہے
باقی نہ میں رہوں نہ مری آرزو رہے

کچھ نیک و بد کی آپ کو پہچان ہی نہیں
ابتک حضور آپ وہی بانگڑو رہے

خمخانہ جہاں میں یہ کیفِ مئے نشاط
بیکار ہے جو پیٹ کا خالی سُبو رہے

خوبی اسی میں ہے کہ یہ کو دن بنے رہیں
چیلے گُرو نہیں تو کہاں پھر گرو رہے

دھوبی کا ہے وہ کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا
ساتھ آپکے وہی کہ جو ہو فالتو رہے

عشاق زرد رو ہوئے جس دن ہلائے کان — جبتک طمانچے کھائے بڑے سُرخرو رہے
میونسپلٹی کو وہی پاخانہ ہے پسند — گھر بھر میں تارکول کی جس سے کہ بُو رہے
عُشاق سوکھ سوکھ کے لقّات ہو گئے — اغیار اک ذرا نہ گھُلے ڈھو کے ڈھو رہے
چالان ہو جو بمبے پر جا کر نہائیے — کس طرح یہ بتائیے پھر آبرو رہے
کیا فائدہ اگر مے اُلفت سے اتنی تلخ — پینے کے بعد کچھ نہ رہے آخ تھُو رہے
لیلیٰ کے واسطے جو بنایا تھا اک مکاں — مجنوں کا باپ کہتا تھا اُس میں بہو رہے
گر میر کی زبان میں فرماؤ تے ہیں آپ — کہیئے کبھی رہے کی جگہ پر کبھو رہے
عُشاق کو وہ کرتے ہیں ہموار اس طرح — ممکن نہیں جو فرق تسو دو تسو رہے
کھیتی سے کہہ رہی ہے یہ اسکیم نہر کی — اے تو سہی گلُو نہ رہے والشربور رہے

ہم اُن کو کیا کہیں جو زمانے میں اے ظریفؔ
کہنے کو مرد دیکھنے میں مادہ رو رہے

غزل نمبر ۹۵ — ردیف ے — تعداد ابیات ۹

بحر رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

ہجر کی شب کا عبث اُن سے گِلا ہوتا ہے — جن کو معلوم نہیں وصل میں کیا ہوتا ہے
منہ سے کچھ کہتے نہیں سر کو ہلا دیتے ہیں — اُن کا اقرار بھی اِنکار نُما ہوتا ہے
کسی انسان سے انساں کا محبت کرنا — کام اچھا ہے پر انجام بُرا ہوتا ہے
کوئے جاناں میں مزہ دیتے ہیں اکثر نالے — ہوتی ہے اُن کی گلی اپنا گلا ہوتا ہے
کبھی اداؤں کے ملنے سے بھی بن جاتا ہے نَر — جمع ہو جائیں جو پریاں تو پرا ہوتا ہے
چڑھنے لگتا ہے سرا دُم کا پکڑ کر مجنوں — نجد میں ناقۂ لیلیٰ جو کھڑا ہوتا ہے

اُن سے جب پوچھو ہے کیا مشغلۂ بیکاری — ہنسکے کہہ دیتے ہیں کچھ بھی نہیں لاہوتا ہے[ل]
جن حسینوں کو نزاکت کا ملا ہے لیسنس — اب وہ تلوار جو باندھیں بھی تو کیا ہوتا ہے

بیوی بچے نہ ہوں جس کے یہی سنتا ہوں ظریف
مادہ روز دہ میاں خواجہ سرا ہوتا ہے

نوٹ ل بمعنی قانون (Law) صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۹۶ — ردیف سے — تعداد ابیات ۱۰

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

قتل کیونکر ہوتے ہیں تیغِ نگاہِ ناز سے — کوئی بھی سی آئی ڈی اقف نہیں اِس راز سے
نجد کا میدان طے کس بُردباری سے کیا — اونٹ بازی لے گیا لیلیٰ سمندِ ناز سے
جان جب دینا پڑے پہلے بہ امیدِ حیات — لے مسیحا باز آئے ہم ترے اعجاز سے
نجد میں ناقے کی دُم کیساتھ ہیں مجنوں میاں — دیکھتی جاتی ہیں بی لیلیٰ نگاہِ ناز سے
از نہ سننے والے سُن شب کو ستاروں کی صدا — ہلتی جُلتی ہے ترے عُشاق کی آواز سے
ہوگیا معشوق کو جس روز سے آشوبِ چشم — خون ہی ٹپکا کیا تیغِ نگاہ ناز سے
اونٹ بھڑکا نجد میں محمل سے لیلیٰ گر پڑی — قیس چلایا کچھ اِس وحشت بھری آواز سے
ہم دغا پیشہ ہیں وہ عیار مشکل ہے یہی — دوستی کیونکر نبھے دمساز کی دمباز سے
بچھو بچہ میں سینے کے پھر انڈے کی صورت ہو گیا — مُرغِ دل محروم اب تک ہے پرِ پرواز سے

اللہ اللہ وہ بُتِ نازک کوئی تُک ہے ظریف
مول کھدر لے قبا کے واسطے بزاز سے

غزل نمبر ۹۷ ردیف ے تعداد ابیات ۲۱

بحر مضارع مثمن اخرب سالم یا مُسبّغ
ارکان۔ مفعولُ فاع لاتن مفعولُ فاع لاتن یا فاعلیان

فریاد کیوں کریں وہ جن کا گذر نہیں ہے
کوچۂ حبیب کوئی خالہ کا گھر نہیں ہے

پھر وہ حسین کیا ہے ٹیسو اگر نہیں ہے
ہیں ہاتھ پاؤں جسکے لیکن کمر نہیں ہے

شکوہ فضول سا ہے اُس کو خبر نہیں ہے
معشوق آدمی ہے کچھ تار گھر نہیں ہے

فرہاد بے ستوں سے کیوں جوئے شیر لایا
کیا گھول کر پیے گا شیریں شکر نہیں ہے

تہذیب کے تھے پتلے بیشک جناب آدم
صحبت میں اُن کی ذکرِ مادر پدر نہیں ہے

جب دل لگا کے ٹھنڈی سانسیں میں بھر رہا ہوں
کیونکر کہوں کہ دل میں میرے جگر نہیں ہے

او غیرت مسیحا اُس کو حلال کر دے
ہے سخت جان عاشق لیکن سُور نہیں ہے

کس مُنہ سے پھر وہ کرتے اقرارِ وصل آخر
جن کے دہن نہیں ہیں جن کے کمر نہیں ہے

طے کیا کریں گے کوئے جاناں کے ہفت خواں کو
جن کا مکان میاں رستم نگر نہیں ہے

بیمار عاشقوں نے عیسیٰ بنا دیا ہے
معشوق کی سواری میں گو کہ خر نہیں ہے

اُس کو تمھارا وعدہ سمجھوں تو ناسمجھ ہوں
جس میں اگر نہیں ہے جس میں مگر نہیں ہے

کچھ مادّہ نہ ہو تو مادہ سے ہے وہ بدتر
کس کام کا وہ نر ہے جس میں ہنر نہیں ہے

اللہ ری بدحواسی وہ حال پوچھتے ہیں
اور میں یہ کہہ رہا ہوں مجھ کو خبر نہیں ہے

بیمار فیس دیکر گھر پر جسے بلائے
رشک مسیح ہے وہ کچھ ڈاکٹر نہیں ہے

بنوٹ سے شام فرقت کچھ اس طرح سے رویا
چشم ظریف بالکل تے ۔ رے زبر نہیں ہے

نوٹ۔ ے لکھنؤ کا ایک محلہ جس میں آبرو مدیر "معیار" رہتے تھے۔ صفی عفی عنہ

اشعار بصنعت ادب لطیف

ذرّاتِ آفرینش سرگشتہ، تماشا — جذباتِ دل کی لیکن اُس کو خبر نہیں ہے
روحانیت کے جوہر آئینہ دارِ ہستی — مرأت محویت پر صیقل مگر نہیں ہے
اظہارِ ناشکیبی تمغائے آدمیت — مانا یہ جذبِ باطن وہ جانور نہیں ہے
عنوان بیخودی ہے فطرت کا ہر صحیفہ — گو درخورِ تغافل ذوقِ نظر نہیں ہے
دنیا طلسمِ حیرت دیں منظرِ تخیّل — صورت گرِ معانی جب خشک و تر نہیں ہے

تم کو لطیف ادب ہے کیوں ظرافت رغبت
مہمل ہے وہ کچھ اس کی شاید خبر نہیں ہے

غزل نمبر ۹۸ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۵

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

یہ دیکھ کر کہ دلِ خاکسار راہ میں ہے — وہ پوچھتے ہیں یہ کیسا چمار راہ میں ہے
زنا تھائے عرب صد قطار راہ میں ہے — ہزار ہا شتر بے مہار راہ میں ہے
رواں ہے جانبِ سٹرک ڈفالیوں کا گروہ — زباں پہ غلغلۂ دم مدار راہ میں ہے
کمندِ تارِ نگہ کے سرے پہ کیا باندھوں — نہ گوہ ہے نہ کوئی سوسمار راہ میں ہے
کہیں بگاڑ نہ دیں مُنہ پُلِ کمہاراں پر — وہاں نہ جاؤ کہ صد ہا کمہار راہ میں ہے
پڑی ہے فوج کو ٹک مارچ کر نہیں سکتی — چڑھا یہ گوروں کو کالا بخار راہ میں ہے
سرائے دہر کا اڈّا عجیب اڈّا ہے — کہ گرد و پیش ہزاروں کہار راہ میں ہے
شبِ برات وہ لے کر دلِ شرر افشاں — تمام رات چھڑاتا انار راہ میں ہے

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اُس سے اک آغا ۔ چرا کھرا ہے یہاں تو چہ کار راہ میں ہے
دوالی آئی نہیں کیوں بے او بُتِ کافر ۔ ابھی سے کھیل رہا تو قمار راہ میں ہے
کسی کا گیسوِ شب رنگ اُٹھائی گیرا ہے ۔ ہر اک طرف سے چھپی مار مار راہ میں ہے
اَغل بغل ہیں ددلنّی کے خوف سے عاشق ۔ سمندِ ناز پہ وہ بُت سوار راہ میں ہے
نئی یہ اُس نے نکالی ہے طرزِ استنجا ۔ کہ خود کھڑا ہے لبِ بام دھار راہ میں ہے
ترا جواب نہیں او سرا کی بھٹیاری ۔ کہ دال چولھے کے اوپر بگھار راہ میں ہے

ظریف ہے وہ بُتِ شوخ کس قدر آزاد
جو سر گھٹائے لیے پشت خار راہ میں ہے

نوٹ ۔ اوٹلہ سترک ایک قصبہ اودھ میں ہے وہاں مدار صاحب کا مزار ہے وہاں بھی عُرس کے زمانے میں ڈفالیوں کا گروہ جاتا ہے اور بہت لوگ زیارت کو جاتے ہیں ۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۹۹ ردیف ے تعداد ابیات ۱۶

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ۔ ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

شعلہ بار آہیں بھی کیں گھوما کئے مضطر بنے ۔ گردشِ تقدیر عاشق بن کے گھن چکر بنے
لے کے دل ایذا رسانی کو حسین دلبر بنے ۔ سچ تو یہ ہے ناریل ہاتھ آگیا بندر بنے
عاشقو اُس آئنہ رخسار کا منھ دیکھ کر ۔ سچ کہو ششدر ہوئے تم لوگ یا ششدر بنے
تیز رفتاری سمندِ ناز کی بڑھ جائے اور ۔ زُلفِ پیچاں کا اگر اُسکے لیئے ہنٹر بنے
شرط ہے سنگِ درِ دلدار ہو سنگِ مزار ۔ عاشقوں کا جب کہیں جا کر ولی کھنگر بنے
کیوں نہ ساقی کی صُراحی دار گردن دیکھ کر ۔ میکشِ نادار کا کُلھیا سا منہ ساغر بنے
بے عمل عالم اگر ساری کتابیں چاٹ جائے ۔ آدمی تو بن نہیں سکتا وہی جھینگر بنے

جس نے چوکھٹ پر تمھاری بیچ اُدھر میں جان دی
اُسکی قبر اندر بنائی جائے یا باہر بنے

اُن کے سنگِ آستاں پر لمبے لمبے لیٹ جائیں
فکر کیوں اس کی کریں تکیہ بنے بستر بنے

زور بڑھ جائے جنوں کا بال بھی بیکا نہ ہو
نوکِ مژگاں کا تمھاری گر کہیں نشتر بنے

عاشقوں میں نام ہو جائے جو مجنوں کی طرح
پہلے کچھ دن دشت میں گھوما کرے کنجر بنے

عاشقِ مفلس تمھارے حُسن کی بازار میں
دل کے ٹکڑے بیچنے کو لال سوداگر بنے

کہہ کے یہ لیلیٰ نے کھولی ہے دکان جنسِ حُسن
پسلیاں مجنوں کی ہاتھ آئیں تو اک ٹٹّر بنے

زہد اس برسات میں فرمائیے کیونکر رہے
گر نہ ڈاڑھی کا حباب شیخ کی چھپّر بنے

پہلواں فکرِ معیشت میں بنے تیلی کا بیل
فائدہ آخر جو کولھو کاٹ کر مگدر بنے

شاعری بیکار شئے ہے اس زمانے میں ظریفؔ
نام کی خواہش جسے ہو قوم کا لیڈر بنے

غزل نمبر ۱۰ — ردیف ے — تعدادِ ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

رُخ وہ آئینہ جسے دیکھ کے حیران ہو جائے
زُلف تو بھیک ہی مانگے یہ پریشاں ہو جائے

جمع ہو جائیں نکل کر جو کہیں آنکھ سے اشک
دامنِ اغیار کا بازیچۂ طفلاں ہو جائے

شکل ایسی جو نظر بازوں کو اندھا کر دے
نہ کبھی حیران ہو آئینہ تو حیراں ہو جائے

جھوٹا ہونے سے ہے امکان کھُلا رہنے کا
دہنِ یار جو قفلِ درِ زنداں ہو جائے

کاٹ فرہاد نہ شیریں کے لئے جوئے شیر
کہیں ایسا نہ ہو آزردہ تری ماں ہو جائے

تُم کتر ڈالو اگر بال تو اُلجھن گھٹ جائے
مختصر قصۂ طولِ شبِ ہجراں ہو جائے

گر بنے برہنہ پا قیس مرا ہمجولی
لیلی پردہ نشیں آپ کی گیّاں ہو جائے

شمع فانوس کا پہنے ہوئے لہنگا ہے کھڑی
کیا کرے کوئی اب اُس پر بھی جو عُریاں ہو جائے

ڈالیاں خوب بڑے دن میں لگائیں عُشاق
دو دو پیسے جو کہیں سیب زنخداں ہو جائے

زاہد الفت میں کسی بت سے جو دانہ بدلے
سبحہ ہندو بنے زنّار مسلماں ہو جائے

یونہی اُردو کی کلائی جو مڑوڑے ہندی
کیا عجب ہے یہ مڑک جائے تو بہیاں ہو جائے

دیکھ کر صبح بنارس کو یہ کہتا ہے ظریف
کیوں نہ کافور یہاں سے شب ہجراں ہو جائے

غزل نمبر ۱۰۱ ردیف ے تعداد ابیات ۱۱

بحر رمل مُثمن مقصور یا محذوف ۔ ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

یار گویا اک مسالہ پینے کی سِل بھی ہے
جب تو بٹے کی طرح پتھر کے اُس کا دل بھی ہے

فصلِ سرما میں حسین لڈو بنا کر بیچ لیں
لب میں شیرینی بھی ہے چہرے پہ صدہا تل بھی ہے

جس جگہ پر ہوسٹری سودائیوں کا اک ہجوم
ہو وہ پاگل خانہ بھی اور یار کی محفل بھی ہے

پوچھ گچھ کرنے کو مردے سے نکیرین آئینگے
پھر تو اک تھانہ پولس کا قبر کی منزل بھی ہے

عشق کا افسانہ انگریزی میں جب اُنسے کہا
ہنسکے فرمایا کہ یہ قصہ بھی ہے ناول بھی ہے

عمر بھر گھوما کیے ناقے کی دُم کے ساتھ ساتھ
یہ میاں مجنوں نہ سمجھے اس کا کچھ حاصل بھی ہے

مرنے والوں کی بنائی جاتی ہوں قبریں جہاں
نام تکیہ بھی ہے اُس کا کوچۂ قاتل بھی ہے

وہ کھڑے ہیں سر پہ میت کی بخطِ مستقیم
زاویہ مرقد کا گویا ایک رَیٹ اینگل بھی ہے

جب دہن غائب کمر معدوم نکلا یہ حساب
حُسن میں معشوق کے زیرو بھی ہے اور نِل بھی ہے

پیٹ میں ہوں جسکے دو بچے رہے وہ حاملہ
حال بھی پیدا مضارع سے ہے مستقبل بھی ہے

پتلی کھچڑی کیوں نہ بیماروں کو دی جائے ظریف
یہ غذا بھی قصرِ تن کے واسطے کہگل بھی ہے

غزل نمبر ۱۰۲ — ردیف ے — تعداد ابیات ۵

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاعلات یا فاعلن

فرہاد و قیس جانتے ہیں ماسٹر مجھے
اُن کے بزرگ لکھتے ہیں مائی ڈیر مجھے

مقتل میں تیغ باندھ کے پھر جائیگا آپ
پہلے دکھا تو دیجئے اپنی کمر مجھے

میرا رقیب واہ مجھی کو بنا دیا
دو دیکھتی ہے آپ کی ترچھی نظر مجھے

مجھ ناتواں کے مُنہ سے نکلتی نہیں صدا
نالہ یہ کہہ رہا ہے کسی طرح کر مجھے

کہتی ہے سب سے فطرت انساں یہ خود ظریفؔ
خالی نہیں ہوں شر سے سمجھ لو بشر مجھے

غزل نمبر ۱۰۳ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مثمن مشکول — ارکان فَعِلاتُ فاعلاتن فعلات فاعلاتن

کبھی عاشقوں کو فرصت نہیں نالہ و فغاں سے
کوئی کس طرح سے چھینکے کوئی کس طرح سے کھانسے

جو وہ شوخ شعلہ پیکر ملے جسم عاشقاں سے
کہیں اُٹھ کھڑے ہوں فتنے کہیں بیٹھ جائیں بانسے

یہ ادا ہوا محرّر مری لکنتِ زباں سے
یہ تنگ آگیا ہوں دَدَ دورِ آسماں سے

یہ جناب قیس کہتے تھے جنوں میں اپنی ماں سے
کوئی گود میں تمہاری کہو آگیا کہاں سے

نہ تو وعدہ اُن کا سچّا نہ مجھے یقین اس کا
وہ بتا رہے ہیں تتّے تو میں دے رہا ہوں جھانسے

یہ سُدرشی تار برقی کا ہے اک پُرانا آلہ
چلی آ رہی ہیں دل میں خبریں کہاں کہاں سے

مجھے خاک اُڑانے میں ہو یہ کمال آج حاصل
ابھی کہیئے تو ملا دوں میں زمیں کو آسماں سے

نہ بتائینگے وہ ہرگز جو پولس بھی اُن سے پوچھے
کہ وہ بعد دس بجے کے چلے آتے ہیں کہاں سے

ترے ہجر نے بنایا ہمیں نان کو اُپر یٹر
نہ ہے شیخ ہی سے مطلب نہ تعلقات خانسے

کسی حسن میں وہ گرمی کہ خدا بچائے سب کو — جنھیں وصل بھی میسّر ہو تو بیٹھ جائیں بانسے

مرا دل نہیں ہے کڑبی جسے آپ کاٹتے ہیں — مجھے ترچھی نظروں سے اب نہ لگایئے گڑانسے

ترے کوُ میں اب دوا نہ ساظریف پھر رہا ہے
جو ہیں پاسباں گلی کے اُسے دے رہے ہیں جھانسے

غزل نمبر ۱۰۴ — ردیف ے — تعداد ابیات ۶

بحر ہزج مثمّن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

کمر باندھے عدم کے واسطے تیار ہو جائے — غزل خوانی کا جس کو شوق یا آزار ہو جائے

مکرّر ہم پڑھیں گے جب تو کوئی کیا بنائے گا — کسی جلسے میں جب پابندیِ اشعار ہو جائے

یہاں تک صحبت شعر و سخن میں رات بھر جاگے — کہ مرجائے نہیں تو کم سے کم بیمار ہو جائے

معیشت کا جسے کھٹکا نہ کوئی فکر دنیا کی — وہی شاعر ہے جو اس عہد میں بیکار ہو جائے

خیالِ حفظِ صحّت جب پڑھے لکھے نہیں رکھتے — تو شرکت کرنے والا پھر نہ کیوں بیمار ہو جائے

ظریف ایک آدھ لکچر سال بھر میں دے دیا جا کر
وہ خوش قسمت ہے جو شاعر نہ ہو نثّار ہو جائے

غزل نمبر ۱۰۵ — ردیف ے — تعداد ابیات ۵

بحر مضارع مثمّن اخرب سالم یا مُسبّغ — ارکان مفعولُ فاع لاتن مفعول فاع لاتن یا فاعلیان

مجنوں یہ پوچھتا تھا لیلیٰ کے سارباں سے — تبلا دو مول لائے یہ اونٹ تم کہاں سے

تہذیب نے بنائے خواجہ سرا بکثرت — لونڈے کی شکل اب تو ملنے لگی میاں سے

ظاہر ہو سوزِ پنہاں اور گرمی محبّت — عُشّاق بد چلن کے جب بیٹھ جائیں بانسے

اِک شعر پڑھنے بیٹھے دو چار بار کھانسے ‏ پیری و ناتوانی کیا لطفِ شعر خوانی

ابرو یہ جن کے بَل ہے کہہ دو ظریف اُن سے
آئے ہیں آپ لڑنے ٹوٹی ہوئی کماں سے

غزل نمبر ۱۰۶ ‏ ردیف ے ‏ تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مُثمن سالم ‏ ارکان ۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

تبا بید اد گر جز نالہ و فریاد کیا کرتے ‏ ترے عُشّاق جن کے ہو گیا تھا داد کیا کرتے
عروسانِ چمن کا بیاہ بے دولھا کی محفل تھی ‏ عنادل جو نہ بچ سے شورِ مبارکباد کیا کرتے
چھٹی کا دودھ یاد آتا تھا جوئے شیر لانے میں ‏ نہ سر کو پھوڑتے تو حضرتِ فرہاد کیا کرتے
بجز اس کے کہ دیتے مجرموں کو جیل میں پھانسی ‏ حسیں بالفرض بنتے بھی اگر جلاّد کیا کرتے
جنابِ قیس دُبلے پتلے لیلیٰ موٹی تازی تھی ‏ وہ ناقے سے جو گر پڑتی تو یہ امداد کیا کرتے
حسینانِ جہاں بھی کوئی آندھی یا بگولا تھے ‏ جو مل جاتی کسی کی خاک وہ برباد کیا کرتے
یہ مستوں کا قبضہ دخترِ رز پر ہو گیا خود ہی ‏ بنا کر پھر اُنھیں پیرِ مغاں داماد کیا کرتے
جو لیلیٰ نجد سے سوئے عراق آجاتی ناقے پر ‏ نہ جانے بلبلا کر اُشتر بغداد کیا کرتے
تمھارے مصحفِ رُخ کو زبانی یاد کر لیتے ‏ جو عاشق تم یہ ہوتے کورِ مادر زاد کیا کرتے
جو اُن کے وصل سے مانوس تھے عہدِ جوانی میں ‏ اگر شادی نہ کرتے عاشق ناشاد کیا کرتے
حسینانِ خیالی پر تصوّر میں جو عاشق تھے ‏ وہ اِن کو بھول کیا جاتے یہ اُن کو یاد کیا کرتے

غمِ خلدِ بریں میں جب ظریف آدم نے رحلت کی
بجز غم و تف وہ آخر علی الاولاد کیا کرتے

غزل نمبر ۱۰۷ ردیف ے تعداد ابیات ۱۸

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان. فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

پاس جب وقت گیا مار دی اِک لات مجھے
کبھی ممکن نہ ہوئی اُن کی ملاقات مجھے

ہو گئی اُن کی مدارات میں جب رات مجھے
پھر تو حضرت نہ رہی یاد کوئی بات مجھے

قیس کہتا تھا یہی فکر ہے دن رات مجھے
مار دے ناقۂ لیلیٰ نہ کہیں لات مجھے

پان وہ دیتے ہیں میں دیتا ہوں حقہ اُن کو
میری خاطر ہے اُنھیں اُن کی مدارات مجھے

پھر کہاں ٹکتا ہوں دہشت میں جو اُٹھ کر بھاگا
لاکھ آنکھوں پہ بٹھایا کریں دن رات مجھے

رنگ غصّے میں بدلتے ہیں وہ گرگٹ کی طرح
حُسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

جب سے لیسنس چلا کون بنائے خنجر
اب نہ فولاد ہے درکار نہ اسپات مجھے

رُخِ روشن پہ فدا اور نہ سیہ زلف کا خبط
نہ کوئی دن ہے مجھے اور نہ کوئی رات مجھے

مکتبِ عشق میں بیٹھا ہوا حل کرتا ہوں
جیسے الجبرا کے ملتے ہیں سوالات مجھے

اِسکا مطلب تو نہیں یہ کہ کہیں مجھ کو لگا دُ
دل لگی ہو گئی ہے دل کی ہر اک بات مجھے

قیس کہتا تھا یہ لیلیٰ سے کہ معلوم ہوئی
نہ مری ذات تجھے اور نہ تری ذات مجھے

سرد مہری کو تری دیکھ کے رو دیتے ہیں غیر
اب کی جاڑے میں نظر آتی ہے برسات مجھے

تو لیں بیچتے نخاس میں دیکھا اُس کو
کس جگہ جا کے ملا پیرِ خرابات مجھے

غسلخانے میں یہ غسّال سے مردہ بولا
جیل ہے قبر تو یہ گھر ہے حوالات مجھے

رشتۂ عمر ہے کم اور مری رسّی ہے دراز
آئی چرخے سے یہ آواز نہ تو کات مجھے

بزم میں دھوبیوں کی بیٹھ کے کہتا ہے وہ شوخ
ماش کی دال ہے بھاتا ہی بہت بھات مجھے

نئی تہذیب نے معشوقوں کا فیشن بدلا
کارڈ بھیجوں تو میسّر ہو ملاقات مجھے

دردِ دل عشق میں ہوکا ہے سے بیکوں میں ظریفؔ
نہ فلالین ہی ملتی ہے نہ بانات مجھے

غزل نمبر ۱۰۸ ردیف ے تعداد ابیات ۱۳

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

زہد کی خشکی پھر اُس پر اس قدر مغرور ہے — ترش رُو زاہد تری گردن نہیں انگور ہے
قد یہ پہنچا اونٹ تک مشکل ہی محمل دور ہے — قیس کو لیلیٰ کی صورت دیکھنا منظور ہے
حکم شیریں سے بنائی نہر یہ مشہور ہے — کوہ کن کچھ بھی نہیں جورو کا تو مزدور ہے
تیز رو ناقہ ہے مجنوں ناتواں مجبور ہے — اُسپہ بی لیلیٰ کا یہ کہنا کہ دلّی دور ہے
طورِ منبر کو کہا جائے تو اس میں کیا کلام — حضرتِ واعظ کی ڈاڑھی جب خدا کا نور ہے
یادِ خالق پہلے تھی اب دل میں ہو عشقِ صنم — جو الہ آباد تھا فی الحال سیتاپور ہے
جلوہ دیکھا سیکڑوں نے غش نہ آیا ایک کو — شیخ جی کہتے تھے ڈاڑھی کو خدا کا نور ہے
دستِ لیلیٰ میں دلِ مجنوں ہے یارب خیر کر — اونٹ پر سے چھٹ پڑا شیشہ تو چکنا چور ہے
جلوۂ ریشِ مبارک سے ہوا بیہوش کون — شیخ جی فرمائیں یہ کیسا خدا کا نور ہے
کر دیا ہے منہ لگا کر یار نے اس کو شریر — آدمی کب ہے رقیبِ روسیہ لنگور ہے
واجب التعظیم ہیں ارکانِ معراج الادب[۱] — [۲]شاعری جزویست از پیغمبری مشہور ہے
جائے گا جنت میں تو زاہد جواں ہوکر تو کیا — جس میں صدہا سال کی ایک ایک بڈھیا حور ہے

جاگ اُٹھینگے حشر کا بھونپو بجے گا جب ظریفؔ
کہتے ہیں سب دستِ اسرافیل میں اک صور ہے

نوٹ۔ [۱] انجمن معین الادب سے کچھ لوگ علیحدہ ہو گئے تھے اور اُنھوں نے انجمن معراج الادب قائم

کی تھی۔ لیکن یہ دونوں انجمنیں بہار مرحوم کی وفات کے بعد مدغم ہو کر انھیں کے نام سے معنون کردی گئیں۔ یعنی "بہار ادب" نام رکھا گیا۔ صفی عفی عنہ۔

غزل نمبر ١٠٩ ردیف ے تعداد ابیات ١٢

بحر مجتث مخبون مسکن مقصور یا محذوف — ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

خواص چند جو پائے جناب میں میں نے
تو دی جگہ دلِ خانہ خراب میں میں نے

خیال سبزۂ خط یادِ عارض رنگیں
کہاں سے بھنگ ملا دی شراب میں میں نے

لگائیں ضرب وہ اور میں کہوں کہ یا قسمت
بہت بڑی غلطی کی حساب میں میں نے

میں واقعی انھیں سمجھا کہ سانپ والا ہے
جو دیکھی زلف سیہ پیچ وتاب میں میں نے

گڑی ہوئی ہے نظر انکے روئے رنگیں پہ
نئی یہ شاخ لگادی گلاب میں میں نے

کہا یہ قیس نے لیلیٰ نہ آئے مکتب میں
پڑھا الف زبر آ جب کتاب میں میں نے

ہوئے وہ حسن کی میونسپلٹی کے ممبر
جب اُن کو ووٹ دیا انتخاب میں میں نے

سمجھ کے آپ نے بزدل مجھی کو ذبح کیا
کوئی خطا تو نہیں کی جناب! میں میں نے

کرے خوشی سے خود انسان اپنا مُنہ کالا
عجیب رنگ یہ دیکھا خضاب میں میں نے

زمین ہو گئی ہموار اُن کے کوچے کی
لگائی لوٹ جو اک اضطراب میں میں نے

نکل سکے نہ کسی طرح اتنے غوطے دیئے
اُنھیں ڈھکیل کے چشم پر آب میں میں نے

جلا رقیب کا جب دل تو اور گالیاں دیں
ظریف مرچ لگادی کباب میں میں نے

غزل نمبر ۱۱ ردیف سے تعداد ابیات ۱۷

بحر ہزج مثمن سالم — ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بوقتِ ذبح آتی ہے صدا یہ حلقِ بسمل سے
بلا لیسنس ہے تلوار، چھن جائیگی قاتل سے

چلے تو جائیں گے لیکن بڑی دقت سے مشکل سے
اگر مجنوں کی گردن باندھ دو لیلیٰ کی محمل سے

محبت کے اکھاڑے ہیں جہاں رکھا قدم میں نے
مرے ارمان کشتی لڑنے لگتے ہیں مرے دل سے

بُتِ کافر کے عاشق ہیں بنارس لے چلو ہم کو
ہمارا دل الٰہ آباد میں بہلے گا مشکل سے

بخاطرِ زِعمل بیفائدہ بکنے سے کیا حاصل
دماغ اپنا پھرا جاتا ہے ناصح تیری ٹل ٹل سے

عدم آباد کالج میں لحد دار الاقامت ہے
غرض ہے اپنی اپنی گور، اپنی اپنی منزل سے

شکایت اُن کو لکھوں گا زمانے نے جو فرصت دی
ابھی دس بیس رم کاغذ منگانے دو مجھے مل سے

یہاں تک رفتہ رفتہ اس زمانے نے ترقی کی
سمندِ ناز ٹکرانے لگا آخر کو سائیکل سے

شہیدانِ وفا کا خون اتنا جم گیا اُس پر
کہ آخر کھاروا شرما گیا دامانِ قاتل سے

لنگوٹی باندھے پیچھے دوڑتے جاتے ہیں بیچارے
میاں مجنوں کو لیلیٰ جھانکتی جاتی ہے محمل سے

وہ اپنے عاشقوں سے پوچھتے ہیں کون اچھا ہے
ملاتے ہیں الٰہ آباد کے امرود کو دل سے

یہ عاشق اپنے معشوقوں کو کیا اُلّو بناتے ہیں
محبت ان کو کیوں ہونے لگی اُجڑے ہوئے دل سے

بسر کی ایک حالت پر نہ بدلا عمر بھر زانو
ادب اغیار نے سیکھا مرے بیٹھے ہوئے دل سے

ہماری شاعری کا اونٹ کس کل دیکھیے بیٹھے
غرض جس کو نہ مجنوں سے نہ لیلیٰ سے نہ محمل سے

محبت کا مسالہ پیستے اک عمر گذری ہے
دلِ عاشق کا بٹّا گھس نہ جائے صبر کی سل سے

بنایا کرتے ہیں عشاق لڈّو فصلِ سرما میں
مٹھائی لب کی شیرینی سے اور رخسار کے تل سے

ظریف اچھا ہے یہ بھاری پتھر چوم کر چھوڑو
دلِ بیتاب دب سکتا نہیں اب صبر کی سل سے

غزل نمبر ۱۱۱ ردیف ے تعداد ابیات ۱۷

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان. فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

مرگِ عاشق کے تماشے کو مکرّر دیکھئے
آئیے مرقد پہ لوحِ سنگِ مرمر دیکھئے

داڑھی مونچھیں صاف ہیں مثلِ قلندر دیکھئے
مادہ رو ہیں مغربی تہذیب کے نر دیکھئے

اپنی شخصیت کو پہلے ہیٹ بر سر دیکھئے
بعد ازاں عینک لگا کر نیوز پیپر دیکھئے

دل کو گر مقصود ہو نظّارۂ حسنِ فرنگ
چاہے شلجم دیکھئے چاہے چقندر دیکھئے

ڈال لیجئے اپنے رُخ پر آپ جالی کی نقاب
بند کر کے حسن کی دوکاں کا شٹّر دیکھئے

اُن میں عزرائیل میں اک میچ ہے فٹ بال کا
کشمکش میں عاشقوں کا قلبِ مضطر دیکھئے

بھرتے ہیں کیسی چھلانگیں ارتقا کے پیڑ پر
مورثِ اعلیٰ ہیں جن لوگوں کے بندر دیکھئے

پی کے سگریٹ چھوڑیئے آہستہ آہستہ دھواں
چاہیئے جب اُس بُتِ ترسا کا گھونگھر دیکھئے

اُن سے کہیئے آپ جو بوسے کے طالب ہیں حضور
مصحفِ رُخ چاٹ جائینگے یہ جھینگر دیکھئے

کھینچئے یوں چار آنکھیں عاشقوں کے سامنے
اُس طرف جب دیکھئے عینک لگا کر دیکھئے

اُس کرنجی آنکھ پر عشّاق کا دل آگیا
ہو گیا مانوس بلّی سے کبوتر دیکھئے

لیڈری سستی ہوئی ہر چیز مہنگی ہو گئی
اب تو اِک آنے میں مل جاتا ہے لیڈر دیکھئے

جنکو بھاتی تھی بہت لبہائے شیریں کی مٹھاس
اُنکے قارورے میں اب آتی ہے شکّر دیکھئے

دونوں جذبے ایک ہیں لیکن نر و مادہ کا فرق
اُن کی طاقت دیکھئے اور میرا پاور دیکھئے

خوابِ غفلت کیا حماقت ہو سرائے دہر میں
خود ہی سونے میں صدا آتی ہے خر خر دیکھئے

دیکھنا ہو خر دماغی گر بتِ سفّاک کی
کوچۂ جاناں میں جا کر خونِ خنجر دیکھئے

رات بھر کیوں چین سے سوتے نہیں یا ظریفؔ
یادِ جاناں کیا ہے کھٹمل ہے کہ مچھّر دیکھئے

غزل نمبر ۱۱۲ ردیف ے تعداد ابیات ۱۱

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ۔

یوں بہ تہذیب اُن کو عاشق کو سنا دینے لگے
بد نکل آئی تو سب بلکر دعا دینے لگے

یوں کفن بہرِ شہیدانِ وفا دینے لگے
ناپ کر ہر اک کو دو گز کھاروا دینے لگے

مُنہ پُھلا کر تشنہ کامانِ محبت کو حضور
شربتِ دیدار کا پورا گھڑا دینے لگے

جب سے عاشق ہو گئے اُس بُت پہ چوکیدار تک
سونے والو! جاگتے رہنا صدا دینے لگے

جھوٹے عاشق اِس سے بڑھکر اور کیا دیتے ثبوت
ہو گئے گندہ دہن بوئے وفا دینے لگے

پیٹ ضبطِ آہ سے عشاق کا پھولا جہاں
دھوکنی کی طرح سے نتھنے ہوا دینے لگے

سسکیاں لیں منہ بسورا عاشقوں کے سامنے
وہ کھجا کر داد کو دادِ وفا دینے لگے

ہو گئے عشاق بھک منگے الٰہی خیر ہو
آپ کی صورت جہاں دیکھی دعا دینے لگے

اُن کے بیماروں کا گھونگھرو بولنا جب سُن لیا
جلدی جلدی تال مسٹر کالکا[۱] دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمارِ غم
ہو کے کھسیانے سبھوں کو سنکھیا دینے لگے

خوش ہوئے جب شعر پر تالی بجا دی اے ظریف
شاعروں کو لوگ انگریزی صلا دینے لگے

نوٹ ۔ [۱] کالکا کتھک بندادین کا بھائی تھا دونوں بھائی رقص و غنا میں بہت مشہور تھے اور جھاؤلال کے پل پر لکھنؤ میں رہتے تھے ۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۱۳ ردیف ے تعداد ابیات ۱۷

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف ۔ ارکان ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

جب دوبارہ کسی عاشق کا جنم ہوتا ہے
اِک وفادار سگِ کوئے صنم ہوتا ہے

جاں بِستاں غمزۂ معشوق ستم ہوتا ہے
سلسلہ وار جُدائی کا الم ہوتا ہے
بچپنے میں جو ڈرا کرتے تھے بی شادی سے
تان اور تال کی تشریح مُغنّی جانے
تیرا عاشق ہے مگر ضبط کی اُلٹی تصویر
خانہ ویرانیٔ عاشق کا ہے سامان معشوق
وصلِ جاناں سے جو پیری میں ہیں محروم انھیں
تین حرف اُن پہ جو کرتے نہیں اتنی سی بات
کھاتے پھرتے ہیں قلابازیاں عُشّاق تمام
پھوٹتی رہتی ہے عُشّاق کی اکثر نکسیر
مکتبِ عشق میں دیتے ہیں سبق حضرتِ وصلؔ
بے تکی خط میں اڑاتے ہیں حسینانِ فرنگ
جو دکھاتے ہیں رہِ عشق میں ثابت قدمی
مجھ کو معلوم نہیں درد ہی یا کیا شئے ہے
کیا مزیدار ہے منعمؔ کا اچھوتا جوُرن
ہو گئی ایک عربی داں سے محبت جو ظریفؔ
صرف تقریر میں اب لا و نعم ہوتا ہے

اسمیں کیا ہوتا ہے شل ہوتا ہے بم ہوتا ہے؟
کبھی غم ہوتا ہے اُن کو کبھی ہسم ہوتا ہے
شادیانے نہ بجاؤ انھیں غم ہوتا ہے
جس کو کھا لیتے ہیں عُشّاق وہ سَم ہوتا ہے
چیخ اُٹھتا ہے کبھی درد جو کم ہوتا ہے
سبزہ زردیوں میں ہر اک سبز قدم ہوتا ہے
نہ بہت ہوتا ہے افسوس نہ کم ہوتا ہے
کاف رے میم کے ملنے سے کرم ہوتا ہے
کوئے قاتل میں شب و روز اُدھم ہوتا ہے
زُلفِ مشکیں سے تو بس ناک میں دم ہوتا ہے
بے سے ہے میم ملا دو تو بھسم ہوتا ہے
ہاتھ میں انکے جہاں پر کا قلم ہوتا ہے
ایسے عُشّاق کے پیروں میں ورم ہوتا ہے
کچھ مرے دل میں ترے سر کی قسم ہوتا ہے
کہ ہوا کھاتا ہے جب سیر شکم ہوتا ہے

نوٹ۔ سلؔ ایک شاعر کا تخلص ہے جو انجمن بہار ادب کے ممبر تھے۔

صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۱۱ ردیف ے تعداد ابیات ۱۲

بحر ہزج مثمن سالم ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

جب اُن کے خواب میں شیطان بیباکانہ آتا ہے
وہ کہتے ہیں مجھے حرزِ ابو دجّانہ[۱] آتا ہے

دلیلِ کمسنی اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی
کہ جوڑا پاؤں میں اُس شوخ کے بچگانہ آتا ہے

ہیں تنخواہیں اُسی میں اہلکارانِ عدالت کی
یہ جتنی کورٹ فیس آتی ہے یا طلبانہ آتا ہے

پسینہ خالِ رُخ پر ہو بہ تخئیلِ قدیم اُن کے
گلابِ تند میں بھیگا نظر بہدانہ آتا ہے

اذاں دیتے ہوئے مرغوں کے آگے پھینک دیتے ہیں
بتوں کے ہاتھ میں حب سبحہ صد دانہ آتا ہے

کٹے ہیں شمع نے چھاندے وہ دیکھو آگ روشن ہے
چھلبداروں[۲] کی صورت کو دتا پروانہ آتا ہے

وہ دیکھو گاردے کا گاروا اک چھت پہ بیٹھا ہو
یہ گاڑی قیدیوں کی آتی ہو یا تھانہ آتا ہے

رقیب آئے تو اُس سے چھوٹ لڑنے کا ارادہ ہو
پٹا آتا ہے بانک آتی ہو مجھ کو بانہ آتا ہے

لبوں نے خوش نویسی سیکھی ہو یاقوت سے شاید
بنا تا اُس دہن کے سین کا دندانہ آتا ہے

مسیحا دیکھ جا پیٹ اپنے بیمارِ محبت کا
اُسے پیشاب آتا ہے نہ اب پاخانہ آتا ہے

صفت تو دیکھیے ہر چند ہمت سے مؤنث خود
پہن کر یہ زنانہ جانگیا مردانہ آتا ہے

ظریف اک دن بہ تخئیلِ قدیم اُس شوخ سے پوچھو
کہو کچھ شعر کہنا تم کو معیارانہ آتا ہے

نوٹ۔ ۱؎ ایک صحابی رسول تھے اُنھیں ایک جن ستاتا تھا چنانچہ اُنھوں نے پیغمبر خدا سے شکایت کی اور حضرت نے جناب امیرالمومنینؑ سے فرمایا کہ اِنھیں تعویذ لکھ دو اُنھوں نے لکھ کر دیدیا۔ اسی تعویذ کا نام حرز ابو دجانہ ہے ۲؎ چھلبدار قوالوں کا ایک طبقہ ہے جو احمد کبیر کی گائے ماننے والوں کے یہاں آکر صحن میں کوئلے بچھا کر آگ روشن کرتا تھا اور گا گا کر انگاروں پر لوٹ لگاتا

تھا۔ عام مسلمانوں میں یہ رسم جاری تھی کہ اپنی مراد بر لانے کے لئے احمد کبیر کی گائے مانتے تھے اس منتی گائے کے کباب بھی چھلبدار تیار کرتے تھے اور اس رسم کا نام چھاندا تھا۔ مدت سے یہ رسم اُٹھ گئی۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۱۵ ردیف ے تعداد ابیات ۱۴

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور یا محذوف — ارکان مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاع لات یا فاعلن

یہ بحث اب حکیم میں اور ڈاکٹر میں ہے
سُرعت یہ کیسی نبضِ نسیمِ سحر میں ہے

چندیا میں وہ چمک ہے کہ جو مال و زر میں ہے
قارون ہے اپنے وقت کا وہ گنج سر میں ہے

معشوق کا حسین تو ہونا ہے لازمی
اب بحث جس قدر ہے وہ مادہ و نر میں ہے

ہم اُن کی چشمِ مست کو ساغر تو مان لیں
لیکن ہمیں کلام ذرا ساگر میں ہے

دفتر شکایتوں کا جو لے کر وہ اُڑ سکے
طاقت کب اتنی میرے کبوتر کے پر میں ہے

معشوق مفلسی کے سبب سے ہے دربدر
ذاتی مکاں نہیں ہے کرائے کے گھر میں ہے

گویا ہمیں ہو درہم داغِ جنوں کا بنک
تیرِ نگاہِ ناز کا پہرا جگر میں ہے

عاشق کو تیرے باتوں میں اُچھو جو ہو گیا
تالا پڑا ہوا ابھی بابِ اثر میں ہے

کانسٹبل کی نقل کرے گا وہ تُرک آج
تلوار کے مقام یہ ڈنڈا کمر میں ہے

قائل ہوئے جو دورِ فلک کے تو اس طرح
کہتے ہیں وہ کہ بڑھیا کا چرخہ قمر میں ہے

کیسا فراق وصل کجا انتظار کیا
میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوں وہ اپنے گھر میں ہے

ہے قتلِ نیم جاں کا ارادہ کیئے ہوئے
قاتل کی آستین ابھی چڑھ اُتر میں ہے

سرو رواں جو کہتے ہیں تجکو بتا تو دے
انسان میں شمار ترا یا شجر میں ہے

عاشق کو ہے وہ بھیروں بے وقت کی ظریف
کیا اچھی تان نغمۂ مرغِ سحر میں ہے

غزل نمبر۱۱۶ ردیف ے تعداد ابیات ۲۱

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان فاعلاتن فعلا تن فعلا تن فعلات یا فعلن

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اُڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے

عشق نے آکے لگایا ہے کوئی ٹیلیفون
وہ جو بولیں مرے کانوں میں صدا آتی ہے

بے وفا دوڑتا ہے مارنے لے کر تلوار
کوئی جھوٹوں بھی جو کہہ دے کہ وفا آتی ہے

دو ہی کام آتے ہیں معشوقوں کو دنیا میں فقط
یا جفا آتی ہے یا ان کو حیا آتی ہے

ملک الموت اُسے لاد کے جب لاتے ہیں
اتنی موٹی ہے کہ جب جا کے قضا آتی ہے

نفع اتنا تو ہوا اس میڈیکل کالج سے
تیرے بیمار کے پینے کو دوا آتی ہے

مونڈ کر نائی لیئے جاتا ہے اُن کے جھونٹے
بھاگو بھاگو ارے بھاگو کہ بلا آتی ہے

اُس محلّے میں رسائی ہو تو جا کر دیکھو
شام کو رسّی بٹوا لے زلفِ رسا آتی ہے

آنت شیطان کی بھی پڑھتی ہے لاحول اگر
سامنے اُس کے تری زلفِ رسا آتی ہے

کسی ترکیب سے اب باندھیں گے اس قافیے کو
یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ خدا آتی ہے

اپنی ناک آپ ہی ملتے ہیں کہ آجائے چھینک
یادِ عُشّاق کو جب اُن کی جفا آتی ہے

ہیں وہ خلوت کدۂ ناز میں تنہا بیٹھے
پنکھا خود جھلتے ہیں جب جا کے ہوا آتی ہے

وہ جنازے پہ کھڑے پڑھتے ہیں تن تن کے نماز
جب قضا آئی تو اُن کو یہ ادا آتی ہے

آنکھ عاشق کی بھگو دیتی ہے رو کر دامن
دل جب آتا ہو تو یہ لے کے گھڑا آتی ہے

عیدِ قرباں سے نہیں کم ترا آنا اے شوخ
کہ ترے عاشق بُز دل کی قضا آتی ہے

بن کے بی شادی ڈرا دیتی ہے اسکو لیلیٰ
نجد میں لے کے جو مجنوں کو دوا آتی ہے

عشق میں اِک بُتِ کافر کے مراہوں جل کر
مر گھٹے سے ترے عاشق کی صدا آتی ہے

گالیاں دیتے ہیں سب جان کے دیوانہ ترا
رات کو جب کسی اُلّو کی صدا آتی ہے

میں جو کرتا ہوں کبھی سُوز کا اُن سے اظہار
وہ یہ کہتے ہیں کہ بس ہم کو سزا آتی ہے

چہرہ قاتل کا تو دوزخ کا نمونہ ہے ظریفؔ
دامن تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے

نوٹ۔ سلہ لکھنؤ کا ایک محلہ مولوی گنج کے قریب ہے جہاں کسی زمانے میں رسّیاں بٹی جاتی تھیں۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۱۷ ردیف ے تعداد ابیات ۱۰

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

یہ اچھی دل لگی عاشق سے کی حسرت بھرے دل نے
جہاں وصلت کا نام آیا یہ پہلے سے لگا ملنے

ہوئی ہے بعد مدت طرح کے مصرع میں شامل نے
قدم آسانیوں کی بزم میں رکھا ہے مشکل نے

نچائی دور سے انگلی کسی بیدرد قاتل نے
کچھ ایسا کر دیا مبہوت اس کو رقصِ بسمل نے

چھٹی کا دودھ یاد آیا بھا جوئے شیر لانے میں
میاں فرہاد کو اتنا دبایا صبر کی سِل نے

پُرانا ٹاٹ گودڑ کون دنیا میں خریدے گا
قیامت ہوگی اُس دن ٹاٹ جب اُلٹا پرِل نے

نہ اپنے گھر نہ اُس کی تیغ ہی کے گھاٹ تک پہونچا
بسر دھوبی کے کُتے کی طرح کی مضطرب دل نے

بنی انیونیوں کی بزم میں تلخی بھی شیرینی
اِدھر افیوں لگی گھلنے اُدھر گنّا لگا چھلنے

جنابِ مشق کا اصرار تھا احباب کیا کرتے
مفاعیلن کی جو بردھی کو ہانکا اہلِ محفل نے

خبر لیں مولوی صاحب کہ طلاب مدارس نے
کیا بدنام بے ترکیبیِ مفعول و فاعل نے

غضب ڈھایا نہ دی سب ظرافت کی ضیاباری
ظریفؔ اپنے چراغ عمر کی ہر وقت جھل مِل نے

غزل نمبر ۱۱۸ — ردیف ے — تعداد ابیات ۲۰

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف

ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

عشق ہو زہرا جبینوں سے بڑا دل چاہیئے
پیٹ کوٹھی دار مثلِ چاہِ بابل چاہیئے

ردی صورت عاشقوں کی دیکھ کر بے اختیار
غنچہ رویوں کیلئے ہر وقت کھل کھل چاہیئے

اجنبی بن کر کہا کرتے ہیں وہ عشّاق سے
کیا کرایہ لو گے ہم کو خانۂ دل چاہیئے

زُلف کی رسّی سے جو ناچا کرے لٹّو کی طرح
ان حسینوں کے لئے اک کاٹھ کا دل چاہیئے

ہم سے دیوانوں کے سمجھانے کو آیا ہے سڑی
ناصح ناداں کو خود طوق و سلاسل چاہیئے

بس یونہی ہوتا ہے حُسن و عشق کا قصّہ تمام
ایک بسمل چاہیئے اور ایک قاتل چاہیئے

کوہ کن سے کی بھی فرمائش تو یہ شیریں نے کی
اک مسالہ پیسنے کے واسطے سِل چاہیئے

وقتِ پیری وصل کی خواہش ہو اک امرِ فضول
تم کو اب خواجہ سرائی اے میاں دل چاہیئے

نازنیں جب ہے تو ہو جا سر پہ مجنوں کے سوار
تجھ کو ناقہ چاہیئے لیلیٰ نہ محمل چاہیئے

ملکِ یورپ کا جو صاحب ہو تو افریقہ کی میم
اس طرح آمیزشِ کافور و فلفل چاہیئے

گربۂ زاہد بڑی محنت سے کرتی ہے شکار
ابتو لے چوہو اسے تنخواہ کا بل چاہیئے

ناتوانوں کے لئے ہے گرم کھچڑی زُود ہضم
قصرِ تن کو فصلِ سرما میں یہ کہگل چاہیئے

آرڈر اک بھیج دیجئے ٹاٹا مل کو جانِ جاں
آپ کے عُشّاق کو فولاد کا دِل چاہیئے

نامہ بر دنش[1] مین[2] رم سے کام چل سکتا نہیں
میرے خطِ شوق کو پوری پیرمل چاہیئے

پھولائو جا عاشقوں سے اپنے بیٹھا ہے وہ بت
اس کے پچکانے کو نسخہ اک مُسہّل چاہیئے

سچ تو یہ ہے قوم کے تیلی ہیں وہ عاشق نہیں
جو یہ کہتے ہوں ترے رُخسار کا تِل چاہیئے

دونوں میں اِک غیر منقولہ ہو منقولہ ہو ایک
یار کی چکّی کا یارو کونسا پِل چاہیئے

گر یبوست ہے مزاج زاہدانِ خشک میں
کاسٹرائیل کا روز ایک اُن کو مسہل چاہیئے

میکدے والوں کو ان بحثوں سے کچھ مطلب نہیں
مدرسہ ڈھونڈھو اگر مفعول و فاعل چاہیئے

جہل بھی حبِ منتہائے علم ہے بھائی ظریف
پھر تو ہر عالم کو خود تقلیدِ جاہل چاہیے

غزل نمبر ۱۱۹ ردیف ے تعداد ابیات ۱۳

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

شکل ملجاتی جو میری قیس کی تصویر سے
عقد کر لیتا میں لے لیلیٰ تری ہمشیر سے

جن کی قسمت میں یہ لکھا تھا بنیں کولھو کے بیل
بن گئے عاشق تمھارے گردشِ تقدیر سے

قید ہو دُہری یہی ہے جوشِ وحشت کا علاج
یار کی زلفیں لپٹ جائیں مری زنجیر سے

زلفِ مشکیں سونگھ لینے سے پریشاں ہو دماغ
عاشقوں کا ناک میں دم آگیا نکسیر سے

ان بڑی آنکھوں میں کیا چھوٹی سلائی کا ہے کام
ہو قدر انداز تم سرمہ لگا لو تیر سے

دیکھنا کوچہ گڑھیا ایک دن ہو جائے گا
کم نہیں خاک درِ جاناں اگر اکسیر سے

عاشقوں کے باپ سے بھی وہ پڑھی جاتی نہیں
آپ کی تحریر ملتی ہے خطِ تقدیر سے

سامنے جب آئے تم آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا
ہے شبِ دیجور پیدا حسن کی تنویر سے

لوگ دسترخوان پر جھک جھک کے کھاتے ہوں جسے
ہم کو تو رکھیں معاف آپ ایسی ٹیڑھی کھیر سے

وصل کی خواہش سے نم پا کر بھری برسات میں
آپ کی تصویر چمٹی تھی مری تصویر سے

دُودھو پنڈت جی ہیں لیکن رہے اس کا خیال
گائے ماتا ہے تو بھیا کم نہیں ہمشیر سے

کیا حسینوں میں وہ سب نازک بدن مشہور ہیں
خانۂ دل میں پڑے رہتے ہیں جو شہتیر سے

جوشِ آہِ سرد سے یہ ہو گیا ثابت ظریف
کم نہیں عاشق کا سینہ گلگٹ اور کشمیر سے

غزل نمبر ۱۲۰ — ردیف ے — تعداد ابیات ۶

بحر رمل مثمن مخبون مقصور یا محذوف

ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

کسی سارس ہی میں ہو اور نہ کسی قاز میں ہے
جس قدر سمع خراشی تری آواز میں ہے

یار مقتل میں کبھی خواب گہ ناز میں ہے
ہے مذکّر کہ مؤنّث یہ ابھی راز میں ہے

فون پر اے شبِ وصلت میں بلانے والے
کششِ قرب تری دور کی آواز میں ہے

گنبدِ مقبرہ کی شکل ہے بطنِ مادر
صورت انجام کی منعم ترے آغاز میں ہے

اک جہاں سُنکے جسے کان کھڑے کرتا ہے
اتنی طاقت مری بیٹھی ہوئی آواز میں ہے

دُور بینی جسے کہتے ہیں وہ دراصل ظریف
بڑھ کے انساں سے کہیں چشمِ غلیواز[ل] میں ہے

نوٹ۔ ل بمعنی چیل بروزن پٹے باز۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۲۱ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مثمن اخرب سالم

ارکان۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

وحشت میں ہر اک نقشہ اُلٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

اے مُرغِ سحر ککڑوں کوں بول کہیں جلدی
تو بھی شبِ فرقت میں گونگا نظر آتا ہے

مجنوں تو ہے دیوانہ سمجھا ہے اُسے لیلےٰ
محمل میں جو کچھ کالا کالا نظر آتا ہے

ڈاڑھی کو تری واعظ سب دیکھ کے کہتے ہیں
وہ قصرِ تقدّس کا چھجّا نظر آتا ہے

اعجاز تخیّل ہے بے وصل کے عاشق کو
آغوش میں جاناں کی بچّا نظر آتا ہے

باز آئے محبّت سے اے عشق خدا حافظ
اُلفت میں جسے دیکھو اندھا نظر آتا ہے

کچھ تجھ کو خبر بھی ہے دیکھ آئینے میں صورت
اور ترچھی نظر والے بھنگا نظر آتا ہے

اس مزرع دنیا میں اوروں کے ڈرانے کو
واعظ تو ہمیں خالی دھوکا نظر آتا ہے

جے کہتے ہو گاندھی کی جس وقت مسلمانو!
اسلام کے ماتھے پر قشقا نظر آتا ہے

سوراج کے چکر میں رہتے تھے جو سرگرداں
اُن لوگوں کو اب خالی چرخا نظر آتا ہے

"چوں پیر شُدی حافظ از میکدہ بیروں شو"
خاموش ظریفؔ اب تو بوڑھا نظر آتا ہے

غزل نمبر ۱۲۲ ردیف ے تعداد ابیات ۱۲

بحر رمل مُثمّن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

وہ جنھیں باہم دگر دست وگریباں دیکھیے
صورۃً انساں ہیں اور سیرت میں حیواں دیکھیے

شوخیٔ دستِ جنونِ فتنہ ساماں دیکھیے
ناف تک پہونچی حدِ چاکِ گریباں دیکھیے

چیتھڑا ہے پیرِ گردوں کی قبائے کہنہ کا
ماہِ نو کو اب نہ کہیئے گا گریباں دیکھیے

عشق میں ملحوظ رکھیئے طرزِ تعلیم قدیم
ابتدائے ما مقیما پھر گلستاں دیکھیے

ناز نے لیلیٰ کو جب سے لے لیا ہے گود میں
غم نے مجنوں کو چڑھایا ہے گھڑیاں دیکھیے

چھوٹی چھوٹی لالٹینیں بکنے آئی ہیں جو اب
اس قدر ہے انکا مستقبل درخشاں دیکھیے

جان لیجے روح بندادینؔ کی ہے وجد میں
جب تبسّم کو لبِ جاناں پہ رقصاں دیکھیے

شاعری کا ہوگیا ہے خبط جب سے یار کو
دیکھتا ہے حضرتِ سوداؔ کا دیواں دیکھیے

جا بجا سڑکوں پہ چوپایوں کی راحت کیلئے
موجزن ہے ٹنکیوں میں آبِ حیواں دیکھیے

مغربی تعلیم پاکر پالنا ہے پیٹ اگر
کچھ دنوں صاحب کے بن کر خانساماں دیکھیے

ذرہ ذرہ نجد کا دیتا ہے مجنوں کو صدا
آ گئے بڑھیئے اور اب کوئی بیاباں دیکھیے

دو ہی نام آور ہیں دُنیائے تمدن میں ظریف
شاعروں میں میرؔ اور شہدوں میں ستیاں دُبھئے

نوٹ۔ بندادین کتھک فنِ رقص و سرود میں کامل تھا۔ گھنگرو باندھ کے جب ناچتا تھا تو اس قدر اُسے پیروں کی جنبش پر قدرت حاصل تھی کہ جے گھنگرو کی وہ آواز چاہتا تنے ہی آواز دیتے بھاؤ بتانے میں بھی فرد تھا۔ جھاؤلال کے پُل پر لکھنؤ میں رہتا تھا۔ ظفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۲۳ ردیف ے تعداد ابیات ۱۱

بحر ہزج مُثمن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

خیالی نجد کے میدان کی ویران منزل ہے
کہیں کوسوں نہ مجنوں ہو نہ لیلیٰ ہے نہ محمل ہے

پڑی ہیں چتیاں خونِ جگر کا رنگ شامل ہے
اِلہ آباد کا امرود یا عُشاق کا دل ہے

گراں کیونکر نہ گزرے عاشقِ نادار و مفلس پر
خطِ رخسارِ جاناں حُسن کی دوکان کا بل ہے

غضب تھے یہ ہر برسوں خوں تھوکا جسکے عاشق نے
مسیحا ہو کے وہ الّو نہ یہ سمجھا اسے سِل ہے

عبث اے عاشقو فریاد بے ہنگام کرتے ہو
پولس پھانسی دلادے گی اگر معشوق قاتل ہے

دہن غائب کمر معدوم اُس پر حسن کا دعویٰ
حسیں ایسا اگر ہو تو عجائب گھر کے قابل ہے

حبابِ دوستاں در دل یہ ہے احباب میں جھگڑا
کوئی کہتا ہے باقی ہے کوئی کہتا ہے فاضل ہے

تمھارے نیم جاں کا دیکھیے کیا حشر ہوتا ہے
نہ یہ جینے کے لائق ہو نہ یہ مرنے کے قابل ہے

لگی ٹھوکر تو سارا عشق لیلےٰ دب گیا آخر
کہ نیچے قیس اوپر اونٹ ہے اور اُس پہ محمل ہے

بھُنکے جاتے ہیں عاشق شعلۂ رخسارِ جاناں سے
تمھیں انصاف سے کہہ دو یہ مرگھٹ ہے کہ محفل ہے

لگائے ٹائی کالر بزم میں بیٹھا ہے کرسی پر
ظریف اس عہد کا معشوق کتنا فیشن ایبل ہے

غزل نمبر ۱۲۷ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۷

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

دل لگی کا کچھ خدا کے گھر میں ساماں کیجئے
آج ہر مسجد تبسم سے گلستاں کیجئے

چڑھ کے گلدستہ کے اوپر قہقہا اک ماریئے
کیوں اذاں سے نیند لوگوں کی پریشاں کیجئے

ہو سکے تو بھیرویں میں صبح کی پڑھیئے نماز
راگنی کافر ہے اِسکو یوں مسلماں کیجئے

اک پیانو لے کے منبر کی جگہ رکھ دیجئے
اتفاقاً وعظ کا گر ساز و ساماں کیجئے

پہلے ہی سے جامِ مے محراب میں رکھا رہے
مفت میں کیوں انتظار ابر و باراں کیجئے

طائرانہ اک نظر اُس پر بھی ہونا چاہیئے
آپ اپنی رائے سے تفسیرِ قرآں کیجئے

آپکے نزدیک اب تک شاعری محدود ہے
توڑ دیجئے کُل حدوں کو اور میداں کیجئے

دورِ آزادی میں اس کو اتنی وسعت دیجئے
بَرِّ اعظم یا کم از کم اک بیاباں کیجئے

وہ بیاباں قیس جس میں گھومنے پھرنے نہ پائے
عاشقوں کو اس طرح پابندِ زنداں کیجئے

رنگ بدلے شاعری کا شرع بھی تبدیل ہو
شاعر اور مُلّا کو یوں دست و گریباں کیجئے

مُسکرادیں کان طرزِ نو کی سُنکر شاعری
کوششیں اس طرح کی جی بھر کے جی ہاں کیجئے

بے حجابانہ تبسم پاش ہو جائے کلام
فکرِ دوشیزہ کو یوں محفل میں عریاں کیجئے

طرح کے مصرع سے ظاہر ہو گیا ذوقِ سلیم
آپ جس پردے میں چاہے اُس کو پنہاں کیجئے

امتحاں ذوقِ سماعت کا ہے اِس پر منحصر
شاعروں کو انڈیا بھر کے غزل خواں کیجئے

رکھیے مہماں تین دن سب کو بُلا کر کانپور
پارٹی اور دعوتیں تا حدِ امکاں کیجئے

نزع کی حالت میں صورت مسخ ہو کر رہ نہ جائے
نیم جاں اُردو پہ اتنا آپ احساں کیجئے

تھی یہ فرمائش نئی اُس پہ ہنسی آئی ظریفؔ
آج ہر مسجد تبسم سے گلستاں کیجئے
(مصرع طرح)

نوٹ - ۲۵ کانپور میں ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوا تھا اور اُس میں مصرع طرح بانیانِ مشاعرہ کی طرف سے یہی تقسیم ہوا تھا۔ ظریف مرحوم نے اسی پر طبع آزمائی کی تھی مگر مشاعرے میں نہیں گئے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۲۵ — ردیف ے — تعداد ابیات ۹

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف

ارکان. فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

مجھ سے اُن سے صرف اتنی بات پر تکرار ہے
تیغ وہ کہتے ہیں میں کہتا ہوں یہ تلوار ہے

کال کا مارا ہوا اد قوق ہے بیمار ہے
اس سبب سے آپ کا عاشق نحیف و زار ہے

اِس طرف اصرار ہے اور اُس طرف انکار ہے
وصل میں ہر بات پر تکرار ہی تکرار ہے

وصل ناممکن ہے اب دونوں کو چھٹی ہو گئی
جمعہ ہے میرے یہاں اُنکے یہاں اتوار ہے

فرطِ غم سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا
اب عجائب گھر کے قابل آپ کا بیمار ہے

مختصر تعریفِ حسن و عشق ہے بس اس قدر
کچھ نہیں ہے شاعروں کے جھوٹ کا طومار ہے

کفش برداری سے اتنا فائدہ حاصل ہوا
اُن کے عاشق کے گلے میں جوتیوں کا ہار ہے

جس کی مٹھی میں رہے دُزدِ حنا ایسا حسین
نام کو معشوق ہے دراصل تھانیدار ہے

فاتحہ پڑھنے ظریف آئے گا وہ کیا قبر پر
یار چل سکتا نہیں اب اس قدر تیار ہے

غزل نمبر ۱۲۶ ردیف ے تعداد ابیات ۵۵

خوانِ تبسّم

شعرِ تمہید روانی طرح ہذا

بحر رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

کس قدر کی تاک دو دو قافیہ پیمائی نے
آ کے ہر شعر میں چھوتی ہے فقط ڈھائی نے

شہری عوام کی اُردو

بیٹھنے پر نہ بھری ہامی کسی دائی نے
اتنے کھٹمل کیئے پیدا تری چرپائی نے

چمپیرِ نشین اُردو

کیا نہیں ٹاک (Talk) کیا تم سے تھا کل آئی (I) نے
تم کو اس گت کو ہی پہونچایا فکت لائی (Lie) نے

اتنا چکّر دیا اِس کونڈرل (Scoundrel) اسکائی (Sky) نے
منہ نہ پاکٹ (Pocket) میں دکھایا مگر اک پائی (Pie) نے

اخباری اُردو

سنسنی خیز ہیں یہ بمبئی کے برقیات
جان لی باڈلے کی زلف کے سودائی نے

مُولویانہ اُردُو

حُسن والا تو بہ تحقیق نہیں تجھ سا کوئی
بیچ دل کے یہ کہا آپ کے شیدائی نے
بیچ ذہن اپنوں کے اس بات کو رکھو محفوظ
فاعلیت کی نشانی ہے میاں بھائی نے

اُردُوئے مُعَرَّب

قدِ خمّار بنا شکلِ محاریبِ بیوت
اعوجاج اتنا دکھایا اُسے انگڑائی نے

سُودیشی اُردُو

سمّلت[1] اپنی سبھا[2] میں نہ کیا کنت[3] اُن نے
لاکھ سمبید[4] نہ کی آپ کے شیدائی نے
مکھ[5] ابھپرائے[6] یہی تھا کہ سماچار[7] بتائیں
کنت اُتّر[8] نہ دیا مجھ کو کسو بھائی نے
اس سمے[9] تو تجھے بشواس[10] نہیں ہے مجھ پر
پرشن[11] کیول[12] یہ کیا اُن کی مسیحائی نے

حلِّ لُغاتِ ہندی

۱ شریک ۲ محفل ۳ مگر ۴ اتفاق رائے ۵ خاص ۶ مطلب ۷ خبر ۸ جواب ۹ وقت ۱۰ بھروسا ۱۱ سوال ۱۲ صرف۔ ضفی عفی عنہ

سیمابیِ اُردو و موسوی بہ اُردوئے لطیف

یورشِ غم سے کہا شورشِ سودائی نے
مضطرِ شوخیٔ جذبات کیا دائی نے
برق کو گھوم کے دیکھا جو تماشائی نے
بھونک دی جھوم کے برچھی قدِ رعنائی نے

زعمِ فطرت میں وہی شعلہ بنا برق بنا — کی جو ہنگامہ نوازی رخِ رعنائی نے
وہ کسی غنچۂ عریاں کی تبسّم پاشی — برقِ فطرت پہ نظر کی جو تمنّائی نے
نصف قطرے کو لہو کے گُلِ دِ گلزار کیا — موج خیز اثرِ سبزۂ مینائی نے
موج کے دوش پہ آسودۂ ساحل کی ہے لاش — سانس مستانہ جو لی بحر کی گہرائی نے
شبنمِ اشک چکاں صبح پر دبال کشا — دل کو گرمایا مگر آبلہ فرسائی نے
دل ہوا داغِ نظارۂ محفل یعنے — لبِ خاموش بنایا تری گویائی نے
گُلِ شبنم زدہ ہے ساغرِ سیمابی رنگ — خونِ پیمانہ کیا ریزشِ صہبائی نے

کہہ بھی سکتے تھے ظریف ایسی غزل سترنگی
بڑھ کے کرتی نہ اگر حوصلہ افزائی نے

فخریہ قطعہ

اب دورنگی غزل اک سنیئے حضورِ والا — مجھ کو مجبور کیا ہے مری یکتائی نے
ہے کسی شعر کے اندر تو پرانی تخئیل — نئی تخئیل کسی شعر میں ہے لائی نے

تخئیلِ قدیم

ہونٹ چاٹے نہیں کیا کیا لبِ گویائی نے — شب کو حلوا جو کھلایا کسی حلوائی نے

تخئیلِ جدید

نوش کو نیش کیا یار کی گویائی نے — نِے نِے کرتا رہا لکنت نے جو دُھرائی نے

تخئیلِ قدیم

تن کے جوبن جو نکالا تری انگڑائی نے
کرلی نیچی نظر آخر کو تماشائی نے

تخئیلِ جدید

دانہ ڈالا جو ذرا چشمِ تماشائی نے
پر پرواز نکالے تری انگڑائی نے

تخئیلِ قدیم

پائجاموں میں ہی گلبدنوں کے برسوں
لال نیفے سے ترش کر ہے ابھی آئی نے

تخئیلِ جدید

بیت میں اِک صفِ مژگاں کی بنا کر جھاڑو
مثل بڑھیوں کے دیا کرتی ہے تھرائی نے

تخئیلِ قدیم

کھوند کھوند اس قدر اس جاڑے کے اندھینی
تنگ اُسے میں نے کیا اور مجھے مرزائی نے

تخئیلِ جدید

ہاتھ کو ہاتھ نہیں اب تو سجھائی دیتا
پردہ آنکھوں پہ یہ ڈالا شبِ تنہائی نے

تخئیل قدیم

سبزۂ چاہِ ذقن دیکھ کے لہلوٹے ہے دل   پانوٗں پھسلا کے تو چوپٹ کیا اس کائی نے

تخئیل جدید

دلِ وارفتہ نہ آنا تھا نہ آیا تجھے ہوش   رات بھر گو کہ جھنجھوڑا غمِ تنہائی نے

تخئیل قدیم

اسقدر بھنگ یہ مرچ و شکر گھونٹ کے پی   گرو مہراج کو ٹھنڈا کیا ٹھنڈائی نے

اپنے ہی رنگ میں پڑھتے نہیں کیوں شعر ظریف
منع کیا کر دیا ہے طبع کی کجرائی نے ؟

پا بہ گِل آہ کیا چاہ کی گہرائی نے   لی خبر بھائی نے یوسف کی نہ بھوجائی نے
کوئی پیسہ نہ دیا ایک تماشائی نے   سیکڑوں کھائیں قلا بازیاں سودائی نے
تیرے دروازے کی چوکھٹ میں گڑھے ڈالدیے   ہم سے دیوانوں کی ہر وقت جبیں سائی نے
وہ سمجھتے ہیں کہ گھٹوا کے بنے آئینہ رو   میں سمجھتا ہوں انھیں مونڈلیا نائی نے
جانِ عشاق کا تو خطرہ ہے اے نیم حکیم   مار ڈالا ترے اندازِ مسیحائی نے
وہ ترا چہرۂ رنگیں وہ ترا حسنِ صبیح   چائے کا لطف دو بالا کیا بالائی نے
تیرِ مژگاں سے بچانے کیلئے قلب و جگر   کہہ دو عشاق سے باندھا کریں چار آئینے
مرکزِ کوہِ الم دل کا سیہ نقطہ ہے   بوجھ پربت کا سنبھالا ہے اسی رائی نے
وکلا جانتے ہیں خوب کہ دلالوں کا   دل بڑھایا ہے فقط فیس کی چوتھائی نے

دم نکل جائے گا فیشن کا جو یہ حال رہا
بڑھ کے کالر کا گلا گھونٹ دیا ٹائی نے

کربلا تال کٹوڑے کی دکھا دی آخر
جوشِ وحشت میں مری بادیہ پیمائی نے

ناچ ارمانوں کا ہوتا تو کہاں پر ہوتا
خانۂ دل میں جگہ پائی نہ انگنائی نے

چاکِ دامن کا سبب شرم سے بتلا نہ سکے
پوچھا جب حضرتِ یوسف کے بڑے بھائی نے

پوربی راگ کا بھی رنگ نہ جمنے پایا
سرِ بازار کیا جاڑے میں پُروائی نے

فصلِ سرما میں گویّوں کی ہوئی کانفرنس
ٹانگ پکڑی فنِ موسیقی کی جب بائی[لہ] نے

یہ نکیرین سے مردے کی خموشی نے کہا
ناطقہ بند کیا قبر کی تنہائی نے

اپنے عشاق سے بیکار برا جانے کی
کھینچی تصویرِ مکمل تری انگڑائی نے

تجھ کو اے جانِ جہاں رشکِ مسیحا کا خطاب
مرے نزدیک دیا ہے کسی عیسائی نے

تیرے عاشق کے زچہ خانے میں آئی تھی وہی
قیس و فرہاد کو جنوایا تھا جس دائی نے

قافیہ تنگ کیے دیتی ہے بے طرح ظریف
بزمِ سالانہ میں کس طرح سے گھس آئی نے

نوٹ لہ جو طوائف گانے میں اُستاد ہوتی ہے۔ بائی جی کہلاتی ہے۔ صفی عفی عنہ

غزل نمبر ۱۲۷ — ردیف ے — تعداد ابیات ۱۲

غزل تقلید جنابِ لطف بصنعت معنی بند

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف
ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

بہارِ قلزمِ ذخار سنگِ آستاں سمجھے
سویدائے رگِ جاں کو چہ ریگِ رواں سمجھے

جسے کہتے ہیں گردوں ہم اُسی کو آسماں سمجھے
لقب ہے چاہ جس کا دل میں ہم اُس کو کنواں سمجھے
سمندِ ناقۂ صالح بنا گوشِ زلیخا کی
دلِ مجنوں برنگِ قیس آوازِ مکاں سمجھے
قبائے منتقل ریشِ خساں مضراب نغمہ ہے
روانی برگِ گل میں صورتِ راحت رساں سمجھے
سدا ہم ناقۂ لیلےٰ کو سمجھے اونٹ کا بچہ
سگِ جاناں کو ہم کُتّے کا پلّا بے گماں سمجھے
زمین قندِ لبِ جاناں اگر شکرّ دہاں ہوتے
سُنخہائے عذد بت ریز کو اہلِ زباں سمجھے
سریرِ بحرِ امکاں ماہیِ ریگِ نیستاں ہو
سمندِ زورقِ سالوس جامِ کہکشاں سمجھے
زباں کا فرق ہے لیکن ہیں معنی ایک ہی اُس کے
بلے من خوب فہمیدم ہم اچھّی طرح ہاں سمجھے
مقاماتِ منازل تکیہ گاہِ رددۂ ہستی
عروجِ عرش کو افلاک تادیب جہاں سمجھے
رحیل وراحلہ مشکوک و منظوم شماتت ہے
تلوحت ارتفاع عرش کی سب لامکاں سمجھے
فراقِ دیدۂ و دانستہ بیدادِ مسلسل ہے
جوابِ نامۂ وحشت اثر کو پاسباں سمجھے

ظریف الفاظ با معنی کا مجموعہ ہو بے معنی
تو اُن شعروں کو شاید لُطف ہی سا قدر داں سمجھے

نوٹ۔ جناب لطف جن کی تقلید میں یہ غزل کہی گئی ہے۔ اُنھیں کی شان میں ایک قطعہ اور اُن کے اشعار کی تخمیس دیوانچی کے حصّہ دوم میں درج ہے۔ صفی عفی عنہٗ

دیوانِ ظریف

حصہ دوم

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصۂ دوم)

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصہ دوم)

نمبر شمار	صنف سخن	صراحت قافیہ و ردیف وغیرہ	صفحات	تعداد اشعار	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶
	ناتمام غزلیں				
	ردیف نون	(۱) قافیہ و ردیف گناہگار نہیں	۱۵۵	۱	
	"	(۲) " ستا رہے ہیں	۱۵۵	۲	
	"	(۳) " مقدر ہیں	۱۵۵	۱	
	"	(۴) " کرن پھول جسکو کہتے ہیں	۱۵۵	۱	
				میزان	۵
	ردیف یائے معروف	(۱) " میاں رکھدی	۱۵۶	۱	
	"	(۲) " بیکسی میری	۱۵۶	۱	
	"	(۳) " ہجراں کوئی	۱۵۶	۴	
				میزان	۶
	ردیف یائے مجہول	(۱) " پرانا ہے	۱۵۶	۲	
	"	(۲) " سلجھانیکو کیا کہیئے	۱۵۶	۱	
	"	(۳) " دانے کے	۱۵۷	۶	
	"	(۴) " جناب مجھے	۱۵۷	۳	
	"	(۵) " مقابل دیکھنے والے	۱۵۷	۲	

فہرست اشعار متفرقہ دیوانجی (حصہ دوم)

نمبر شمار	صنف سخن	صراحت قافیہ وردیف وغیرہ	صفحات	تعداد اشعار	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶
۱	ناتمام غزلیں	(۶) قافیہ وردیف الاماں ہے	۱۵۷	۳	
	"	(۷) " اگر ہوئی ہے	۱۵۷	۲	
	"	(۸) " ختن ہیں رہے	۱۵۷	۲	
	"	(۹) " ستمگر کیلئے	۱۵۸	۲	
	"	(۱۰) " باغباں بھی ہے	۱۵۸	۱	
	"	(۱۱) " گولی ہے	۱۵۸	۱	
		میزان			۲۵
۲	سلام	(۱) " پیماں ہوگیا	۱۵۸	۵	
	"	(۲) " پیر نے	۱۵۹	۵	
		میزان			۱۰
۳	سہرے	(۱) " پکارا سہرا	۱۵۹	۷	
	"	(۲) " اختر سہرا	۱۶۰	۵	۱۲
۴	تاریخیں بترتیب سنوات	(۱) " آغا کہیں جسے	۱۶۰		
		(۲) " استادی	۱۶۰	۳	

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصۂ دوم)

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصۂ دوم)

نمبر شمار	صنف سخن	صراحت قافیہ و ردیف وغیرہ	صفحات	تعداد اشعار	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶
	رباعیات	(۹) قافیہ و ردیف اظہار کیجئے	۱۶۴	۲	
	"	(۱۰) " پاتا ہے	۱۶۴	۲	
	"	(۱۱) " غنچا دے	۱۶۵	۲	
				میزان	۲۲
۶	تخمیس سنجیدہ	(۱) " تنہا کوئی دن اور	۱۶۵	۱۰ بند	
	"	(۲) " بتاؤ تم	۱۶۷	یک بند	
	مزاحیہ مع قطعہ تمہیدی	(۳) " زباں سمجھے	۱۶۷	۵ بند ۳ شعر	
	تخمیس مزاحیہ	(۴) " دیکھا مجھے	۱۶۸	یک بند	
	تخمیس مزاحیہ مصرع طرح پر	(۵) " جگر کرنیوالے	۱۶۸	۱۱ بند	
				میزان	۷۳
۷	تضمین قطعہ بند	(۱) " خدا را	۱۷۰	۲۳	
	"	(۲) " نشاں کوئی نہو	۱۷۱	۲۲½	
				میزان	۴۵½
۸	تضمین بلا قید	(۱) " تقصیرات ما	۱۷۳	۴	
		(۲) " موبمو گوید	۱۷۳/۱۷۴	۱۰	

فہرست اشعار متفرقۂ دیوانجی (حصۂ دُوم)

نمبر شمار	صنفِ سخن	صراحت ردیف و قافیہ وغیرہ	صفحات	تعداد اشعار	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶
۸	تضمین بلاقید	(۳) قافیہ در ردیف استخواں ۔ سُوزد	۱۷۴	۷	
	〃	(۴) 〃 مینا اُسی کا ہے	۱۷۴ / ۱۷۵	۷½ ۴ بند	
				میزان	۲۸½
۹	قطعات	(۱) 〃 اگر ہوتا	۱۷۵	۲	
	〃	(۲) 〃 چڑھا آیا	۱۷۵	۳	
	〃	(۳) 〃 گھٹا ہوگیا	۱۷۶	۶	
	〃	(۴) 〃 مہرباں غائب	۱۷۶	۲	
	〃	(۵) 〃 عالیجناب	۱۷۶	۵	
	〃	(۶) 〃 اے دانش	۱۷۷	۱۳	
	〃	(۷) 〃 سبق	۱۷۸	۵	
	〃	(۸) 〃 مستحکم	۱۷۸	۷	
	〃	(۹) 〃 بہم	۱۷۹	۲	
	〃	(۱۰) 〃 ہوش نہیں	۱۷۹	۵	
	〃	(۱۱) 〃 خال	۱۸۰	۲۳	

فہرست اشعار متفرقہ دیوانجی (حصہ دوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصۂ دوم

ناتمام غزلیں

نوٹ: مختلف اصناف سخن کے ایسے ہم طرح اشعار جن کی تعداد نو سے کم ہے اُن کے اوزان عروضی درج نہیں کیے گئے۔
صفی عفی عنہ

ردیف الف

تعداد ابیات ۲۰

ازل میں عشق کے سبجکٹ پر تھا امتحاں میرا
وہی پرچہ چرا کے لے گئے مجنوں میاں میرا

دیگر

مر کے ٹھنڈے ہو چکے تھے کس میں تنا جوش تھا
کون کرتا حشر میں فریاد کس کو ہوش تھا

باتیں کرتا تھا اشاروں سے مگر خاموش تھا
آپ کے عاشق کو پاگل پن میں اتنا ہوش تھا

ڈھانکے رکھا آپکی اُلفت کو ایسے حسن سے
کاسۂ سر عاشقوں کے قلب کا سرپوش تھا

دیگر

اک اُلجھن ہے مری جانے بلا کیا
تمھاری زلف کیسی اور رسا کیا

تمھارے طاق ابرو پر چڑھا دل
مرا دل بھی ہے کوئی گلگلا کیا

اُسے جب ہجر کا دُکھڑا سنایا ہنسا پہلے تو پھر کہنے لگا کیا؟

دیگر

جب آپ کے لبِ شیریں کا لے لیا بوسہ تو میں خرید کے کٹڑے کی راب کیا کرتا
نہیں کلرک نہ دیوانجی بتائیے تو بروزِ حشر حساب و کتاب کیا کرتا
حسین میونسپلٹی کے کینڈیڈیٹ نہ تھے میں ووٹ دے کے اُنھیں انتخاب کیا کرتا
ستایا مُردے کو منکر نکیر نے ناحق بنی تھی دم پہ سوال و جواب کیا کرتا
چڑھی ہو بھنگ جسے اُنکے سبزۂ خط کی وہ فاقہ مستی میں پی کر شراب کیا کرتا
کیا بُڑھوتی میں بیٹھے بٹھائے مُنہ کالا اب اور کہیئے تو رنگِ خضاب کیا کرتا

دیگر

مدفن وہیں ہے کُشتۂ ابروئے یار کا پتا لگا ہوا ہے جہاں گھیکوار کا

دیگر

اس طرح میں یاروں کی بولی کا رنگ ہے سب مل کے غُل مچاتے ہیں رشب کو ہُوا ہُوا
بولے گا اُنکے لال لنگوٹی کی جے' ضرور آیا ہے دُور سے جو زمیں ناپتا ہوا
بچّوں کو حام سام کے اور سام حام کے یا فِٹ سے پُوچھ لو کہ حقیقی چچا ہوا
اُس بُت سے کل یہ پوچھ رہا تھا مجسٹریٹ دل جانتا ہے تم کہ مجھیں کیوں مزا ہوا
دربان کو دیکھیئے گا کہ بل ڈاگ کی طرح در پر کسی کے بیٹھا ہے کیسا ڈٹا ہوا
کثرت سے قافیوں کی یہ حالت ہے اب ظریفؔ
گویا کہ ہے دماغ ٹکٹ گھر بنا ہوا

ردیف دال

تعداد ابیات ۲

گریم زدست ہجر کزاں ملتم کہ ہیچ کارش بغیر گریۂ و آہ و فغاں نبود

دیگر

ہر کہ از چشم تو انداخت مرا بے تقصیر — چشم بد بیں بہ ہمیں درد گرفتار شود

ردیف رائے مہملہ — تعداد ابیات ۳

سُوجی ہوئی ہیں ڈاڑھیں دو چار منہ کے اندر — ہے قدرتِ خدا سے کہسار منہ کے اندر
تعطیل میں نہ روزہ رکھا او بُتِ فرنگی — تو نے کیا مقرر اتوار منہ کے اندر
مجلس میں جب گیا میں تو چوڑ ّنکے ڈر سے — رکھّی چھپا کے میں نے پیزار منہ کے اندر

ردیف میم — تعداد ابیات ۱

نمی دانم گناہم چیست کز من سرگران دای — سرت گردم قصورے در دفائے خود نمی بینم

ردیف نون — تعداد ابیات ۵

گیا جو حشر میں لرزاں تو یہ ہوئی تشخیص — ملیریا ہے اسے پر گناہگار نہیں

دیگر

فراق کو اک زمانہ گزرا مگر ابھی تک ستا رہی ہیں — کہ جیسے عاشق تو سو رہا ہو وہ آکے اسکو جگا رہی ہیں
لباس بالکل ہی سادہ سادہ کہ جیسے زاہد کی کوئی دادہ — کئے ہیں تلقین کا ارادہ جو اسکا شانہ ہلا رہی ہیں

دیگر

گھر کی آب بد گوہر نہیں تیرے مقدّر میں — لگائے لاکھ گھونگھا بن کے تو غوطے سمندر میں

دیگر

کان میں تیل ڈالنے کی ہے قیف — سب کرن پھول جس کو کہتے ہیں

ردیف ہائے معروف — تعداد ابیات ۶

نکل جائے گا دم کے ساتھ فوراً عشقِ بی لیلےٰ
جو تپر لات ناقے نے کہیں مجنوں میاں رکھ دی

دیگر

مصیبت میں کبھی کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
مجھے یہ درسِ عبرت دے رہی ہے بیکسی میری

دیگر

ہاتھ میں لیکے کبھی زلفِ گرہ گیر کا گز
کر دے پیمائشِ طولِ شبِ ہجراں کوئی
ایسے معشوق کو انگریزی میں پھانسی دیدیں
کسی عاشق کی جو ہو جان کا خواہاں کوئی
جس میں دل جاکے پلٹتا ہی نہیں عاشق کا
آپکی زلف ہے کیا بھول بھلیاں کوئی
خواب میں اُنکے تصور میں یہ بڑاتا ہوں
آج کی رات مرے گھر میں ہے مہماں کوئی

ردیف ہائے مجہول — تعداد ابیات ۲۵

اِس عہدِ ترقی میں عاشق جو پُرانا ہے
فرہاد کا دادا ہے یا قیس کا نانا ہے
یہ طرح ہے وہ چھکڑا کٹ جائے دُھرا جکا
ہم ایسے دبیلوں سے دشوار ہکانا ہے

دیگر

لنڈورا کر دیا جس شوخ کو فیشن پرستی نے
اب اُس سے آجکل زلفوں کے سلجھانے کو کیا کہیے

مُرغ آزاد اور قیدِ قفس
سب کرشمے ہیں آب و دانے کے
جتنے معشوق تھے ستم ایجاد
انسپکٹر وہ اب ہیں تھانے کے
دلنگی میں جو رو دیے دیتے ہوں
ہم نہیں اُنسے دل لگانے کے

دل کو تاکا اُڑائے ہوش و حواس
واہ قُربان اِس نشانے کے
بند مُٹھّی میں کر کے دُزدِ حِنا
بَن گئے تھانیدار تھانے کے
موت کا وقت ہے قریب ظریف
گئے دِن ہنسنے اور ہنسانے کے

دیگر

یہ دیکھنا ہے کہ اس شامِ غم کی صبح بھی ہے
مُنڈا کے زُلف دکھا دیجئے جناب مجھے
حضور آپ یہ میں جان دے نہیں سکتا
خطا مُعاف ہو کیجئے نہ انتخاب مجھے
یہ صاف کہتی ہے شیرینیٔ لبِ دلدار
بنا کے دیکھو تو اِک دن شکر سے راب مجھے

دیگر

نہ کرنا آج سے دعوائے یکتائی جو غیرت ہے
ارے او آئنہ رکھ کر مقابل دیکھنے والے
بہت ناچا مگر گھنگرو نہ بولا مرنے والے کا
کمالِ فن تو دیکھ اے رقصِ بسمل دیکھنے والے

دیگر

بے مارکی ہے تو یہ اک شورِ الاماں ہے
لِلّٰہ یہ بتا دو معشوق ہی کہاں ہے
صاحب ہے اور لیڈی موٹر ہے اور شوفر
لیلیٰ ہے اب نہ مجنوں ناقہ نہ سارباں ہے
سایہ ہے پنڈلیوں تک پتلون تا بہ زانو
پردہ جو اور اُٹھا ہر چیز پھر عیاں ہے

دیگر

کسی مسلماں کے دل میں فکرِ شرابخواری اگر ہوئی ہو
تو ہجرِ ساقی میں نیند شب بھر حرام جیسے سُو ہوئی ہے
یہ ہم نے دیکھا کہ نرگس چشمِ یار بیمار ہی رہا کی
یقیں اب ہو گیا کہ بے شبہ شاعروں کی نظر ہوئی ہے

دیگر

یہ جھوٹ ہے کہ بدخشاں میں اور ختن میں رہے
نہ نکلے گھر سے کبھی اپنے ہی وطن میں رہے

مُرنے سے خانۂ غسّال دگور کفن میں رہے
نہ ہم لحد میں رہے اور نہ ہم کفن میں رہے

دیگر

کب مناسب تھا یہ اُس شوخ ستمگر کے لیئے
بلّیاں پالتا ہے میرے کبوتر کے لیئے
ایسے جھنجٹ پہ رُخِ یار کا بوسہ جو لیا
اہلِ ہمّت نے قدم دوڑ کے مچھّر کے لیئے

دیگر

صیّاد بھی وہی ہے وہی باغباں بھی ہے
جس کو چنیں سمجھتے تھے ہم وہ چناں بھی ہے

دیگر

جو بازؤں میں سخت ہو کسی شکاری کے
کڑی غلیل کا غُلّہ بھی ٹھنڈی گولی ہے

سلام ۲

ردیف الف — تعداد ابیات ۵

تیغ نورِ حق سے جو ناری کہ بیجاں ہو گیا
وادیٔ برہوت میں غولِ بیاباں ہو گیا
دے گئے جب چار بیٹے باری باری چار داغ
ازرقِ شامی کے سینے میں چراغاں ہو گیا
کسقدر نا اہلِ فنِ جنگ تھی فوج یزید
گوشہ گوشہ اُن کا بازی گاہِ طفلاں ہو گیا
حُر کے ڈر سے چھپ گیا جا در میں ابنِ سعد جب
شمر چلّایا ارے تو تو مری ماں ہو گیا
لے گیا تھا پانچ بیتیں ہم سے جو رضواں ظریفؔ
وہ سلام اپنا درِ جنت پہ چسپاں ہو گیا

نوٹ - یہ سالمہ خان بہادر نواب حامد علیخاں عرف بابو صاحب کے مکان پر ۲۴ صفر ۱۳۴۴ھ
مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء بروز دوشنبہ ہوا تھا۔ عفی عنہ

ردیف ے　　دیگر　　تعداد ابیات ۵

منہ پھرایا جنگ سے ہر اک جوان دلیر نے
فوج کیں کے دانت کھٹے کر دیئے شبیر نے

بھاگنے کے بعد پھر آتی تھی فوجِ شام و روم
کیا چکر گھنی کھلائی گردشِ تقدیر نے

ذوالفقارِ شاہِ دیں کی کج ادائی قہر تھی
تھے جو ٹیڑھے اون کو سیدھا کر دیا شمشیر نے

کربلا میں آ گیا تجکو چھٹی کا دودھ یاد
یہ کہا بھائی سے ابنِ سعد کی ہمشیر نے

پاکدامن ہو کے نکلے بزمِ ماتم سے ظریف
دامن آلودہ کیا جسے کی ٹیڑھی کھیر نے

نوٹ۔ پہلے سلام کے ساتھ یہ سلام بھی دہیں پڑھا گیا تھا کیونکہ دو طرحیں مقرر ہوئی تھیں۔

صفی عفی عنہ

ردیف الف　　سہرے ۹۳　　تعداد ابیات ۷

چڑھ کے شملے کی یہ چوٹی سے پکارا سہرا
لاٹ صاحب سے بھی بڑھ چڑھ کے ہو پیارا سہرا

شعلۂ حسن کا تھا ایک شرارا سہرا
رُخ نوشاہ ترے عرش کا نارا سہرا

بل کے مالی سے منجّم نے سنوارا سہرا
سر نوشاہ پہ ہے عرش کا تارا سہرا

گرمیِ حسن سے پہونچا جو سر نوشہ پر
تھرمامیٹر کا مقیّمہ کے ہے پارا سہرا

خطِ نوشاہ کی سبزی کو نہ چر جائے کہیں
ہے اگر حسن کے جنگل کا چکارا سہرا

ایک محفل کو مسرّت کا تماشا دکھلائے
واقعی بھان متی کا ہے پٹارا سہرا

دانت کھٹّے ہوئے شیریں سخنوں کے دم فکر
ہے جو تاثیر میں املی کا کتارا سہرا

ردیف الف | دیگر | تعداد ابیات ۵

ہے ضیائے مہ و خورشید کا ہمسر سہرا
جگمگاتا ہوا باندھے ہیں جو اختر سہرا

صاف کہتا ہے یہ نوشاہ کے منہ پر سہرا
پوچھتے کیا ہوا مرا نام ہے مسٹر سہرا

سب کے پہلے تو سکھاتا ہے یہی ترم وحیا
کیوں نہ ہو عقد کے اسکول کا ٹیچر سہرا

بڑھ کے پہونچا سر نوشاہ کے زانو کے قریب
حدِّ قانون سے ہو جائے نہ باہر سہرا

نظم کرنے میں تناسب کا رہے دھیان ظریف
مختصر ہو قدِ نوشہ کے برابر سہرا

نوٹ ۔ چودھری اختر حسینؒ صاحب ایڈوکیٹ مسٹر سلیمان صاحب مرحوم کے خویش کی شادی میں ظریف صاحب نے الہ آباد میں کہا تھا۔ تصفی عفی عنہٗ

۵۔ تاریخیں بترتیب سنوات

تاریخ ولادت | تعداد ابیات ۱

تاریخ لکھ دو ایک الف کھونس کر ظریف
مولود بوم زادہ ہے آغا کہیں جسے

۱۳۲۶+۱=
۱۳۲۷ھ = ۱۹۰۹ء

تاریخ خطاب خان بہادری | تعداد ابیات ۳

ہے قول یہ ساربانِ سالِ نو کا
مشاقی ہے اسمیں نہ کوئی اُستادی

اک لفظ میں مادّہ پتہ دونوں ہیں　　تاریخ ہے صاف صاف سیدھی سادی
اس خان بہادری کی محمل کے لیے
اِمسال ہے موزوں. شتر بغدادی
۲۱ ۱۹ء ۳۹ ۱۳ھ

تاریخ وفات　　تعداد ابیات ۲

ماہِ نو دیکھا تھا کس ساعت سے واہ　　باپ کے مرنے سے ہے عالم سیاہ
اوّلِ ماہِ رجب وقتِ سحر
بن چکا کاظم علی کا مدفن آہ
۱۳۴۸ھ

تاریخ وفات　　تعداد ابیات ۲

شدہ دفن آن بزرگِ خاندانی　　یکم ماہِ رجب وقت سحر حیف
سن فصلی رقم کردم صد افسوس
پدر مردہ پسر شد بے پدر حیف
۱۳۳۷ ف

تاریخ وفات　　تعداد ابیات ۲

نکلا فلک پر چاند اور یاں نزع کا تھا عالم　　ہونے کو تھی جُدائی اُس وقت جسم و جاں سے
بہر سن مسیحی گم ہیں حواس پانچوں
اُٹھے ہیں آج مرزا کاظم علی جہاں سے
۱۹۲۹ ۱۹۳۴ ۵

تاریخ ناول شوکت آرا بیگم

تعداد ابیات ٦

تعلیم سے عزت ہوتی ہے عورت کی شہرت ہوتی ہے
ان بڈھوں نے تعلیم کو کیوں بدنام کیا

ہر باہر والوں میں جھگڑا مرد اچھا یا عورت اچھی
اک پردہ نشین عورت نے جلوہ اپنا یاں تک عام کیا

پڑھ لکھ کے اک ناول لکھا احسان کیا کیا اردو پر
پردے میں جو تھے جوہر نہاں خود انکو طشت از بام کیا

جی ہاں یہ زباں ٹکسالی ہے کیا اچھی لکھنے والی ہے
خود اہلِ زباں بھی ہوئے شیدا وہ چپکے چپکے کام کیا

یوں چار برس تک محنت کی سب صرف دماغی قوت کی
راتوں کو جاگی محنت کی شب بھر نہ کبھی آرام کیا

چرچا ہے سب اغیاروں میں شہرہ ہے کل اخباروں میں
کیا شوکت آرا بیگم نے پردے میں پیدا نام کیا

١٣٤٦ھ = ١٩٢٨ء

تاریخ کامیابی سہیل

تعداد ابیات ٧

والیِ بھوپال سا اک قدرداں مردم شناس
جائے دورے پر اور اسکے کیمپ افسر ہوں سہیل

ہر جگہ منزل پہ پھر سامانِ راحت کیوں نہ ہو
اس سفر میں میر ساماں جب مقرر ہوں سہیل

دیکھتا ہو ہر کس و ناکس کو جو اک آنکھ سے
خدمتِ شاہی میں ثابت اس سے بہتر ہوں سہیل

شادماں ہوں دوست اور دشمن رہیں بے آبرو
بحرِ اقبال و ترقی میں شناور ہوں سہیل

ختم دورہ ہو گیا خوبی سے شکر اللہ کا
یا الٰہی عافیت سے اپنے گھر پر ہوں سہیل

کیوں دعا بیاختہ نکلے نہ دل سے اے ظریف
موردِ الطافِ شاہانہ مکرر ہوں سہیل

امتحاناً دو مہینے کو ہوئے قائم مقام
جلد یارب مستقل رونیو کمشنر ہوں سہیل

١٩٢٨ء = ١٣٤٧ھ

نوٹ - مولوی شکر اللہ صاحب سہیلؔ ملازم ریاست بھوپال ظریفؔ صاحب مرحوم کے دوست تھے،
صفیؔ عفی عنہ

تاریخ اشاعت رسالہ کیمیا تعداد ابیات ۱½

یہ تصنیف اک نسخہ کیمیا ہے پڑھیں ٹھنڈے دل سے مسلمان اِسکو
اُسی میں صد افسوس یہ تفرقا ہے وہ اسلام جس نے اخوّت سکھائی

مساواتِ اسلام راحت فزا ہے
۱۳۵۲ھ - ۱۹۳۳ء

نوٹ - سید جالبؔ اڈیٹر ہمدم کے صاحبزادے نے ایک رسالہ کیمیا شایع کیا تھا اُسی کی یہ تاریخ ہے۔ صفیؔ عفی عنہ،

رُباعیات ۵

ہرتال سے بڑھ کے ہو اگر پیلا شعر
تاثیر سے کردے گا بدن نیلا شعر
شاعر کا دہن ہے سنکھیا کا معدن
اکثر نکلے گا اُس سے زہریلا شعر

دیگر

جس وقت سُنا جبھی نہ کیوں کسیلا شعر
تاثیر سے جسم کر گیا نیلا شعر
شاعر کا دہن سانپ کی بانبی تھا جناب
فوں کر کے نکل آیا تھا زہریلا شعر

دیگر

اک ہدیۂ ناچیز عقیدت کا ثمر
ہے پیش کش خدمتِ اربابِ نظر
اسوجہ سے ہے قبول ہونے کی امید
بُرمن منگر بر کرمِ خویش نگر

دیگر

کتنی مہریں لگی ہیں گن کر دیکھیں
حضّار بد اعمالی کا محضر دیکھیں
سَرقہ بھی کیا تو چادرِ زہرا کا
اُستاد خدا کرے بڑا گھر دیکھیں

دیگر

ملتی تو کہیں بھلا چھُپائے چھُپتی
ہر دیکھنے والے کی نظر میں کھُپتی
بالفعل وہ زیب طاقِ نسیاں ہے ظریفؔ
معطی نے عطا کی تھی جو تم کو پُستی

دیگر

کیا کیا نظروں میں سب کی کھُپتی ہو گی
اُس روز کہیں چھپائے چھُپتی ہوگی
طاقِ نسیاں سے ہم اُٹھالیں گے ظریفؔ
روزِ محشر بغل میں پُستی ہوگی

دیگر

احباب مذاق میں ستاتے ہیں مجھے
اسٹیج پہ شاعری کے لاتے ہیں مجھے
گویا شعرا کی ہوں کمیٹی کا فلم
میرٹھ کے تھیٹر میں دکھاتے ہیں مجھے

دیگر

گاندھی کی تمنّا ہے کہ سوراج ملے
کل کا ملتا ہوا ہمیں آج ملے
کچھ قوم کے آخنتوں کی یہ خواہش ہے
ہم کو خاں صاحبی کی معراج ملے

دیگر

بنتا ہی نہیں بغیر اظہار کیئے
آقا بھائی نے خوب ہی وار کیئے
پڑھ دی جو قرا بینِ نماذن سے غزل
ہر شعر نے بزم میں دُھویں پار کیئے

دیگر

بے دست سوال کوئی کب پاتا ہے
سائل کو سوال کون سکھلاتا ہے

یہ دستِ عطا کے سب کرشمے ہیں ظریف الزام خود اغنیا کے سر آتا ہے

دیگر

دشمن نہ ترا کبھی تجھے غچّا دے اللہ سخاوت کا صلہ سچّا دے
ہر طرح سے ہم ترے دُعا گو ہیں حکیم انڈے بانٹے خدا تجھے بچّا دے

نوٹ۔ حکیم مُنّے آغا صاحب فاضلؔ ظریفؔ مرحوم کے دوست نے اپنے یہاں ایک مجلس میں انڈے تقسیم کئے تھے اُسی کے متعلق یہ رباعی ہے۔ صفیؔ عفی عنہ

۵۶ تخمیس سنجیدہ

۱۰ بند = ۲۵ شعر

بحر ہزج مُسدّس اخرب مکفوف مقصور یا محذوف ارکان۔ مفعولُ مفاعیلُ مفاعیل یا فعولن

فرقت کا سہو تم ابھی صدما کوئی دن اور ملنے کی رہے دل میں تمنا کوئی دن اور
مجبور ہوں میں آ نہیں سکتا کوئی دن اور لازم ہے کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

کچھ دن کا ہوں مہمان زیادہ نہیں رہنا اِس غم کو سہے کون کہ جو ہے مرا حصا
قسمت کا لکھا میرے مٹانے سے مٹے کیا مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

حالت جو مرے دل کی ہے کسطرح دکھاؤں کچھ دیر جو ٹھہرو تو غم ہجر سناؤں
روٹھے ہوئے کو اپنے یہی کہہ کے مناؤں آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

سب جانتے ہیں تم ہوئے وعدے کے سچّے ہم کو بھی بہت یاد ہیں اسطرح کے فقرے
یہ بھی کوئی وعدہ ہے کہ تسکین ہو جس سے جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے

کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

آرامِ دلِ غمزدگاں تھا ابھی عارف　　اور میرے لئے تاب و تواں تھا ابھی عارف
مرجانے کے قابل ہی کہاں تھا ابھی عارف　　ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

ہم ٹاپتے پھرتے ہیں اِدھر کے نہ اُدھر کے　　تم نے تو اک اندھیر بپا کر دیا مَر کے
اے روشنیِ چشم، مرے نورِ نظر کے　　تم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

ہاں یہ کہو مشتاق تھے خود کنجِ لحد کے　　طالب نہ ہوئے اس سے اطبّا کی مدد کے
برداشت وہ کر لیتے ہیں جھگڑے جو ہوں حد کے　　تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

خوش خلق تھے تم زیب نہ تھی یہ کج ادائی　　جب چاہتے کر لیتے اعزہ سے صفائی
اے میرے جوانمرد یہ کیا دل میں سمائی　　مجھ سے تمھیں نفرت سہی نیّر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

خوش رو جو تھے ہر وضع تھی خوش اور ادا خوش　　خوش رہنے کی کیا شکل تھی جب دل ہی تھا خوش
بحث اس سے نہیں مجھ کو کہ ناخوش رہے یا خوش　　گذری نہ بہر حال یہ مدّت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گذارا کوئی دن اور

جب روح نکل جائے تو بیکار رہے قالب　　ہیں اور ہی جینے کے معانیؔ و مطالب
ملتی ہے کہیں موت جو ہو مرگ کا طالب　　ناداں ہو جو یہ کہتے ہو کیوں جیتا ہے غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنّا کوئی دن اور

۵۶ تخمیس سخید

ایک بند

کبھی قدر اہل کمال کی ہوئی زندگی میں بتاؤ تم
مری قوم مردہ پسند کو یہ پیام شاد سناؤ تم
پئے فاتحہ کبھی بھولکر جو ادھر کہیں نکل آؤ تم
مری قبر پر اگر آؤ تم مری غفلتوں پہ نہ جاؤ تم
کہ وطن میں رہ کے ہوں بیوطن مرے ملک کا یہ رواج ہی

تخمیس مزاحیہ مع قطعہ مہندی

۵ بند ۳ شعر

کلام ایسا تو ہو جس کو ہر اک اہل زباں سمجھے
وہ کیا گر آپ ہی اپنے ہی منہ مٹھو میاں سمجھے
جناب لطف کے اشعار اس موقع پر یاد آئے
بلاغت اسقدر ہے کیا کوئی اسکا بیاں سمجھے
میں اُن اشعار چیدہ کو مخمس کر کے پڑھتا ہوں
اگر سمجھیں تو کہتے جائیں سب احباب ہاں سمجھے

مخمس

نہ دنیا میں نہ عقبیٰ میں نہ یاں سمجھے نہ واں سمجھے
نہ سر سمجھے نہ پا سمجھے نہ منہ سمجھے نہ کاں سمجھے
زمیں سمجھے قیامت تک نہ اُن کو آسماں سمجھے
جو عاشق ہو کسی بت پر نہ تن سمجھے نہ جاں سمجھے
بس عشق مہ جبیناں کو قضا کی نردباں سمجھے

ہوا کرتی تھی یہ حرکت صنم تمسے لڑکپن میں
مگر کابل ہوئے ہوا اب تو تم تہذیب کے فن میں
گلوری کھاکے تم نے پیک تو تھوکی تھی برتن میں
کسی ناشاد کا خوں بھر گیا ہے اُنکے دامن میں
بھلا کیونکر دل ناداں اسکو رنگ پاں سمجھے

تمنّا یہ ہماری یا الٰہی جلد بر آئے
ہمیں گھائل کیا ہے اُسنے وہ بھی چوٹ اب کھائے
گرسے اوندھے ہی منھ اسطرح ظالم تو کھلا جائے
کبھی تو آ کے وہ ہٹ سنگ مدفن میرا ٹھکرائے

وہ اپنے دل میں اِس کو قبر کا میری نشاں سمجھے

لنگوٹی بندھ گئی اُنکی لیا کرتے تھے جو دون کی
نہ رادھا کی چلی کچھ ہمیں طاقت اور نہ چوچوں کی
نئے چکّر نرالی گردشیں ہیں چرخِ گردوں کی
گئیں جانیں بچارے قیس اور فرہاد و مجنوں کی
پرائے دل وہ بھی عشق مہ جبیناں کو کہاں سمجھے

جُنوں کچھ انکا ابکی سال اِس درجے پہ پہونچا ہے
ہوا ہے خبط شوقِ مال اِس درجے پہ پہونچا ہے
نہیں کچھ پوچھنا احوال اِس درجے پہ پہونچا ہے
تمہارے غم زدہ کا حال اِس درجے پہ پہونچا ہے
کہ دُودِ آہِ عاشق کو بھی وہ اِک آسماں سمجھے

نوٹ ۔ جنابِ لطف کی تقلید میں ظریف مرحوم نے خود بھی ایک غزل کہی ہے جو غزلیات کے سلسلے میں درج ہے۔ صفی عفی عنہ

تخمیس مزاحیہ

جب ذرا پارے کی صورت مضطرب دیکھا مجھے
سمجھے قومِ لوط کا بگڑا ہوا لونڈا مجھے
لیکن ایسا ڈھیٹ ہوں مطلق نہیں پروا مجھے
راہِ تاریکِ طلب میں دیکھ کر تنہا مجھے
دُور سے موسیٰ دکھاتے ہیں یدِ بیضا مجھے

تخمیس مزاحیہ بر مصرع طرح

۱۱ بند ½ ۲۶ شعر

بحر متقارب مُثمّن سالم
ارکان فعولن فعولن فعولن فعولن

نہ حالت پہ دل کی نظر کرنے والے
خبردار او بے خبر کرنے والے
فقط قیس کا جسم زر کرنے والے
ارے سرجری ڈاکٹر کرنے والے
مرا وا شگافِ جگر کرنے والے

ارے بے خبر نیشتر کرنے والے قناعت نہ اک حال پر کرنے والے
اِدھر کرنے والے اُدھر کرنے والے کدھر کر رہا ہے کدھر کرنے والے
مرادا شگافِ جگر کرنے والے

رقم فیس کی لے کے تو اپنے گھر جائے یہ بیمارِ غم خواہ صدمے سے مرجائے
بلا سے تری تو، تو کام اپنا کر جائے کہیں کا کہیں چاہے نشتر اُتر جائے
مرادا شگافِ جگر کرنے والے

ارے تو نے جو چیز نوچی کھسوٹی نہیں ہے یہ بد گوشت بُوٹی ہے بُوٹی
ہے گہرا ان سے اسکی لمبان چھوٹی جگہ تنگ ہے اور سلائی ہے موٹی
مرادا شگافِ جگر کرنے والے

نہ کر اتنی تیزی اگر تو ہے مٹھا علاج جراحت ہنسی ہے کہ ٹھٹھا
ارے تو بھی ہے کتنا اُلّو کا پٹھا نہ جائے جہاں سینک کرتا ہے لٹھا
مرادا شگافِ جگر کرنے والے

نہ سوچا نہ سمجھا نہ دیکھا نہ بھالا بڑا تو تدارک کا ہے کرنے والا
نہ جائے سوئی جس میں کھونسا ہے بھالا کیئے دیتا ہے ایک نلیا کو نالا
مرادا شگافِ جگر کرنے والے

لٹا کر عبث تو کھڑا کر رہا ہے طبیعت کو کیوں بدمزا کر رہا ہے
برا کر رہا ہے برا کر رہا ہے ذرا آنکھ تو کھول کیا کر رہا ہے
مرادا شگافِ جگر کرنے والے

ترے اس تدارک سے کیا ہوگی سیری نہ کر ایسے کاموں میں اتنی دلیری
یہ تہذیب کہتا ہوں سن بات میری بھری نہ ہو جائے اُنگلی میں تیری

مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

سُنوں میں بصد یاس کیا گفتگو ہے — رہوں ایسا بیخود نہ سمجھوں کہ تو ہے
تجھی سے میں پوچھوں یہی آرزو ہے — مواد اِسکے اندر بھرا یا لہو ہے

مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

دواخانے میں ایڈوفارم نہیں ہے — بھرے زخم جس سے وہ مرہم نہیں ہے
مرے درد کا کچھ تجھے غم نہیں ہے — بتا تو ہے پھر کیا جو بوڑم نہیں ہے

مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

بتا مجھکو کیا چیز سمجھا ہے آخر — ترا تیز نشتر اگر ہے تو ہو پھر
مرے زخم کی کھال تک جائے گر چِر — نہ چیخوں گا صابر رہوں صابر ہوں صابر

مرا دا شگافِ جگر کرنے والے

۵۷ تضمین قطعہ بند

تعدادِ ابیات ۲۲

بحر مضارع مثمن اخرب سالم — ارکان. مفعولُ فاعِ لاتن مفعولُ فاعِ لاتن

اک لُعبتِ کلیسا تیرِ نگاہ جس کا — ہلکی سی کاوشوں میں بَرمادے سنگِ خارا
رشکِ مسیح بنکر وہ قاتلِ زمانہ — آیا پئے مداوا لینے کو دل ہمارا
اِس دلمیں کیا سکت ہے آخر مقاومت کی — بس جل بجھا وہیں پہ جیسے کہ اِک شرارا
گفتم کہ از رُخِ تو گل یافت رنگ و خوبی — بر تو نثار کردم نقدِ دلم خدارا
پس از کرم نگاہے از تو امیدوارم — شاہا عجب نباشد بخشی اگر گدارا
کہنے لگا یہ ہنسکر تم ہو وہی مسلماں — دنیا میں جن کا خنجر مشہور ہے دودھارا
میں تم سے دل لگاؤں بالکل ہے غیر ممکن — جبتک کہ تم نہ کرلو اسلام سے کنارا

ملنے کی ایک صورت آسان سی یہی ہے — دل سے قبول کر لو آئینِ دیں ہمارا
سمجھو یہ فلسفہ ہے وجہِ بقائے عالم — تینوں ہوں مل کے واحد واحد ہو پھر سہ پارا
در حلِ ایں معمّا تا منہمک نباشی — خواہی نیافت ہرگز آں دُرِّ بے بہا را
تھی چونکہ ایسی منطق میری سمجھ سے باہر — میں تھینکس کہہ کے پلٹا وہ اپنے گھر سدھارا
آگے بڑھا تو دیکھا مجمع ہے ایک جانب — اور شیخ و برہمن میں سب اُس ہیں جلوہ آرا
یہ وعظ کہہ رہے تھے وہ تھے کتھا سناتے — جنت پہ اُن کو دعویٰ بیکنٹھ اِنکا سارا
تھا وعظ مولوی کا احکام حج بجا لا — کہتے تھے مالوی جی تیرتھ ہے دھرم ہمارا
اور اک بزرگِ ملت لکچر یہ دے رہے تھے — دنیا کی اینٹ ہو جب اور دین کا ہو گارا
قصرِ کہن گرا کر ایوانِ نو بناؤ — گر چاہتے ہو دنیا کلمہ پڑھے تمھارا
صوفیِ صافِ باطن ساغر بکف تھے گویا — کُن ترکِ ماسواءُ در جامِ بیں خدا را
قانونِ ملک و ملت کافی ہے جان لینا — کہتے تھے نیچری یہ فطرت کا ہے اشارا
مجمع میں اپنی اپنی ہر ایک کہہ رہا تھا — اک نکتہ دان حکمت اسطرح سے پکارا
"آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است — با دوستاں تلطّف با دشمناں مدارا"
گفتم بدل کہ دردا در کارگاہِ ہستی — ایں کشمکش نہ زیبد عقلِ گریز پا را
مشہور مطلعے را خواندم ز قولِ حافظ — چوں باز یاد کردم آں شوخِ دلربا را

"دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را"
"دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا"

ایضاً

۳ بند = ½ ۲۲

بحر رمل مثمن مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات یا فاعلن

ایسا رہرو جس کی منزل کا نشاں کوئی نہ ہو — جس کے پہلو میں بجز قلبِ تپاں کوئی نہ ہو

کہہ نہ سکتا ہو کسی سے حال اپنے درد کا　　دل میں ہوک اُٹھتی ہو لیکن رازداں کوئی نہ ہو
کھینچ کر اک آہ بے تاثیر ہو جائے خموش　　باعثِ تسکینِ قلبِ ناتواں کوئی نہ ہو
ہر طرف دیکھا کرے پھر پھر نگاہِ یاس سے　　اور نظروں میں بجز حسرت سماں کوئی نہ ہو
بحرِ طوفاں خیزِ غم میں دفعتہً دل ڈوب جائے　　مثل اُس کشتی کے جس پر بادباں کوئی نہ ہو
ہے وہ طائر قوتِ پرواز جس کی دے جواب　　تاک میں صیاد ہو اور آشیاں کوئی نہ ہو
سر بہ زانو ہو کے لازم ہے یہی سو جائیے　　رہیے بس ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

حضرتِ دل آپ ہی انصاف سے فرمائیے　　اس سرائے دہر میں ایسے مسافر کے لیے
ساز و سامانِ معیشت کی ضرورت ہی نہیں　　موت جبتک آئے غم کھایا کرے آنسو پیے
قافلے کو جس کے نامعلوم میعادِ قیام　　موت کا پیغام اِدھر آیا اُدھر بس چل دیے
جب کسی سے بات کرنے کی تمنا ہی نہ ہو　　کیوں نہ چپ بیٹھا رہے سب سے الگ منہ کو سیے
چاہیے قیدِ علائق سے رہے آزاد وہ　　جسکا کوئی پوچھنے والا نہ ہو جبتک جیے
خشت کا اک عارضی تکیہ ہو بستر خاک کا　　سر کے اوپر آسماں موجود ہو سایہ کیے
پھر ضرورت کیا کسی تعمیر کی کیوں فکر ہو　　بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

یہ بہارِ لالہ و گل یہ نشاطِ روزگار　　ہے فریبِ زالِ دنیا اس سے غافل ہوشیار
جب سرائے دہر میں ممکن نہیں تیرا قیام　　اور دُنیا کو سمجھتا ہے کہ ہے اک رہگذار
دیکھنے میں اُس کے منظر ہیں نہایت خوشنما　　اصل میں لیکن یہ خود فانی ہے اور ناپائدار
جتنے دن آشوب گاہِ دہر میں رہنا پڑے　　امن اُسی میں ہو کہ تو سب سے رہے بیگانہ وار
غور کر اس چند روزہ زندگی کے واسطے　　کیوں کسی پر بار ہو کیوں لے کسی کا سر پہ بار

چار دن کے واسطے بیکار ہے شور و شغب — کاٹیے خاموش رہکر زندگیِ مستعار
موت کے آنے سے پہلے کیجئے یہ انتظام — پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

۹۵ تضمین بلا قید — تعداد ابیات ۴

بعد اک عرصے کے آیا آپ کو اتنا خیال — سمدھیانے کے ملازم کو نہ پہونچے کچھ ملال
اصل میں لیلیٰ کا کُتّا بھی تو ہوتا ہے عزیز — اور نہیں اُسکی غذا ہڈی سے بہتر کوئی چیز
واقعی میری غذا جو تھی وہی بھیجی گئی — لوگ بھولے سے ابھی تک جانتے تھے آدمی
"شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو"
عُذر تقصیراتِ ما چندانکہ تقصیراتِ ما

ایضاً

ابیات قطعہ بند — تعداد ابیات ۱۰

عشق مجازی کا جوش دیکھ کے خاموش ہو
نام و تخلّص بتاؤ کاہے کو روپوش ہو

بحر خفیف مُسدّس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان۔ فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

اَیُّہا الشیخ مصلح الاقوام — تھا ضمیمے میں نام کا کیا کام
کیا کہا صرف اس کو دیکھیں سب — کون قائل ہے اس سے کیا مطلب
مثنوی ہیں نے جو لکھی تھی فضول — لکھنؤ میں وہ ہوگی کیا مقبول

اور اگر پوچھے کوئی ذاتِ شریف | آپ کہدیجیے ایک شخص ظریف
دلگی باز قوم کا غمخوار | پنچ کا مخلص اور نامہ نگار
جو ظرافت کا پہنے ہے جامہ | واعظِ بے عبا و عمامہ
فکر نام و نمود سے غافل | فقط اس قول پر جو ہے عامل
"دوست آنست کو معائب دوست | ہمچو آئینہ روبرو گوید"
"نہ کہ چوں شانہ با ہزار زباں | پسِ سر رفتہ مو بمو گوید"

ایضاً

تعدادابیات

بہارِ گلشنِ کشمیر بہرِ نذر لایا ہوں | کہ ایسی جنس کا ہے صرف آقا قدر داں میرا
کتب خانے میں اسکے داخلے کا حکم ہو جائے | یہ خواہش ہے رہے محفوظ یہ تحفہ وہاں میرا
بھروسا زندگی کا کیا چراغِ صبحگاہی ہیں | مٹاوے گا زمانہ ایک دن نام و نشاں میرا
ضعیفی اور آلام و مصائب روزمرہ کے | زمانہ لے رہا ہے سختیوں سے امتحاں میرا
ریاضِ دہر میں کھلا چکا تھا کب کا مٹ جاتا | نہ کرتا آبیاری وقت پر گر باغباں میرا
وطن ناقدرداں میں بے حقیقت فردِ کم مایہ | زمانے میں بھلا پھر کون ہوتا قدرداں میرا

"مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد"
"وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد"

نوٹ ۔ بہارِ گلشنِ کشمیر تذکرۂ شعرائے کشمیر کا نام ہے جسے پنڈت برج کشن صاحب کول اور پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ نے تالیف کر کے شایع کیا تھا۔ عفی عنہ

ایضاً

۳ بند ۲۱

تری بزمِ طرب میں شورِ نوشا نوش ہو ساقی | جہاں ہر رند کو حد سے زیادہ جوش ہو ساقی

جسے آدابِ محفل کا ذرا بھی ہوش ہو ساقی　　قرینہ میکدے کا دیکھ کر خاموش ہو ساقی
یہاں جو بڑھ کے لے لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

مرے ساقی کبھی مجھ میں یہ ہمت ہو نہیں سکتی　　ترے محکوم کو اتنی جسارت ہو نہیں سکتی
عطا کر تو یہوں گا یوں تو جرأت ہو نہیں سکتی　　مرے کمزور ہاتھوں میں یہ قوت ہو نہیں سکتی
یہاں جو بڑھ کے لے لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

جسارت بڑھ گئی رندوں میں اتنی کیا بتاؤں میں　　ترے اخلاق سے کیوں فائدہ بیجا اٹھاؤں میں
نہ اتنا مست ہوں حدِ اطاعت بھول جاؤں میں　　بلا تیری اجازت کیوں قدم آگے بڑھاؤں میں
یہاں جو بڑھ کے لے لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

۹ قطعات　　تعدادِ ابیات ۲

ادائے خدمتِ مخلوق ہی پہلا فریضہ ہے　　مُقدم جانتا انساں اسے انساں اگر ہوتا
نہ خدمت خلق کی گر ذاتِ ختم المرسلیں کرتی　　لقب کیوں رحمۃٌ للعالمیں خیر البشر ہوتا

ایضاً　　تعدادِ ابیات ۳

بپاسِ خاطرِ ذی مرتبت علی ضامن　　مشاعرے میں گیا اور پڑھ پڑھا آیا
مزارِ وارثِ دیوا شریف تک نہ گیا　　ٹھہر کے کیمپ میں منت یونہی بڑھا آیا
سُنا تھا لوگ چڑھاتے ہیں چادریں تو ظریف
بڑا نہانے کا اک تولیہ چڑھا آیا

نوٹ ۔ ڈپٹی سید علی ضامن صاحب کے اصرار سے دیوا کے مشاعرے میں ظریف مرحوم شریک ہوئے تھے وہاں اُنکا تولیہ جاتا رہا یہ قطعہ اُسی کے متعلق ہے ۔　　صفیؔ عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۶

کی سفارش آپ نے گھوسی سے مٹھے کیلئے
آپکے احسان کا میرے سر پہ گٹھا ہوگیا

آپکے تاکید فرمانے کو وہ سمجھا ہنسی
آپکے ارشاد اُس کے حق میں ٹھٹھا ہوگیا

حکم کی پروا نہ کی اُس نے کہ گھوسی تھا رذیل
آدمیت چھوڑ کر اُلّو کا پٹھا ہوگیا

واقعہ یہ ہے اُٹھائے سے نہ اُسکے اُٹھ سکا
بوجھ راتب کا اُسے سانجھو کا لٹھا ہوگیا

تین دن راتب دیا اور تین دن ناغہ کیئے
گو اَدھورا ہی سہی ہفتہ اکٹھا ہوگیا

شکریے کے ساتھ عرضِ حال کرتا ہے ظریفؔ
آپ کا ماتحت گھوسی اتنا مٹھا ہوگیا

نوٹ - یہ قطعہ مزاحیہ ظریفؔ مرحوم نے داروغۂ باورچی خانہ ریاستِ محمود آباد کو گھوسی کی شکایت میں لکھ کر بھیجا تھا۔ صفی عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۲

مرا مجلس کا حصّہ کر گئے یوں مہرباں غائب
کہ جیسے مہتمم مجلس کے کردیں جوتیاں غائب

مٹھائی غضب کی حصہ بٹے گا اُنکے تیجے کا
لحد میں دفعتہً ہو جائیں گے جس دن میاں غائب

ایضاً

تعداد ابیات ۵

اے ولی نعمت محمد مہدی عالی جناب
حق تعالیٰ آپ کو رکھّے ہمیشہ کامیاب

اپنے ہمجنسوں میں روز افزوں ہو عزت آپ کی
سائے کی صورت رہیں اقبال و دولت ہمرکاب

ہم نمک خوارِ ریاست دونوں خادم آپ کے
جو دعائیں کرتے تھے آخر ہوئیں وہ کامیاب

جنوری اُنیس سو تیئس کے آغاز میں
نامِ نامی کا ہوا روشن جہاں میں آفتاب
سالِ نو کی تہنیت دینے کو حکم شاہ سے
ہند تک لندن سے آیا راجہ صاحب کا خطاب

نوٹ - یہ قطعہ ظریف صاحب نے راجہ صاحب پیر پور کے دو ملازموں کو اُن کی فرمائش پر لکھ دیا تھا جو تہنیت پیش کرنا چاہتے تھے معلوم نہیں وہ دونوں صاحب کون تھے۔ صفی عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۱۳

بحر ہزج مثمن سالم
ارکان. مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

سنائیں وہ دلِ کس کو سُنے گا کون لے دانش
سمجھ میں آئیگا کس کے کوئی کس سے کہے دانش

جسے کہتے ہیں پاسِ وضع و خودداری حقیقت میں
وہ اک بیکار شئے ہے اس زمانے کے لئے دانش

زباں نا آشنا شکوے سے عسرت میں بسر کرنا
تمھارے بعد کوئی ہے جو ایسا کر سکے دانش

ہزاروں سختیاں جھیلیں نہ ماتھے پر شکن دیکھی
حقیقت میں مجسّم صبر و استقلال تھے دانش

رہے جس حال میں محفوظ رکھی آن بان اپنی
مقرر اسکے رہیں گے مدتوں چھوٹے بڑے دانش

رہے چہرے پہ آثارِ مسرّت تا دمِ آخر
ہمیشہ خندہ پیشانی ہی دیکھا جب ملے دانش

خیالِ خاطرِ احباب مرتے وقت تک رکھنا
کسے کہتے ہیں اسکو بالعمل دکھلا گئے دانش

ہمارے لکھنؤ کو ناز ہے جس وضعداری پر
نباہا تمنے اسکو عمر بھر جبتک جیئے دانش

ضعیفی میں لبِ بامِ آفتابِ عمر جب آیا
قضا کا اک بہانہ تھا جو کوٹھے سے گرے دانش

اُٹھا اک ماہرِ فن مستند اہلِ زباں تم سا
عجب کیا مدتوں اُردو ادب ماتم کرے دانش

ستائے گی تمھاری یاد جب بزمِ ادب ہوگی
نکل ہی جائے گا بیساختہ منہ سے ارے دانش

اسی پر منحصر ہے قدردانی مرنے والے کی
فقط اک سورۂ الحمد پڑھ دیجئے پئے دانش

ظریفؔ اظہارِ غم کی بزم ہے مختصر کہہ دو
قضا دانشؔ کی آئی ہو گئے ہم لوگ بے دانش

نوٹ - یہ قطعہ حکیم فدا احمد صاحب دانشؔ کے جلسۂ تعزیت میں ظریفؔ مرحوم نے کہہ کر پڑھا تھا۔
صفی عفی عنہ

ایضاً
تعداد ابیات ۵

آپ سرکار کے اُستاد اتالیق سہی
پھر بھی اسلام سکھاتا ہے اُخوت کا سبق

میں نے مانا کہ ہوں اک بندۂ ناچیز و ذلیل
تو بھی اسلام کے شیرازۂ ملّی کا ورق

میں تو حاضر ہی ہوا کرتا ہوں بہر تسلیم
ہے مگر آپ کے تشریف نہ لانے کا قلق

سرفراز آ کے کبھی آپ جو فرمائیں مجھے
کسرِ شان اس میں نہیں آپکی حاشا مطلق

دوستانہ ہے شکایت زرہ رسم قدیم
ورنہ شکوے کا ظریفؔ اور سے کیا مجھ کو حق

ایضاً
تعداد ابیات ۶

منصفی سے ہوئی وابستہ جو انجینیری
اب بنا قصر عدالت کی ہوئی مستحکم

عرف میں نام اسی کا ہے قران السعدین
اختر برج شرف اور مہ کامل ہیں ہم

شور ہر سمت ہے دیوانی کے دیوانوں میں
چھیڑ دے ساز کو مطرب نہ سنا اب سرگم

سازِ قانون کی آواز ہو ایسی ہموار
کہ سمجھ ہی میں نہ آئے کہیں زیر و بم

مرشد آباد کے گلشن میں یدِ قدرت نے
کیا لگائی ہے کلا نور کی شاداب قلم

ساقیا! مفت کی مے ہوتی ہے قاضی کو حلال
یہ مثل سب میں ہے مشہور ترے سر کی قسم

بار ادر بنچ کے متوالے چلے آتے ہیں

درِ میخانہ پہ لکھ کر تو لگا دے دِل کم

نوٹ۔ یہ قطعہ کتخدائی سید اختر احسن صاحب خلف جناب سید اصغر حسن صاحب جج کے متعلق ہے۔ شادی ۱۹۳۴ء میں ہوئی تھی۔ صفی عفی عنہ

ایضاً — تعداد ابیات ۲

للّا صاحب کے بہر طور ہیں ہم شکر گزار ۔۔۔ جن کے باعث سے ہوئے آج یہ اسباب بہم

ہے ظریفؔ اک اثرِ عزّت محمود آباد

کہ ملے ہم سے کنور صاحبِ و زیا نگرم

ایضاً — تعداد ابیات ۵

چھین لی ہاتھ سے پنجاب نے دیگر نعمت ۔۔۔ لکھنؤ کچھ بھی سر دیا کا تجھے ہوش نہیں

شیعہ اسکول کے بچّوں کو جو لیں لطف سے لے ۔۔۔ مہرباں سچ ہے کہ ایسا کوئی آغوش نہیں

رات دن خدمت قومی میں لگانے کے لئے ۔۔۔ دل تو مِل جائینگے ممکن ہے یہ یہ جوش نہیں

اپنے محسن کی اگر دل سے نہ کی سچّی قدر ۔۔۔ قوم پھر کیا ہے جو احسان فراموش نہیں

تیز دوڑے ادھر اور سوئے یہ خصلت ہے ظریفؔ

اُسپہ دعوٰی ہے کہ انسان ہیں خرگوش نہیں

نوٹ۔ شیعہ اسکول میں محسن میرزا صاحب پنجاب سے رخصت لے کر ابتدائی انتظام درست کرنے سنہ ۱۹۲۰ء میں آئے تھے۔ اُن کے جاتے وقت یہ قطعہ ظریفؔ نے کہا تھا۔ صفی عفی عنہ

ایضاً

تعداد ابیات ۲۳

بحر خفیف مسدس مخبون مقصور یا محذوف — ارکان. فاعلاتن مفاعلن فعلان یا فعلن

مسند آرا ہوے بہ شوکت و شاں — راجہ صاحب امیر احمد خاں
شرفا پرور و کرم گستر — منبع بذل و معدن احساں
جن کا اخلاق میں جواب نہیں — جو ہیں تہذیب میں وحید زماں
جب کبھی دامن سماعت پر — لعل لب سے وہ ہوں گہر افشاں
ہوں گے الفاظ سب دُرِ شہوار — باتیں سب ہوں گی موتی کی لڑیاں
جز کتب بینی اور شوق نہیں — ہے کتب خانہ بحر بے پایاں
نثر میں نظم میں بڑے مشّاق — ایک دریا ہے جوشِ طبع رواں
مختلف السنہ پہ جب ہے عبور — کیا غلط ہے اگر کہوں ہمہ داں
حد کی مردم شناس ہیں نظریں — چشم بددور ہیں اگرچہ جواں
بات کہتے نہیں کوئی ایسی — گزرے جو طبع پر کسی کے گراں
کیا ذکاوت ہے کیا فراست ہے — دونوں چیزیں ہیں عطیۂ یزداں
نکتہ رس نکتہ سنج نکتہ نواز — نہیں حصرِ صفات کچھ آساں
للہ الحمد راج گدّی پر — متمکّن ہوا وہ فیض رساں
جشن ہے قلعۂ معلّیٰ میں — آئے ہیں راجگان عالی شاں
خود گورنر بھی لائے ہیں تشریف — اور حکّام بھی ہیں سب مہماں
نصب ہیں خیمہ ہائے رنگا رنگ — قلعہ ہے رشکِ بوستانِ جناں
مشرقی طرز کی جو ہے دعوت — لکھنؤ میں ہے اُسکا بھی ساماں

رشکِ فردوس قیصر قیصر باغ | پھر وہاں یہ نظر فریب سماں
خاص نمبر نکل رہا ہے ایک | ہوگا تفصیل سے سب اس میں بیاں
حکمراں وہ رہیں صدوسی سال | یہ دعا ہے ظریفؔ وردِ زباں
معدلت مہد عہد میں اُن کے | کُل رعایا رہے بہ امن و اماں
ہو ترقی پذیر دولت و جاہ | رہیں احباب خرم و شاداں
جو ہو دنیا میں دشمنِ ممدوح | رہے اُس سے زمانہ روگرداں

نوٹ۔ ظریفؔ مرحوم نے یہ نظم راجہ صاحب بہادر محمود آباد کی مسند نشینی کے موقع پر بطور تہنیت پیش کی تھی۔ صفیؔ عفی عنہ

ایضاً تعداد ابیات ۲

تقویت دے گا مہاراجہ کے تخت و تاج کو
چاند سا بیٹا مُبارک ہو کنور مہراج کو
پالنا نادار لایا ہے پئے نذرِ امیر
زر تصدّق کے لیئے ممکن نہ تھا محتاج کو

نوٹ۔ مہاراج کمار صاحب محمود آباد کے صاحبزادے کی ولادت کے موقع پر ظریفؔ مرحوم نے یہ قطعہ کہہ کر پیش کیا تھا۔ صفیؔ عفی عنہ

ایضاً تعداد ابیات ۱۵

بحر۔ ہزج مُثمّن سالم
ارکان۔ مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

مُبارک ہو یہ دلکش دلکشا منظر مبارک ہو | یہ بزمِ شادیِ فرزندِ نیک اختر مبارک ہو

جدھر دیکھو اُدھر بس محفل عشرت ہی عشرت ہے
مُبارک یہ سماں ہو اور یہ منظر مبارک ہو

جو آتا بھی نہ تھا مُدّت سے وہ بھی شوق سے آیا
یہ مہمانوں کا مجمع آپ کے گھر پر مبارک ہو

نکلنا حوصلے بیٹے کی شادی کے مسّرت میں
لٹانا مال و زر نوشاہ کے سر پر مبارک ہو

مچی شہزاد کی شادی کی ایسی دھوم عالم میں
ہر اک فردِ بشر نے کہہ دیا آکر مبارک ہو

دلہن کو بیاہ لانا زندگی بھر کی مسّرت ہے
تمھیں شہزاد سچّا مونس و ہمسر مبارک ہو

تجلّی پھیلی جاتی ہے دلہن کے گھر میں آنے سے
صدائیں گونج اُٹھی ہیں رُخِ انور مبارک ہو

مُراد آباد ہے دامن مُرادوں سے بھرو اپنا
کہ بابو کرشن چندر کی تمھیں دختر مبارک ہو

الٰہی عیش کی گھڑیاں سدا آتی رہیں یونہی
سجانا محفلِ عیش و طرب اکثر مبارک ہو

مُبارک دن کو لے نوشاہ شانِ مسند آرائی
تجھے راتوں کو لطفِ بالش و بستر مبارک ہو

فضائل کسقدر شہزاد کے مشہورِ عالم ہیں
تمھیں راجہ تمھارا بے بہا گوہر مبارک ہو

کھنچ آئے منزلوں سے جذبِ اُلفت اسکو کہتے ہیں
گلے سمدھی کے سمدھی مل گئے آکر مبارک ہو

ضیا کیونکر نہ پھیلے ہر طرف نورِ محبّت کی
کہ یکجا ہو گئے مہر و مہِ انور مبارک ہو

جو نوشہ نورِ محفل ہے دُلہن ہے روشنی گھر کی
چمک چہروں کی یکساں باہر اور اندر مبارک ہو

یونہیں چھائی رہیں سر پہ گھٹائیں عیش و راحت کی
پلانا جامِ اُلفت شوق سے بھر کر مُبارک ہو

نوٹ ۔ یہ قطعہ ظریف مرحوم نے اپنے ایک دوست راجہ صاحب کے لڑکے کی شادی کے موقع پر بطور تہنیّت کہا تھا۔ صفی عفی عنہ

ایضاً **تعدادِ ابیات ۲**

ذکرِ سخن کا ذوق تھا جبتک جواں رہے
ماحول تو وہی ہے مگر ہم کہاں رہے

دل مُردہ ہو گیا تو ظرافت سے واسطہ — اک تذکرہ رہے گا اگر قدرداں رہے

ایضاً — تعداد ابیات ۲

بزدلِ وفورِ خوف سے ہتّوا کہیں جسے — تھا ردِ زباں ہیں لوگ بھوّا کہیں جسے
دستِ سعید سے ہوئی وہ شیرنی شکار — تیار ایسی ڈھوّیکا ڈھوّا کہیں جسے

ایضاً — تعداد ابیات ۱۸

بحر رمل مثمّن مخبون مقصور یا محذوف — ارکان ۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات یا فعلن

ہم سُنا کرتے تھے انسان متمدّن ہے، جسے — ملنے جُلنے کی ضرورت بھی ہوا کرتی ہے
دم نہ تنہائی میں گھبرائے اکیلے رہ کر — کبھی ہم جنسوں کی صحبت بھی ہوا کرتی ہے
آ کے دُکھ درد میں ہو ایک کا گر ایک شریک — اس سے افزائشِ اُلفت بھی ہوا کرتی ہے
دل بہل جاتا ہے جب ایک جگہ مل بیٹھے — میل ملّت سے مسرّت بھی ہوا کرتی ہے
تندرست آتے ہیں بیمار کی پرسش کے لیے — یوں ادا رسمِ عیادت بھی ہوا کرتی ہے
کیا سب اقران و اماثل ہی سے ملتے ہیں فقط — ایسی اسلامی اُخوّت بھی ہوا کرتی ہے
کلیّہ کیا یہ غلط تھا جو سنا کرتے تھے — یکدلی باعثِ قُوّت بھی ہوا کرتی ہے
منتشر گر کہیں شیرازۂ ملّی ہو جائے — پھر ہر اک فرد کو ذلّت بھی ہوا کرتی ہے
پر نہ معلوم تھا ایسے بھی ہیں خطّے کہ جہاں — ایک سے ایک کو نفرت بھی ہوا کرتی ہے
اتفاقاً جو مُلاقات کسی سے ہو جائے — ظاہراً لُطف و عنایت بھی ہوا کرتی ہے
ایک کا دوسرا شاکی ہے پسِ پشت مگر — یوں بلا وجہ عداوت بھی ہوا کرتی ہے
چوٹیں چلتی ہیں باہم خوب زبانی ہر وقت — اِس اکھاڑے میں تو کثرت بھی ہوا کرتی ہے